"صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا

Mir Zaheer Abass Rustmani
03072128068

(۱۸۵۰ء۔۱۹۴۷ء)"

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

Najam Din 19/05/10

Barkat Ali 19/5/10

نگران: پروفیسر برکت علی

مقالہ نگار: نجم دین

شعبہ اُردو و فارسی

گورونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر (پنجاب)

سنہ ۲۰۱۰ء

Thesis for Ph.D.

"DEVELOPMENT OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE IN JAMMU REGION (1850 -1947)"

Submitted by

Najam Din

Supervisor

Prof. Barkat Ali

Department of Urdu and Persian

Guru Nanak Dev University , Amritsar (PUNJAB)

2010 A.D.

فہرست

پیش لفظ

’’صوبہ جموں میں اُردو زبان وادب کا ارتقا‘‘ کے موضوع پر مقالہ پیش خدمت ہے میں نے اپنا یہ مقالہ تمام ضروری تحقیقی اور علمی (کیڈمک) شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے پی.ایچ .ڈی کی سند کے حصول کے لیے قلمبند کیا ہے۔

دراصل اُردو دنیا کے بڑے اور چھوٹے مراکز میں صوبہ جموں کی بھی ایک خاص اہمیت ہے دہلی ،لکھنو،لاہور اور کراچی جیسے بڑے اُردو مراکز سے دور صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی داستان نہایت دِلچسپ اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا محض ڈیڑھ دوسو برسوں میں اس تیزی سے ہوا کہ اتنی تیزی سے اُردو کا ارتقا کسی اور علاقے میں شاید ہی ہوا ہو گا۔ ریاست جموں کشمیر یوں تو تین صوبوں جموں کشمیر اور لداخ پر مشتمل ہے ۔ تقسیم ملک اور کشمیر سے پہلے گلگت،اوبلتستان،اور مظفرآباد وغیرہ علاقے بھی اس ریاست میں شامل تھے۔ ابتدا سے ہی اس ریاست کی تمام سیاسی ، سماجی ، علمی اور ادبی

سرگرمیوں کا مرکز جموں ہی رہا ہے ۔اس اعتبار سے جموں میں اُردو زبان و ادب کا کوئی بھی جائزہ ایک اعتبار سے پوری ریاست میں اُردو زبان و ادب کے جائزے کے مترادف ہو گا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ موجودہ دور بڑے اور ترقی یافتہ مراکز کی بجائے چھوٹے اور کم ترقی یافتہ مراکز کی لسانی ادبی اور ثقافتی صورت حال کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کا دور ہے۔اس کی وجہ یہ ہے ۔کہ عالمی یا ملکی تناظر میں لیا گیا کوئی بھی جائزہ چھوٹے اور ذیلی مراکز کی لسانی و ادبی سرگرمیوں کے آغاز وارتقا اور رفتار و معیار کی تفاصیل سے عادی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کسی مخصوص صوبہ یا علاقہ کے حوالے سے جب کسی زبان اور اس کے ادب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے تو اس سے نہ صرف اس علاقہ کے جغرافیائی حالات ،تاریخی کوائف اور وہاں بسنے والوں کے رسوم ورواج اور مزاج کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔بلکہ اس حلقہ کے وہ سارے لسانی اور ثقافتی ،سماجی اور سیاسی اسباب اعلل بے نقاب ہو جاتے ہیں۔جن کی بنا پر کسی زبان اور اسکے ادب کا آغاز وارتقا ہوتا ہے ۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں مرکز سے دور پس ماندہ اور غیر

ترقی یافتہ سرحری علاقوں کی سماجیات اورمعاشیات کے ساتھ ساتھ ادب وثقافت کے مطالعے کو بھی اہمیت دی جارہی ہے ۔ظاہر ہے کہ اس طرح کے علاقائی مطالعات سے ان دور دراز علاقوں کی ادبی و ثقافتی سطح پر دوسرے علاقوں سے جوڑے رکھنے میں بڑی مدد ملے گی جو بہر حال ہندوستان کی یکجہتی اورسالمیت کے لیے بے حد ضروری ہے ۔چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے اپنے نگران ڈ کٹر برکت علی کے مشورے پر اپنے پی ۔ایچ۔ڈی کے مقالے کے لیے'' صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا(۱۸۵۰ء۔۱۹۴۷ء)''جیسے موضوع کا انتخاب کیا۔

میرے اس تحقیقی منصوبے کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے ۔جبکہ ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان ہی ہے ۔ جو اس ریاست کے مختلف علاقوں کے اگوں کوہی نہیں پورے برصغیر کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے ۔ ریاست جموں و کشمیر کے تینوں صوبوں جموں کشمیراورلداخ میں رابطے کی لنگوافرینکاLingua franka اُردو ہی ہے ۔ریاست کے تینوں خطوں میں مختلف زبانیں اور بولیاں موجود ہیں۔ اُردو یہاں کے اگوں کی مادری

زبان نہیں اسکے باوجود اُردو ہی اس ریاست کی سرکاری زبان ہے۔ تجارت اور تعلیم سے لے کر سیاست تک اُردو ہی کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اس دور دراز پہاڑی ریاست میں اُردو زبان وادب کو یہ مقام کیوں کر حاصل ہوا اور غیر اُردو داں ادیبوں اورشاعروں اورمختلف اداروں نے اُردو و ادب کے فروغ میں کس کس طرح کے کارنامے انجام دے ،اور عالمی سطح پر اُردو ادب کے معیار کے حوالے سے صوبہ جموں کے اُردو ادب کی کیااہمیت ہے ۔ان سارے نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے تحقیق کے اصولوں کے مطابق اپنے مقالے کودرج ذیل ابواب میں تقسیم کیاہے۔

ابواب :

باب اول :۔ جموں کامختصرجغرافیائی وتاریخی جائزہ

باب دوم:۔ جموں کی دوسری زبانوں سے اُردو کےلسانی رشتے اوران پر(اُردو کے) اثرات

باب سوم:۔ اُردو کی ترقی میں مختلف ادبی اداروں،انجمنوں اورتحریکوں کا حصہ

باب چہارم :۔جموں میں ترسیل وابلاغ کےذرائع اور اُردو

باب پنجم:۔ جموں میں اُردو شاعری کا آغاز وارتقا

باب ششم:۔ جموں میں اُردو نثر کا آغاز وارتقا

باب ہفتم:۔ جموں یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو کی ادبی خدمات

باب ہشتم:۔ حاصل مطالعہ

میں نے اپنے مقالے کو مندرجہ بالا ابواب کے حوالے سے تازہ ترین اور مستند و معتبر معلومات اور تحقیقات سے آراستہ کر کے پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے ۔میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو میرے مقالے کے ممتحن حضرات ہی کرینگے لیکن میں اپنے کام سے مطمئین ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرے اس کام کو سراہا جائے گا۔

اپنا یہ مقالہ پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے میں اپنے والد اور اپنی والدہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی دُعاوں کے طفیل میں اس مقام تک پہنچنے کے قابل ہوا۔

میں اپنے فاضل نگران پروفیسر برکت علی اور ان کے شریک کار ڈاکٹر عزیز عباس صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنے سے قاصر ہوں۔اگر ان کی ہمدردیاں اور شفقتیں میرے شاملِ حال نہ ہوتیں تو پونچھ جیسے

دوردراز اور پس ماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والے مجھ جیسے طالب علم کے لیے پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔اس کے ساتھ ہی میں شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی کے نائبُ صدر پروفیسر قدوس جاوید کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے ہر موقع پر مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

بہرحال میں اپنا یہ مقالا ممتحن حضرات کی خدمت میں اس اُمید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ میری خامیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھ ناچیز کی حوصلہ افرائی کی جائے گی۔

احقر

نجم دین

باب سوم

اُردو کے فروغ میں مختلف ادبی اداروں، انجمنوں اور تحریکوں کا حصّہ

ریاست جموں وکشمیر ہی سے ادبی سرگرمیوں گہوارہ رہی ہے۔ اس ریاست نے اُردو زبان و ادب کو بڑے بڑے فن کار اور ادیب دیے ہیں۔علامہ اقبال، چراغ حسن حسرتؔ، کرشن چندر، رسا جاودانی، غلام رسول نازکی، سعادت حسن منٹو، محمد عُمر نورالہیٰ، حامد کاشمیری ،حکم منظور اکبر حیدری، کشمیری لال ذاکرؔ، وغیرہ کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں۔ کسی بھی فن کار یا ادیب کو پروان چڑھانے میں اُس کے آس پاس کے ادبی ماحول اور ادبی سرگرمیوں کا خاص دخل ہوتا ہے جموں وکشمیر کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں نہ صرف موجودہ دور میں ادبی سرگرمیاں زور شور سے جاری ہیں بلکہ ماضی میں بھی یہ سرگرمیاں جاری رہی ہیں۔ان ادبی سرگرمیوں میں مشاعرے، مذاکرے، ڈراما شو وغیرہ خصوصیت کے حامل ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر تین خطوں پر مُشتمل ہے ۔ جموں ، لداخ اور کشمیر ۔ یہ تینوں خطے ادبی لحاظ سے بڑے مردم خیز ہیں۔چونکہ میرا موضوع صوبہ جموں کی ادبی سرگرمیاں ہے اس لیے میں اسی صوبہ کی ادبی سرگرمیوں پر بات کروں گا ۔

صُوبہ جموں دس اضلاع پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل یوں ہے:

پونچھ، راجوری، جموں، کشتواڑ، ڈوڈہ، رابن، اودھم پور، سانبہ اور کٹھوعہ۔ اس صُوبے نے ریاست کو نامور شاعر، ادیب اور فن کار دیے ہیں جھنوں نے صرف ریاستی سطح پر ہی نہیں بلکہ مُلکی سطح پر بھی اپنی پہچان بنائی ہے۔ رسؔا جاودانی، ٹھاکر پونچھی عشرت کاشمیری، نشاط کشواڑی، عابد مناوری، کے ڈی مینی، غلام نبی ڈولوال وغیرہ وہ شاعر و ادیب اور فن کار ہیں جھنوں نے اپنے فن کی بنا پر شہرت کی بلندیوں کو چُھوا ہے۔ ان تمام ادیبوں اور شاعروں کو اُبھارنے میں اِن ادبی سرگرمیوں نے خاصا رول ادا کیا جو وقتاً فوقتاً اِس صُوبے میں ہوتی رہیں۔ اور جن میں شرکت کرکے یہ ادیب و شاعر سامعین سے داد و تحسین حاصل کرتے رہے۔ اس صُوبے میں مختلف اداروں اور ادبی انجمنوں نے ریاستی و قومی سطح کے ادبی جلسے مُنعقد کر کے نہ صرف مقامی شاعروں اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اُردو زُبان کی ترویج و ترقی میں بھی اہم رول ادا کیا۔

جس طرح ہر دور میں سماج اور اس کے ارتقا میں مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبیں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ادب اور فنون لطیفہ کی ترویج و ترقی میں بھی کئی عناصر اور کئی اکائیاں کارہائے نمایاں انجام دیتی آئی ہیں۔ صُوبہ جموں میں بھی اُردو زُبان و ادب کی

ترویج و ترقّی میں جہاں ماضی میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد انجمن ترقی پسند مُصنّفین، بزم سُخن جموں ، بزم فروغ اُردو حلقہ فکر و فن، اقبال بزم ادب بھدرواہ، فریدیہ بزم ادب ڈوڈہ، انجمن ترقی ادب کشتواڑ، بزم ادب پونچھ ،انجمن ترقی اُردو ہند جموں شاخ اور نورنگ ادبی کنج کے کارنامے سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں وہاں دوسری طرف صُوبہ جموں میں پچھلے چند برسوں سے پرانی اور چند نئ تنظیمیں ادبی سرگرمیاں منُعقد کر کے موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔اس سلسلے میں انجمن ترقی اُردو ہند(جموں شاخ)،ادبی کنج، جموں وکشمیر اُردو فورم، اقبال بزم ادب بھدرواہ اور رسؔا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی وغیرہ اُردو کے ایسے غیرسرکاری ادارے ہیں جو اس پُر آشوب دور میں اُردو کی ترویج و ترقی کے لیے ٹھوس اقدام اُٹھا رہے ہیں۔کسی بھی زُبان کو فروغ دینے اور اُسے مقبول بنانے میں اُن ادبی انجمنوں، اداروں اور تحریکوں کا رول اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً ادبی تقاریب کا انعقاد کر کے لکھنے والوں کو نئ تحریک بخشتی ہیں ریاست کی مختلف زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے ادبی انجمنیں بھی قائم ہُوئیں جو مختلف زبانوں کے تیئں اپنے فرائض نبھانے میں مصروف رہیں اور ہیں بھی۔جہاں تک اُردو زُبان کا تعلق

ہے ماضی میں بھی اور حال میں بھی کئی غیر سرکاری ادارے اُردو کے فروغ کے لیے اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ یہ غیر سرکاری ادبی ادارے مشاعروں، سیمی ناروں، ادبی بحث مباحثوں اور تقاریب کا اہتمام کر کے اُردو کی بقا اور فروغ کے لیے اور اِسے اپنے حقوق دلانے کے لیے کلیدی رول ادا کر رہی ہیں۔ اِن ادبی تنظیموں کی ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے ریاست میں اُردو مقبول ہُوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ سرکاری زُبان کا درجہ حاصل ہونے کے باجود ریاستی سرکار اس زُبان سے سوتیلی ماں جیسا سلوک کر رہی ہے مگر پھر بھی خطہ جموں میں اُردو زُبان کا بول بالا ہے مختلف ادبی تنظیموں نے اُردو کے سلسلے میں جو کا نامے انجام دیے ہیں اُنھیں کسی بھی صورت میں فراموش کیا جا نہیں سکتا۔

میں نے اس باب میں جن ادبی اداروں ،انجمنوں اور تحریکوں کا تفصیل سے جائزہ لیا ان کی فہرست اس طرح ہے:

(ا) بدیا بلاس سبھا

(ب) انجمن حمائت الاسلام

(ج) بزم سُخن جموں

(د) بزم ادب کشتواڑ

(ہ) علی گڑھ تحریک

(و) حلقۂ ارباب ذوق

(ز) ترقی پسند تحریک

(ح) بزم مشاعرہ

(ط) مُحرم کی مجالِس

(ی) ناٹک کمپنیاں

(ک) مذہبی تحریکیں

(ل) ریاستی محکمہ اطلاعات ونشریات

(م) ریاستی اکادمی برائے زبان وکلچر

(ن) آزادی کے بعد کی ادبی انجمنیں

(ا) کلچرل فورم

(۲) بزم اُردو جموں

(۳) انجمن ترقی پسند مصنفین

(۴) بزم فروغ اُردو؛ جموں

(۵) انجمن ترقی اُردو ہند، جموں

(۶) بزم ادب اودھم پور

(۷) بزم ادب تھنّہ منڈی

(۸) اقبال بزم ادب بھدرواہ

(۹) نورنگ ادبی کنج

(۱۰) کرشن چندر لائبری کلب، پُونچھ

(۱۱) کرشن چندر میموریل کلب، سرنکوٹ

(۱۲) جموں کشمیر اُردو فورم

(۱۳) رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی

(۱۴) برج پریمی میموریل کمیٹی، جموں

(۱۵) بزم فریدیہ بھدرواہ

(۱۶) محروم میموریل کمیٹی جموں

(۱۷) انجمن ترقی زبان وادب، راجوری۔

(۱۸)　انجمن محبان اُردو جموں

(۱۹)　انجمن ادب اُودھم پور۔

(۲۰)　اُردو نیشنل ڈیولپمنٹ سوسائٹی، کشتواڑ

۱:۔ بدیابلاس سبھا

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر میں دوسرے ڈوگرہ حکمران مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حکومت ۱۸۵۶ء سے ۱۸۸۵ء تک رہی ۔ یہ مہاراجہ چونکہ ادب اور آرٹ کا خود بھی زبردست دلدادہ تھا لہٰذا مہاراجہ نے اِن شُعبوں کو فروغ دینے میں ذاتی دلچسپی لی۔اس مہاراجہ نے اُردو کو نظرانداز نہ کیا اور دوسری زبانوں کی طرف توجہ دیتے ہُوئے اُردو کا دامن بھی وسیع کیا۔مہاراجہ نے اپنی رعایا کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے پاٹھ شالاؤں ، مدرسوں اور کالجوں کا قیام عمل میں لایا اور مختلف زبانوں کی تعلیم کا بندوست بھی کیا۔ اُنہوں نے فارسی ، عربی ، سنسکرت ، ہندی اور انگریزی کے علماو فضلا کو ریاست کے مختلف علاقوں سے اور ریاست کے باہر سے بُلا کر اپنی سلطنت میں جگہ دی۔جس سے ادب اور تعلیم کا فروغ ہُوا۔

ریاست میں اُردو کے حوالے سے ابتدائی تقریبات اُس وقت شروع ہوتی ہیں جب مہاراجہ رنبیر سنگھ کی قیادت میں ادبی اور کلچرل سوسائٹی ''بدیابلاس سبھا'' کا قیام عمل میں آتا ہے۔مہاراجہ نے یہ سبھا زبانوں کے

فروغ دینے کے لیے بنائی تھی۔اُردو کے حوالے سے اِس اس سبھا نے چند کارنامے انجام دیے۔حالاں کہ صرف اُردو کے فروغ اس سبھا کا مقصد نہیں تھا۔لیکن اِس سبھا کی میٹنگوں میں سنسکرت، ہندی، فارسی،عربی اور ڈوگری زبان کے ادیبوں دانشوروں کے علاوہ زُبان کے ادیب اور دانشور بھی حصہ لیتے تھے۔سبھا کی ہفتہ وار نشتیں منعقد ہوتی تھیں جس کی صدارت مہاراجہ ہی کرتے اور مہاراجہ کا خود اِن نشستوں میں شامل ہونا اُردو کے لے سازگار ثابت ہُوا۔اُن کی سرپرستی میں دوسری زبانوں کی بُہت سی کُتب کو اُردو میں مُنتقل کیا گیا۔جو دانشور سبھا کی میٹنگوں میں شرکت کرتے اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے رہے۔اُن کے اسماءِ گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) برج لال:۔ان کا تعلق جے پور سے تھا

(۲) رام بھون بٹھاچاریہ۔ ان کا تعلق بنگال سے تھا

(۳) پنڈت بنکٹ رام شاستری۔ ان کا تعلق بنارس سے تھا

(۴) غلام غوث۔ان کا تعلق ہوشیار پُور سے تھا

(۵) لالہ گلاب رائے

(٦) کیف الدین نور

(۷) دیوان کرپارام۔ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مہاراجہ نے ذاتی طور پر اس سبھا کے روز بروز کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور علمی و ادبی سرگرمیوں کوفروغ دینے میں دانشوروں کو ہر قسم کی سہولیتیں فراہم کرتے رہے اس سبھا کی مجلسوں میں مقامی زبانوں کوفروغ ملا ہے ساتھ ہی اُردو زبان جس کو اگر چہ کہ اُس وقت سرکاری حیثیت حاصل نہیں ہوسکی تھی لیکن روزمرہ کے کاموں میں اِسے برتا جانے لگا تھا۔ جو بدیا بلاس سبھا کی وجہ سے اور بھی مقبول ہُوئی۔ اس سبھا کی میٹنگوں کی کار روائیاں ''بدیا بلاس'' نام کے اخبار میں ہی چھپتی تھیں۔ یہ اخبار ۱۸۶۶ء میں منظرعام پر آیا جو ہفتہ وار تھا۔ اوراسی نام سے مہاراجہ نے ۱۸۵۸ء میں ایک پریس بھی قائم کیا تھا۔ اوراسی پریس میں بدیا بلاس اخبار چھپتا تھا۔ مختصر یہ کہ'' بدیا بلاس سبھا'' اور''بدیا بلاس اخبار'' نے صوبہ جموں میں دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے فروغ کے لیے بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ اِن خدمات کا اعتراف کرتے ہُوئے پروفیسر ظہورالدین رقمطراز ہیں ؎

"The first literary organsition which came into existance here was the Bidya Bilas Sabha set by the Maharaja Ranbir Singh to give necessary inportance to the languages prevent in the

region ,particularly Urdu ,Persion , Dogro , and sanskrit . It also published a weekly newspaper the " Bidya Bilas " in which proceeding of the meetings of the sabha were regularly published . This organistion rendered a marvellous service to the cause of the Urdu language too"

بدیا بلاس کی پوری فائل اِس وقت برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے اس سبھا کے ممبران کی سرگرمیوں کے بارے میں بدیا بلاس اخبار میں تفصیل سے لکھا جاتا تھا اوراُن کے کاموں پر تبصرہ بھی کیا جاتا تھا

۱؎ جموں وکشمیر میں اُردو زبان کی ترقی (ڈائرکٹوریٹ آف ڈسیٹنس یونی ورسٹی آف جموں) ص ص ۵۹۔۶۰

(ب) انجمن حمائت الاِسلام

کرنل ہالرائڈ کے ہاتھوں ۱۸۸۴ء میں لاہور میں انجمن حمائتُ الاسلام کی بُنیاد رکھی گئی۔ اُردو نظم کے فروغ وارتقا کی تاریخ میں اِس انگریز آفیسر (کرنل ہالرائڈ) نے کمال دِلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا محمد حسین آزؔاد اور مولانا الطاف حسین حالؔی جیسے روشن خیال قلم کاروں نے انجمن کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ محمد حسین آزاد نے ایک نئے طرز مشاعرہ کی بُنیاد ڈالی اور نئی طرز کی نظمیں بھی کہیں۔ مولانا حالؔی بھی مشاعروں میں شریک ہوتے اور نظمیں پڑھتے۔ مولانا حالؔی نے چار مثنویاں لکھیں۔ یہ چار مثنویاں برسات، اُمید، رحم وانصاف اور ''حُب وطن'' اِسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ لہٰذا اِن اہل علم حضرات کی شاعری اور نثری کارناموں کے اثرات اور انجمن حمائت الاسلام کی خدمات کی وساطت سے جمّوں کا پورا خطہ منّور ہُوا اور اس خطہ سے بُہت سے قلم کار سامنے آئے۔ کرشن چندر، ٹھاکر پُونچھؔی، چراغ حسن حسرؔت، دینا ناتھ رفیؔق، پریم ناتھ پردیؔسی، غلام رسول نازؔکی، رسؔا جاودانی، بُل بُل کاشمیری، بے غرؔض جیسے عظیم قلم کاروں نے اس انجمن کے زیر اثر اپنے فن میں کمال حاصل کیا۔ اور نئی طرز کی شاعری اور نثری ادب کی طرف راغب ہُوئے۔

اس انجمن کے ساتھ پنڈت ہرگوپال کول خستہ کا نام اگر نہ لیا جائے تو بے انصافی ہوگی۔ چونکہ خستہ قیام لاہور کے دوران کرنل ہالرائڈ ڈائریکٹر تعلیمات سے ملاقات کرچکے تھے لہٰذا وہ جلد ہی کشمیر آگئے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار کے ساتھ جُڑ گئے ڈاکٹر برج پریمی نے اُن سے متعلق اس طرح لکھا ہے۔

''۔۔۔اس عہد کے اہم ادیبوں میں پنڈت ہرگوپال کول خستہ کا نام سرفہرست ہے۔ خستہ، شبلی اور حالی کے معاصر تھے۔ وہ کشمیری الاصل تھے اور سال ہا سال ریاست سے باہر لاہور اور پیٹالہ میں رہ چکے تھے۔ قیام لاہور کے دوران وہ ''راوی'' ''ریفارمر'' خیر خواہ'' دیش کی پکار'' اور اس قبیل کے کئی پرچوں کے ساتھ وابستہ رہ چکے تھے۔ لاہور میں اُن کا تعارف پنجاب کے ڈائریکٹر تعلیمات کرنل ہالرائڈ کے ساتھ ہو چکا تھا وہ انجمن پنجاب کی کارکردگیوں سے بھی واقف تھے۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عہد کے نئے خیالات اور تصورات سے آشنا تھے بلکہ اُردو کے مزاج سے بھی بھرپور واقفیت رکھتے تھے۔ ہرگوپال کول خستہ اعلیٰ پایہ کے شاعر اور نثر نگار تھے وہ ۱۸۷۶ء میں کشمیر لوٹے اور آتے ہی اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار کے ساتھ وابستہ ہو گئے'' [1]

---

[1] ۔ بازیافت ۱۹۸۴ء شُعبہ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۳۷

انجمن حمایت اسلام سے وابستہ ادیبوں اور دانشوروں کی تصنیفات کے اثرات ریاست جموں وکشمیر کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں پر بھی پڑے۔ چونکہ اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک ریاست جموں وکشمیر سے کوئی ادبی رسالہ یا اخبار شائع نہیں ہوتا تھا اس لیے جموں میں جو کہ پنجاب سے ملحقہ علاقہ ہے زیادہ تر لاہور کے ہی رسائل و جرائد پڑھے جاتے تھے۔ جموں وکشمیر کے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات بھی لاہور کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتے تھے۔ انجمن حمائت اسلام چونکہ ایک ادبی اور علمی انجمن تھی۔ اس لیے انجمن کے ارکان کی تحریریں جموں کے عوام میں بھی ادبی اور علمی ذوق پیدا کرنے کا سبب بنتی تھیں۔ اس طرح انجمن حمائت الاسلام نے جموں وکشمیر میں اُردو زبان وادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

(ج) بزمِ سُخن جموّں

بزمِ سُخن جموّں ایک ایسی انجمن کا نام ہے جو جموں صُوبہ کی ہی نہیں بلکہ ریاست کی سب سے پہلی باضابطہ اُردو ادبی انجمن ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی زبان کو فروغ دینے میں اور اُسے مقبول عام بنانے میں ادبی انجمنوں کا رول بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً ادبی تقاریب کا انعقاد کر کے لکھنے والوں کو نئی تحریک بخشتی ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر مختلف زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے ادبی انجمنیں قائم ہوتی رہی ہیں جو مختلف زبانوں کے تئیں اپنے فرائض نبھانے میں مصروف رہی ہیں۔ جہاں تک اُردو زُبان کا تعلق ہے ماضی سے حال تک کئی غیر سرکاری ادارے اس زُبان کے فروغ کے لیے فعال ثابت ہوئے ہیں یہ غیر سرکاری ادبی ادارے مشاعروں، سیمناروں، ادبی بحث مباحثوں اور تقاریب کا اہتمام کرا کے اُردو کی بقا کے لیے اور اس کے حقوق کے لیے ہمہ تن مصروف رہے ہیں۔ ان ادبی تنظیموں کی ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے ریاست جموں وکشمیر میں اُردو، مقبول سے مقبول تر ہوتی جارہی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ سرکاری زبان ہونے کے باوجود سرکار اس زُبان کو وہ حق نہیں دے رہی جس کی یہ مستحق ہے۔ ریاست میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد بھی مختلف ادبی انجمنوں

نے اُردو کے حق میں جو کار ہائے نمایاں انجام دیے۔ اُنھیں ریاست جموں و کشمیر کی ادبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

ڈوگرہ عہد میں اِس کے تیسرے حکمران مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اُردو کی مقبولیت کو دیکھ کر ۱۸۸۹ء میں اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا اِس سے قبل مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں اُردو زبان نے غیر سرکاری طور پر ریاست کے مختلف سرکاری محکموں میں اپنا لوہا منوالیا تھا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۱۸۶۶ء میں سرکاری انجمن ''بدیا بلاس سبھا'' کی بُنیاد ڈال کر ریاست کی مختلف زبانوں جن میں ڈوگری، پنجابی، سنسکرت کے علاوہ اُردو زبان وادب بھی شامل ہے سُخن کی بے پناہ خدمات انجام دیں۔

سرکاری زبان کا درجہ ملنے کے بعد چند باشعور اُردو کے قدردانوں کو اس بات کا احساس پیدا ہُوا کہ اُردو کی فلاح و بہود کے لیے کوئی غیر سرکاری انجمن قائم ہونی چاہیے۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں انجمن ''بزم سُخن جموں'' کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس سے اُردو حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ چاہیے شاعری کا شُعبہ ہو یا نثر کا۔ اس بزم کے بیز تلے مختلف ادبی نوعیت کی تقاریب کا اِنعقاد کیا گیا جس کے سبب اُردو خاص وعام میں مقبول ہوتی گئی۔ بے شک صرف صوبہ جموں ہی نہیں بلکہ پوری ریاست ابتدا ہی ادبی سرگرمیوں کا گھوارہ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اس

ریاست نے بڑے بڑے ادیب اور فنکار دیے مثلاً ۔کرشن چندر، چراغ حسن حسرتؔ ، محمد عمر نور الٰہی اور اقبالؔ وغیرہ کے ناموں سے کون واقف نہیں۔کسی بھی ادیب یا فن کار کو پروان چڑھانے میں اس کے اِدر،گرد کے ادبی ماحول اور سرگرمیوں کو خاصا دخل ہوتا ہے۔ریاست جموں وکشمیر کی ہمیشہ سے یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ یہاں آج بھی بُہت سی ادبی انجمنیں زور و شور سے اُردو کی خدمت کرنے میں مصروف ہیں

بزم سخن جموں کا قیام چونکہ ۱۹۱۲ء میں عمل میں آیا۔شروع شروع میں اس بزم کا مقصد شاعری کو فروغ سینا تھا۔لیکن وقت گُزرنے کے ساتھ ساتھ تخلیقی ذہنوں کے گوشے کُھلنے لگے۔سوچ بدلنے لگی۔لہٰذا بیسویں صدی کے چوتھی دہائی کے شروع میں اس چیز کا احساس ہونے کی بنا پر اس کا دائرہ وسیع کیا گیا۔اس کے اغراض و مقاصد کو بڑھایا گیا۔ ۱۹۳۳ء میں اس بزم ’’بزم سُخن جموں‘‘ کا نام تبدیل کیا گیا۔اور نیا نام ’’بزم اُردو‘‘ تجویز کیا گیا۔جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ اس بزم کا نام ابتدا میں بزم سُخن رکھا گیا اور اس کا بنیادی مقصد صرف شاعری کو فروغ دینا تھا لیکن بعد میں

شاعری کے علاوہ دوسری اصناف کی طرف بھی توجہ کی گئی اسی بنا پر اس بزم کا نام تبدیل کیا گیا اب اس بزم کے اغراض ومقاصد کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اس کے دروازے اب ادب کے دوسرے شعبوں کے لیے بھی کھول دیے گئے۔ابتدا میں اس بزم کی مہینے میں صرف دو میٹنگیں مُنشی غلام حیدر چشتی کے گھر پر مُنعقد ہوا کرتی تھیں۔

بزم سُخن جموں نے ۱۹۲۷ء میں ایک مشاعرے کا انعقاد کیا جس کی صدارت رچھپال سنگھ شیدؔا نے کی۔یہ بزم لگا تار ادبی محفلوں کا اہتمام کرتی تھی اس نے سالانہ مشاعرے بھی پابندی سے کروائے۔ یہ مشاعرے شاندار انداز میں منعقد ہوتے تھے۔لوگوں میں اُردو سے زیادہ دل چسپی پیدا ہونے لگی یہاں تک کہ لوگ سالانہ مشاعرے کے منتظر رہتے تا کہ وہ شاعروں کا کلام سُن کر سرور حاصل کر سکیں۔۱۹۲۷ء کے مشاعرے میں جن اُردو کے اعلیٰ شُعرا نے شرکت کی اُن میں حفیظؔ جالندھری، عابد علی عابدؔ، موہن لال ساحرؔ، اثر صہبائیؔ ، سیمابؔ اکبر آبادی، تاجورؔ نجیب آبادی، ہری چند اختر وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کا کلام سُننے کے بعد اہل جموں ان کے شیدائی ہو گئے۔اسی بنا پر اس مشاعرے کو تاریخی مشاعرہ کہا جانے لگا۔

جن چند نوجوانوں کی سعی سے اس بزم کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں شیخ غلام محمد خان چشتی، مرزا مبارک بیگ اور عبدالحکیم کے نام لیے جاسکتے ہیں ۔ ۱۹۳۷ء میں قیس شیروانی کو بزم کا جنرل سکریٹری مقرر کیا گیا۔ اس کی ابتدائی محفلوں میں مصرعہ طرح دیا جاتا تھا جس پر غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ اور اس کے ابتدائی جلسے چراغ شاہ کی حویلی میں منعقد ہوتے تھے مگر بعد میں اس کی میٹنگیں مُنشی غلام محمد خان چشتی کے مکان پر ہُوا کرتی تھیں۔ جنہوں نے اس بزم کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

۱۹۲۷ء کے تاریخی مشاعرے کے بعد بزم کے دوسرے سالانہ مشاعرے میں فیض احمد فیضؔ اور جوشؔ ملیح آبادی نے شرکت کی اور ان کے ساتھ چوہدری خوشی محمد ناظرؔ، یاسؔ یگانہ چنگیزی، اختر شیرانی۔ جگر مراد آبادی، ڈاکٹر محمد دین تاثیرؔ، نواب جعفر علی خاں اثرؔ، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی نے بھی اس مشاعرے میں اپنا کلام سُنایا جس سے جموں کے لوگوں میں شعر و ادب کا ذوق پیدا ہوا۔ اور یہ شوق جموں میں اُردو ادب کی ترقی و ترویج کا باعث بنا۔

بزم اُردو کا حلقہ روز بروز بڑھتا گیا۔ اس کی محفلوں میں دور دور سے شُعرا نے شرکت کرنا شروع کی۔ یہاں کے لوگ بھی اس میں بڑھ چڑھ کر

حصہ لینے لگے ہندوستان بھر سے شُعرا، بزم کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے جس سے یہاں ادبی چہل پہل کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا۔اب یہ چہل پہل صرف جموں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ کشمیر خطہ تک پہنچ گئی۔ بزم کے ایک اجتماع میں مولانا علیم الدین سالکؔ نے شرکت کی۔ اُنھیں یہ احساس ہُوا کہ بزم کے کاموں کو صرف جموں تک کیوں محدود رکھا جائے۔ اس میں وسعت لائی جائے۔اوراس کی سرگرمیوں کو جموں خطے کے علاوہ کشمیر خطے میں بھی پھلایا جائے۔لہٰذا سالکؔ صاحب کے مشورے پر عمل لیا گیا اور کشمیر میں بھی اس بزم کی ایک شاخ قائم کی گئی۔اب اس بزم کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔لہٰذا اب تیسری بار اس کے نام میں تبدیلی کا سوچا گیا۔اور اس بار اس بزم کا نام تبدیل کر کے ''بزم اُردو جموں و کشمیر'' رکھا گیا۔ سری نگر میں بزم کا ایک جلسہ منعقد ہُوا جس میں یہ نام تجویز کیا گیا۔ اس جلسے میں پنڈت دینا ناتھ مستؔ ، ریاست کے مشہور صحافی پنڈت پریم ناتھ بزازؔ، عبداللہ قریشی، یوسف خاں اور قیس شیروانی موجود تھے۔اس جلسے میں یہ طے کیا گیا کہ پنڈت دینا ناتھ مستؔ کو صدر بنایا جائے۔اب یہ ''بزم اُردو جموں و کشمیر'' ہو گئی اور پنڈت دینا ناتھ مستؔ کو یہ سعادت ملی کی وہ اس کے پہلے صدر مقرر ہُوئے۔جموں سے نکل کر کشمیر خطہ میں بھی اس نے اپنے قدم

جما لیے۔ ریاست بھرمیں اس کی شہرت ہوگئی دور دور سے شُعرا حضرات اس کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ اس بزم کے تحت شاندار مشاعرے صرف جموں ہی میں نہیں بلکہ سری نگر میں بھی منعقد ہونے لگے۔ گرمیوں میں اس کی سرگرمیاں سری نگر میں ہونے لگیں اور سردیوں میں جموں میں۔ ریاست میں اس بزم نے طویل مُدت تک اُردو کی ترویج وترقی میں بے لوث خدمت کی۔ ۱۹۳۹ء میں اس بزم کے زیراہتمام سری نگر میں ایک یادگار مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ہندوستان کی دوسری ریاستوں سے تشریف لانے والوں میں ماہر تعلیم ڈاکٹر ذاکرحسین، مولوی عبدالحق، سرتیج بہادر سپرو، ڈاکٹر امرناتھ جھا، میاں بشیراحمدالدین احمد اور غلام کیفی وغیرہ نے شرکت کی۔ اور صدارت کے فرائض ''صدر انجمن ترقی اُردو'' سرتیج بہادر نے انجام دیئے۔ دوسرے روز جھیل ڈل پر ایک مشاعرے کا پھر سے اہتمام کیا گیا۔ مشاعرے کے لیے شکارے سجائے گئے۔ چاندنی رات تھی۔ لہٰذا ڈل میں شُعرا نے اپنا اپنا کلام سُنایا۔ اس مشاعرے کی تصویر کو حبیب کیفوی کی تصنیف ''جموں وکشمیر میں اُردو زبان وادب کی ترقی'' میں اس طرح پیش کیا گیا ہے

''رات چاندنی تھی، فضا میں خوشگوار خنکی سی تھی، ڈل کے سینے پر آرام دہ اور نظر نواز شکاروں کا بیڑا رواں تھا۔ ہانجیوں نے شکاروں

کو کچھ اس طرح ترتیب دیا کہ ایک حلقہ سا بن کر رنگ و نور کا تیرتا ہُوا حلقہ نظر آنے لگا جس شاعر کے پڑھنے کی باری آتی وہ درمیاں کے شکارے میں آجاتا، اپنا کلام سُناتا اور پھر اپنی جگہ چلا جاتا، کسی کو محسوس ہی نہیں ہُوا کہ بزم سطح آب پر تیر رہی ہے۔'' [۱]

جب ہندوستان میں سیاسی اُتھل پُتھل کا آغاز ہُوا تو ہندوستان کی تمام ریاستوں کی طرح ریاست جموں وکشمیر بھی اس کی لپیٹ میں آگئی۔ ۱۹۴۷ء میں وطن تقسیم ہُوا۔ بٹوارے سے جہاں وطن انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہُوا وہاں بُہت سارے مسائل بھی پیدا ہوگئے۔ ادیب اور شاعر بھی ان مسائل سے دوچار ہُوئے۔ اور اس بزم کو بھی نُقصان پہنچا۔ اس بزم سے تعلق رکھنے والے حضرات کے بچھڑ جانے کا ذکر شیرازہ کے ایک شمارے میں میکش کشمیری کے مجموعہ کلام ''بالِ ہُما'' میں اس طرح کیا ہے۔

''دیش کے بٹوارے سے تین چار برس پہلے کی بات ہے کہ ہماری ریاست میں صرف ایک ہی بزم ہُوا کرتی تھی۔ بزم اُردو جموں وکشمیر اور اس کے

۱۔ جموں وکشمیر میں اُردو زبان وادب کی ترقی، ڈائرکٹوریٹ آف ڈسٹینس ایجوکیشن، جموں یونی ورسٹی۔ ص ۷۵

جنرل سیکرٹری اس وقت کے مشہور معروف ادیب اور نقاد چشتی غلام حیدر صاحب کے سخنور بھانجے جناب قیس شیروانی نظامی گنجوی تھے ....چند ماہ کے لیے میں اس بزم کا جوائنٹ سیکرٹری بھی رہا اور پھر لاہور ایم اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا جب وہ زمانہ یاد آتا ہے اور اپنے بچھڑے ہُوئے احباب نہیں ملتے تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتا ہُوں۔ کُچھ تو پاکستان ہجرت کر گئے اور کچھ اللہ کو پیارے ہو گئے'' [۱]

۱۹۴۷ء تک یہ بزم قایم رہی اور اس دوران اس کی سرگرمیوں کی بدولت جموں و کشمیر کے نوجوانوں میں شعر و سُخن کا ذوق بڑی حد تک پیدا ہُوا۔ ملک عزیز کی تقسیم سے نہ صرف جان و مال کا نقصان ہُوا بلکہ بزم اُردو جموں و کشمیر کا شیرازہ بھی بکھر گیا۔ بزم سے تعلق رکھنے والوں میں حبیب کیفوی، لاغر جموی، کوثر سیمابی، منوہر لال دل، ہدایت اللہ قوت، بشارت فارانی، ظفر کاظمی ، کشمیری لال ذاکر اللہ رکھا ساغر، گردھاری لال تمنا، اثر صہبائی، امین حزیں وغیرہ جیسے کہیں کھو گئے۔

۱۔ ماہنامہ ''شیرازہ'' اشاعت خصوصی بیاد میکش کاشمیری
جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز ص ۶۷

اس سانحہ کے بعداس بزم کے بعض اراکین یا تو پاکستان چلے گئے یا پھر فساد میں مارے گئے۔ یہ فساداس بزم کو بھی لے ڈوبا۔

''بزم سُخن جموں'' جوکہ ریاست میں پہلی بڑی ادبی تنظیم کے نام سے جانی جاتی ہےاس نے ریاست جموں وکشمیر میں مشاعروں کی روائت قائم کی اور مختلف ادبی سرگرمیوں کوجموں کے مقامی اخبارات اور رسائل شائع کرتے رہے ہیں۔اس کی ادبی سرگرمیوں کو جموں کے چار مقامی اخبارات اور رسائل ''رنبیر'' اور ''رتن'' کولالہ ملک راج صراف کی ادارت حاصل رہی اور ''چاند'' اور ''پریم'' کونرسنگھ داس نرگسؔ کی معاونت حاصل رہی۔غرضیکہ اس بزم نے صرف جموں صوبے کے اندر ہی نہیں بلکہ ریاست بھر میں اُردو زبان و ادب کی وہ خدمات انجام دیں جنہیں کسی بھی صورت میں نظر انداز کیا جا نہیں سکتا۔

(د) بزمِ ادب کشتواڑ

کشتواڑ، صوبہ جموں کا ایک انتہائی مردم خیز علاقہ ہے اس علاقہ میں اُردو کے کئی نامور ادیب اور شاعر ہوئے ہیں جن کی شہرت پوری اُردو دنیا میں ہے۔ ۱۹۳۵ء میں کشتواڑ میں ایک بزم کی تشکیل ہُوئی۔ اس بزم کا نام ''بزم ادب کشتواڑ'' رکھا گیا۔ غلام حیدر گگڑو (قیصرؔ) اس بزم کے بانی ہیں۔ قیصرؔ صاحب کو اس بزم کا صدر اور عشرتؔ کو سیکرٹری بنایا گیا۔ اس بزم میں رفتہ رفتہ دوسرے شُعرا نے بھی شرکت کی۔ جن شُعرا نے اس بزم میں شمولیت کا شرف حاصل کیا اُن میں فتح محمد فتحؔ، ولی محمد ولیؔ، غلام قادر بیرواڑی، بدری ناتھ پلماڑی، لسہ جورانا، ہنس راج وزیر، محمد امین ڈولوال، من موہن قیصر، جگدیش راج عشاقؔ، بشیر ابن نشاطؔ، محمد اسحاق صیادؔ، پرویز ابن طیب، ولی محمد اسیرؔ، ڈاکٹر بشیر احمد متو، اعجاز سبط نشاطؔ عبدالرشید فداؔ، غلام نبی ڈولوال، غلام حسین ارمانؔ، چندر پرکاش چندرؔ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان قلم کاروں کی محنت کے نتیجے میں کشتواڑ نے صرف صوبہ جموں ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر میں اپنی ایک الگ ادبی شناخت قائم کر لی۔ اس بزم کو تشکیل دینے میں نشاطؔ کشتواڑی کا بھی اہم رول رہا ہے۔ جیسا کے اوپر کی سطور میں کہا گیا ہے کہ اس بزم کے صدر قیصرؔ، سیکرٹری غلام مصطفٰے عشرت اور جوائنٹ سیکرٹری نشاطؔ کشتواڑی کو بنایا گیا تھا۔

(ہ) علی گڑھ تحریک

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جو زور روشن کی طرح عیاں ہے کہ علی گڑھ تحریک ایک انقلابی تحریک کے طور پر اُبھر کر سامنے آئی جس نے ملک بھر کی دوسری ریاستوں کے علاوہ جموں صوبے میں بھی اُردو زبان و ادب کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا

> ''علی گڑھ تحریک ایک ایسی انقلابی تحریک تھی جس نے اُردو دُنیا کو جھنجھوڑ کے یہ احساس دِلایا کہ جب تک اُن کے سماج اور ادب میں بھی وہ سب کچھ نہیں ہو جاتا جن کی وجہ سے یورپی اقوام ترقی کی اعلا منزلوں تک پہنچی ہیں، تب تک اُنھیں اقوام عالم میں عزت و وقار حاصل نہیں ہوگا'' [۱]

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُردو دانشوروں نے ایک طرف تو انگریزوں سے قُربت حاصل کرنا شروع کی۔ وہاں دوسری طرف ادب و فلسفے کی اُن تمام شاخوں کو اپنے ہاں رائج کرنا شروع کیا جو یورپ میں پروان چڑھ چکُی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اُردو ادیبوں اور دانشوروں نے یہ بھی احساس دِلایا کہ تہذیب کی زبان

---

[۱] ۔ جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کی ترقی
ڈائرکٹوریٹ آف ڈسٹینس ایجوکیشن، یونی ورسٹی آف جموں، ص ۷۷

صرف شاعری نہیں نثر بھی ہوتی ہے اور نئے علوم کو اُس وقت تک اپنے ہاں رائج نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اُردو نثر کو وسعت دینے کے ساتھ ہی ساتھ آساں نہ بنایا جائے تا کہ اس میں اِتنی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ نئے علوم کو اُردو میں منتقل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یورپی علوم سے اِستفادہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اُردو نثر کی ترقی کے سامان بھی پیدا کیے گئے چنانچہ فورٹ ولیم کالج، دلی کالج اور غالبؔ نے اُردو نثر کو جہاں تک پہنچایا تھا علی گڑھ تحریک نے اُسے اُس سے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

اس کے علاوہ علی گڑھ تحریک نے شاعری کے میدان میں بھی اصلاح کے لیے نئی شاعری کے نام سے ایک نئے رُجحان کو تقویت پہنچائی جس کے تحت غزلوں کے بجائے موضوع دے کر نظمیں لکھوانے کا سِلسِلہ شروع کیا گیا۔ یہاں بھی شاعر کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اپنے موضوعات اور اپنا Diction اپنی زبان عوام کی زندگی سے حاصل کریں۔ علی گڑھ تحریک کی اِن سرگرمیوں کا اثر ریاست جموں و کشمیر کی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں پر پڑا ۔یہاں یہ بتا دینا بھی بے جا نہ ہو گا کہ ۱۸۳۵ء میں جب مغلیہ حکومت نے اُردو کو ملک کی

سرکاری زُبان بنایا تو اُس نے بھی یہاں کے حکُم رانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اُنھیں اگر مرکز سے تعلقات کو برقرار ہی نہیں رکھنا بلکہ بہتر بنایا ہے تو اِس زُبان کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیئے اس کے بعد جب ڈوگرہ حکومت کا آغاز ہُوا تو اُنہوں نے اِس بات کی طرف خاص توجہ دی اور ریاست میں بھی اُن ہی روایتوں کو رواج دیا جو مُغل کورٹ کا طرۂ امتیاز ہے۔یہ پالیسی ۱۸۵۷ء کے بعد بھی جاری وساری رہی جس کے نیتجے میں ریاست سے باہر ہونے والی ہر تبدیلی کا اثر ریاست جموں و کشمیر میں (خصوصاً خطہ جموں میں) پڑتا رہا۔یہاں اِس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ دلی کالج میں جب ماسٹر رام چندر کی قیادت میں "Translation Society" کا آغاز ہُوا تو یہاں بھی اِسی کے زیر اثر مہاراجہ رنبیر سنگھ (۱۸۵۶ء۔ ۱۸۸۵ء) نے ''بدیابلاس سبھا'' قائم کی ۔ بلکہ اس سوسائٹی کی طرح ہی '' بدیابلاس'' سبھا کا ایک اخبار ''بدیا بلاس'' شروع کیا جو اس سبھا کا ترجمان تھا۔اور اس سبھا کے تحت ترجمہ و تالیف کی جو بھی سرگرمیاں عمل میں آتی تھیں ، اُن کو اس اخبار میں شائع کیا جاتا تھا۔

علی گڑھ تحریک کی طرح ہی ریاست میں یہ کوششیں کی گیئں
کہ اُردو کی جتنی نئی اصناف ملک میں رائج ہو رہی تھیں اُن
سے ریاست کے عوام کو بھی متعارف کیا جاتا رہے۔ چنانچہ
سرکاری اور نجی، دونوں سطح پر مولوی نذیر احمد کے ناولوں، حآلی، شبلؔی اور
محمد حسین آزادؔ کی نثری اور شعری خدمات کو عوام سے متعارف کرانے
کے لیے تالیف و ترجمہ کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ نجی سطح پر ادب
کا ذوق رکھنے والوں نے اُن کی نقول تیار کر کے اُن کا مطالعہ
کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے جس ''دارالترجمہ''
کا قیام عمل میں لایا تھا اُس کے تحت مغربی علوم و فنون کو
روشناس کرانے کے لیے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا۔
علی گڑھ تحریک کے اثرات اُن شُعرا اور نثر نگاروں پر بھی پڑے
جن کی تحریریں چاہے نثر میں ہیں یا نظم میں۔ جموں میں ۱۹۰۰ء
کے بعد جتنے بھی شُعرا اُبھرے اُنھوں نے کم و بیش شاعری میں
اُسی روائت کو برتا جس کا آغاز حآلی اور آزادؔ نے کیا تھا۔ ہمارے
یہاں کے ابتدائی شُعرا نے علی گڑھ تحریک کے اثرات قبول کر کے
اصلاحی نظمیں بھی لکھیں۔ اِن شُعرا میں پنڈت نندلال کول طالبؔ،

رسا جاودانی، منوہرلا دل، کشن سمیل پوری ،شوریدہ کاشمری ، شہ روز کاشمیری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ ان شُعرا نے سیاسی، وطنی اور مذہبی موضوعات پر متعدد نظمیں لکھیں جن کے مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرسید تحریک سے بے حد متاثر ہُوئے۔

افسانے میں بھی کہیں کہیں سرسید تحریک کے اثرات دکھائی دیتے ہیں ۔ہمارے یہاں اگرچہ کہ افسانہ بُہت بعد میں شروع ہُوا لیکن اِن افسانہ نگاروں کے افسانے پڑھنے کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کے یہاں یہ افسانہ نگار ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں وہیں اِن کے یہاں وہ اثرات بھی ملتے ہیں جو سرسید تحریک کا طرۂ امتیاز تھا۔اُن کے یہاں بھی معاشرہ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔محمد دین فوق۔ چراغ حسن حسرت، پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در ،رامانند ساگر،نرسنگھ داس نرگس،قدرت اللہ شہاب، ٹھاکر پونچھی اور موہن یاور کے یہاں اصلاحی معاشرے کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔اور یہ علی گڑھ تحریک کی وجہ سے ہے۔

ناول میں محمد دین فوق، پنڈت نندلال بے غرض، وشوا ناتھ درماہ ، شمبھو ناتھ ناظر اور ٹھاکر پونچھی وغیرہ کے ناولوں میں علی گڑھ تحریک کے اثرات ملتے ہیں۔اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک

نے بھی ریاست میں اُردو کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔

(و) حلقہ اربابِ ذوق

حلقۂ ارباب ذوق اور ترقی پسند تحریک ۱۹۳۵ء کی سرگرمیوں نے ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح جموں کے ادبی ماحول کو بھی متاثر کیا اور یہاں کے لکھنے والوں نے ان سے استفادہ کرتے ہُوئے اُردو ادب کو فروغ دیا۔ پریم ناتھ پردیسی نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک ادبی انجمن تشکیل دی جس کا نام ہی حلقۂ ارباب ذوق رکھا گیا۔ اس انجمن کی نشستیں پریم ناتھ پردیسی کے گھر پر ہی ہُوا کرتی تھیں یہ وہ زمانہ تھا جب اُن کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''شام وسحر'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔

یہ ادبی انجمن بیسویں صدی کے چوتھے دہے کے شروع میں منظّم ہُوئی لاہور میں بھی حلقۂ ارباب ذوق نام سے ایک ادبی انجمن بنی تھی لیکن اُس انجمن کے ساتھ اس انجمن کا کوئی تنظیمی رشتہ نہیں تھا۔ ان دونوں انجمنوں کے اغراض و مقاصد میں بھی فرق تھا۔ جموں وکشمیر کے نوجوان ادیبوں کا یہ مختصر سا حلقۂ پریم ناتھ پردیسی کے مکان تک ہی محدود تھا۔ اُن کے گھر پر اس انجمن کی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ وہاں شعر کہے جاتے اور بحثیں ہوتیں۔ مگر حلقہ ارباب ذوق زیادہ دنوں تک نہ چل سکا

مشہور ادیب اور فلم ساز رامانند ساگر جن کا تعلق اسی ریاست سے تھا
اُنھوں نے پریم ناتھ پردیسی کے ساتھ مل کر انجمن ترقی پسند مُصنفین کی
ایک شاخ سری نگر میں قائم کی۔حلقۂ ارباب ذوق جموں وکشمیر افسانے
کوخاص طور پرفروغ دیا۔پریم ناتھ درؔ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ'' کاغذکا
واسدیوٗ' حلقئہ ارباب ذوق (دہلی) کے اہتمام سے آزادی کے دو
سال بعد شائع ہُوا مگر اس مجموعے کی اشاعت سے پہلے ہی وہ اُردو
افسانے کے خلا میں ایک گونج پیدا کر چکے تھے لیکن حلقئہ ارباب ذوق
کے اہتمام سے شائع ہونے والے افسانوی مجموعے کے بعد یارانِ
نکتہ دان نے ایک زبان ہو کر اُن کے فن کی عظمت کا اعتراف کیا
اور اس ادبی انجمن کی تعریف کی۔

حلقہ ارباب ذوق کے سرگرم اراکین میں پریم ناتھ پردیسیؔ
کے علاوہ پی۔این۔پشپ ،پریم ناتھ درؔ، قیصر قلندر، سوم ناتھ زُتشی ،مرزا
عارف بیگ کے نام سر فہرست ہیں۔ یہ حضرات ترقی پسند تحریک کے
اثرات کی بنا پر ادبی انجمن حلقئہ ارباب ذوق کے ساتھ جُڑے تھے
مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک چل نہ سکا۔اور جلد اس انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔

(ز) ترقی پسند تحریک

برصغیر میں جب ترقی پسند تحریک اور حلقۂ ارباب ذوق کی سرگرمیوں نے شہرت پائی تو ان کے اثرات یہاں جموں خِطہ پر بھی پڑے۔ ترقی پسند تحریک اور حلقۂ ارباب ذوق کی سرگرمیوں سے اس خطہ سے تعلق رکھنے والے قلم کاروں نے بھی فائیدہ اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔ اِن قلمکاروں میں رسؔا جاودانی، جعفر ابن رسا، میکش کاشمیری، نشاط کشتواڑی، عشرت کاشمیری، دینا ناتھ رفیقؔ، کشمیری لال ذاکرؔ، ویدراہیؔ، دینا ناتھ کپور، نرسنگھ داس نرگسؔ، طالبؔ، عابدؔ، غافلؔ، نسیمؔ، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

متذکرہ بالا شُعرا کے کلام میں ادبی تحریکوں کے ساتھ ساتھ اس عہد کے عام آدمی کے غم واندوہ اور مشکلات کی واضح عکاسی بھی ملتی ہے۔ ان کی شعری تخلیقات کا موضوع عام طور پر ناانصافی، رشوت، نابرابری جیسی بُری روائیتوں کے خلاف احتجاج ہوتا تھا۔ ترقی پسند تحریک نے کشمیر صوبہ کی طرح صوبہ جموں کے لکھنے والوں اور خاص طور پر شاعروں اور افسانہ نگاروں میں بھی مقبولیت حاصل کی چنانچہ نرگس کے افسانوں مثلاً ''دُکھیا دیس'' وغیرہ میں اس تحریک کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

ترقی پسند ادبی تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۳۶ء میں ہُوا۔ قلل مُدت میں ہی اس

تحریک نے پورے برصغیر میں اپنے بال و پر پھیلا دیئے ہر چند کہ جموں وکشمیر
لاہور دِہلی اور لکھنئو کی طرح نہ اُردو کا علاقہ تھا اور اُردو یہاں کے لوگوں کی مادری
زُبان تھی ۔ لیکن اس وقت تک اُردو ریاست کی عوامی زبان بن چکی تھی حالانکہ
اس کی عُمر یہاں ستر پچھتر برس سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی یہاں کے قلم
کاروں نے اِسے گلے لگایا اور بساط بھر اس زُبان کے توسط سے اپنے جذبات
کا اظہار کیا۔ ایسے میں جموں وکشمیر میں اُردو ادب کے کسی مخصوص رجحان کی
تلاش اِس زمانے میں بے سود تھی لیکن اس کے باوصف جب ترقی پسند تحریک
رنگ، نسل، زُبان اور علاقوں کے حصار توڑتی ہُوئی پُورے ملک میں پھیلنے لگی
تو یہاں کے اہل قلم بھی اسا ہمہ گیر تحریک کے اثرات سے دامن نہ بچا سکے۔

اِدھر اِسی زمانہ میں سیاسی سطح پر جموں وکشمیر میں انقلابی تبدیلیاں رونما
ہونے لگیں۔ مقامی طور پر مُسلم کانفرنس یہاں کی بڑی سیاسی جماعت تھی جسے
بعد میں نیشنل کانفرنس میں بدل دیا گیا۔ اس کی قیادت شیخ عبداللہ جیسے روشن
دماغ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ جماعت صرف مسلمانوں کی جماعت نہیں تھی بلکہ
اس میں غیر مُسلم بھی شامل تھے اس جماعت نے جو سیاسی لائحہ عمل اپنا لیا تھا وہ
فرقہ واریت کے بجائے قومیت کا تھا اور اس کے ڈانڈے ہندوستان کی تحریک
آزادی سے مل چکے تھے۔ چنانچہ کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے استحصال اور استبداد

کے خلاف آواز اُٹھائی گئی۔ نیشنل کانفرنس کی قیادت میں غلامی، افلاس اور ناداری کے خلاف جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کی بازگشت شعروادب میں بھی سُنائی دینے لگی تھی۔ مہجورؔ، آزادؔ اوردلؔسوز کے کشمیری نغموں میں بغاوت کرتی ہُوئی ایک دھیمی دھیمی لے اِسی زمانے کے آس پاس سنائی دیتی ہے

انجمن ترقی پسند مصنفین کے لکھنؤ میں مُنعقد پہلے ہی اجلاس کے اعلان نامے میں علاوہ اور باتوں کے کہا گیا تھا۔

''ہم چاہتے ہیں کہ ہندوسُتان کا نیا ادب ہماری زندگی کے بُنیادی مسائل کو پنا نا موضوع بنائے۔ یہ بھوک، افلاس، سماجی پستی اور غلامی کے مسائل ہیں''

یہ محض اتفاق نہیں بلکہ وقت کا تقاضہ تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں جاگیردارانہ نظام کے خلاف کشمیر میں جوجدو جُہد شروع ہُوئی تھی اس میں دوسری باتوں کے علاوہ بھوک، ناداری استحصال اور غلامی کے مسائل پیش پیش تھے۔

اس زمانہ میں پریم ناتھ سادھو روتقؔ نام کے ایک نو جوان قلم کار اُرود کے ادبی حلقوں میں اُبھر رہے تھے یہ نو جوان بعد میں برصغیر کے ادبی حلقوں میں پریم ناتھ پردیسیؔ کے نام سے اپنی پہچان منوانے میں کامیاب ہُوئے۔ شروع شروع میں وہ ٹیگور کے تتبع میں بے حد رومانی نثر لکھتے تھے ان کی کہانیوں پر کہانیوں سے زیادہ ادب لطیف کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن پریم چند کی سماجی حقیقت نگاری

انگارے کی اشاعت، استحصالی قوتوں کی بے انصافی اور ریا کاری، ترقی پسند تحریک کے آغاز اور پھر خود یہاں کے سیاسی حالات نے پردیسیؔ کو پہلی بار احساس دلایا کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ ضائع کیا ہے۔ وقت کی آہٹ سن کر اُنھیں اپنی فرض شناسی اور کم مائیگی کا اندازہ ہُوا۔ اس کا اعتراف خود کرتے ہیں۔

''یہ ایسی تبدیلی تھی جس نے میرے سامنے نئی رائیں کھول دیں، بلکہ ہمارے مُلک کے سامنے نیا نظریہ رکھا۔ مجھے محسوس ہُوا کہ اب بھی اگر میں اس نظریہ کا ساتھ نہ دوں تو میری افسانہ نگاری بے کار ہے اور آنے والا مورخ خُدا جانے مجھے کِن ناموں سے یاد کرے گا۔ سرکاری ملازم ہوتے ہُوئے میں نیشنل کانفرنس میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر درونِ پردہ میں عوام کو اپنی کہانیوں سے غلامی، افلاس اور استحصال کا احساس دلا سکتا ہوں''[۱]

پردیسی نے صرف اس استحصال کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ بلکہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک ادبی انجمن تشکیل دی۔ جس کا نام حلقۂ ارباب ذوق تھا۔ اس انجمن کا کوئی تعلق حلقہ ارباب ذوق لاہور سے نہیں تھا۔ بلکہ دونوں کے مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس انجمن کے سرگرم اراکین میں پی این۔ پشپ، پریم ناتھ درؔ قیصر قلندر، سوم ناتھ زتشی، مرزا عارف بیگ وغیرہ تھے

---

۱ جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما (ڈاکٹر برج پریمی) ص ۱۰۸

یہاں کہانیاں پڑھی جاتی تھیں۔ شعر سنائے جاتے تھے بحثیں ہوتی تھیں۔ ترّقی پسند تحریک کے یہ بلاواسطہ اثرات تھے ۔جس کے باعث یہ حضرات اکٹھے ہو گئے تھے ۔لیکن سِلسِلہ جلد ہی ختم ہو گیا اور انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔

حلقہ ارباب ذوق کے بکھر جانے سے ادب کے سوتے سوکھ نہیں گئے اس زمانہ میں دورحاضر کے مشہور فلم ساز اور ہدائت کار اور اس زمانہ کے ترقی پسند افسانہ نگار رامانند ساگرؔ (جن کا وطن کشمیر ہے) پردیسیؔ کے قریب آ گئے۔وہ کچھ عرصہ ریاست سے باہر رہ کر اس تحریک سے راست طور پر وابستہ ہو چُکے تھے۔اُنھوں نے پردیسیؔ کو انجمن ترقی پسند مصنفین کی شاخ قائم کرنے پر آمادہ کیا۔اس کوئی شک نہیں کہ پریم چند پردیسیؔ اور راما نند ساگرؔ نے کشمیر میں ترقی پسند تحریک کو منظّم کرنے میں وہی مساعی کی جو بنے بھائی (سجاّد ظہیر) ملک راج آنند اور محمود الظفر ،رشید جہاں وغیرہ ہندوستان کے باقی حصّوں میں کر چکے تھے۔ ڈاکٹر برج پریمی نے پردیسی کے الفاظ اپنی کتاب میں اس طرح لکھے ہیں۔

''دو سال کے بعد رامانند ساگر آ گئے۔آتے ہی مُجھ سے ملے۔اُنھوں نے مجھے انجمن ترقی پسند مصنفین کی شاخ کھولنے کے لیے کہا۔ چنانچہ

ہم دونوں نے مل کر یہاں کے ترقی پسند ادیبوں کو اکٹھا کیا اور ایک انجمن قائم کی جو آج تک قائم ہے'' [1]

یہ ترقی پسند ادیب وہی تھے جو حلقہ ارباب ذوق کے ساتھ وابستہ رہ چکے تھے۔

اس طرح سے انجمن ترقی پسند مصنفین باضابطہ طور پر منظّم ہُوئی۔ انجمن کا دفتر پردیسی کا مکان تھا۔ ہستہ آہستہ اس کا دائرہ اثر پھیلتا گیا۔ خطّہ کے باہر سے آنے والے ترقی پسند شُعرا اور ادبا اس انجمن کی نشستوں میں شریک ہوکر نوجوان فن کاروں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اس سے اس تحریک کے پنپنے کی فضا تعمیر ہُوئی۔ اس چھوٹی سی انجمن کی کارگزاری نے ریاست جموں وکشمیر میں ایک ہمہ گیر ادبی تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ اوران بُنیادی مسائل پر غور وفکر ہونے لگا جن کا ذکر انجمن ترقی پسند مصنفین کے پہلے اعلان نامے میں ہُوا تھا۔

انجمن کے جلسے ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پردیسی کے مکان پر ہُوا کرتے تھے۔ مگر جب اس کا حلقۂ اثر وسیع تر ہوتا گیا اور ادب نواز لوگ دِل چسپی

---

[1] ۔ جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشونما (ڈاکٹر برج پریمی) رچنا پبلیکیشنز جموں ص ۱۰۹

کا اظہار کرنے لگے۔ تب بسکو اسکول اور ایس پی کالج کے ہال میں جلسے ہونے لگے۔ اِن جلسوں کی کارروائیاں نندلال تل کی ادارت میں شائع ہونے لگیں۔اس دوران راجندر سنگھ بیدؔی،خواجہ احمد عباس، بل راج ساہنی دیواندر سیتارتھی اور کئی ترقی پسند ادیب اور شاعر یہاں آئے اور انجمن کی سرگرمیوں میں شریک ہوتے رہے۔مقامی ادیبوں اور شاعروں میں پریم ناتھ پردیسؔی،سوم ناتھ زُتشی،علی محمد لون،صلاح الدین احمد، کنول نین پرواؔز، پروفیسر محمود ہاشمی،ایس۔این۔کول، قیصر قلندر،مہندر رینہ،حمید فطرت،ڈاکٹر نذرالاسلام کے نام قابل ذکر ہیں۔جو اس انجمن کے ساتھ وابستہ تھے ۔یہ انجمن ۱۹۴۸ء تک سرگرم عمل رہی رامانند ساگر نے اپنی کئی کہانیاں اِن نشستوں میں پیش کیں۔ پردیسی نے بھی اپنی کئی مشہور کہانیاں جن میں ڈوگرہ شاہی کے استحصال کو موضوع بنایا گیا تھا۔اس دور میں لکھیں۔انجمن کی مختلف نشستوں میں پڑھی جانے والی کہانیوں میں کُتبے ،کاغذ کی جھنڈیاں اور جواری خاص طور پر قابل ذکر ہیں اکتوبر ۱۹۴۷ء میں انگریزی سامراج کی شہ پر پاکستان نے قبایلی دراندازوں کو ہتھیاروں سے لیس کشمیر بھیج دیا پروہ دِن تھے جب ڈوگرہ شاہی آخری ہچکیاں لے رہی تھی ۔مہاراجہ ہری سنگھ کی کمزور افواج ،جدید

ہتھیاروں سے لیس اور گوریلا طرز کی جنگ میں ماہر حملہ آوروں کے
سامنے پسپا ہو گئیں ۔مہاراجہ رعایا کو بے دست وپا چھوڑ کر بھاگ
کھڑا ہُوا اورعنان حکومت عوام کے ہاتھ میں آگئی جن کے راہ نما
شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ تھے ہندوستانی افواج کی مدد سے دراندازوں کو
واپس بھگا دیا گیا یہ ہماری تواریخ کی انتہائی نازک موڑ تھا۔دراندازون
نے سری نگر شہر کی حدود تک آ کر لوگوں کا امن وسکون لوٹ لیا
تھا۔لوٹ مار اورقتل وغارت کا بازار گرم تھا۔اس صورت حال کے
پیش نظر خارجی دفاع کے ساتھ اندرونی امن وامان اوراعتماد کی ضرورت
تھی ۔چنانچہ ایک چھوٹی سی فوج نیشنل ملیشیا کے نام سے منظّم ہُوئی
جس کی ایک ونگ دانش وروں،ادیبوں ،شاعروں اور باشعور نوجوانوں
پر مشتمل تھی اس کا نام نیشنل کلچرل فرنٹ رکھا گیا۔یہاں اس بات کا اعادہ
کرنا ضروری ہے کہ نیشنل کانفرنس کی قیادت میں پیشتر لوگ ترقی پسند خیالات
رکھنے والے نوجوان تھے ۔خود نیشنل کانفرنس کے پروگرام ''نیا کشمیر'' کا مسودہ
اس بات کا بین ثبوت ہے۔بہرحال کلچرل فرنٹ کو منظّم کرنے کی تحریک
خواجہ غلام محمد صادق اورمولانا مسعودی نے دی ۔محاذ کا ابتدائی دفتر کارونیشن
ہوٹل (موجودہ کشمیر گیسٹ ہاؤس)تھا یہیں اس ہوٹل کے کمروں میں

عوام کا لہو گرمانے والے نغمے شروع شروع میں تخلیق ہُوئے۔

اس محاذ سے تعلق رکھنے والے دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں میں بندوقیں تقسیم کی گئیں۔ اور ان کو تربیب بھی دی گئی۔ یہ لوگ بندوق کاندھوں پر تھامے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔ اور ان میں نغمے تخلیق کرتے رہے۔ پردیسی نے سب سے پہلے اس محاذ کے لیے اپنی خدمات وقف کر دیں۔ اس دور میں ان کا مشہور نغمہ

ے قدم قدم بڑھیں گے ہم
محاذ پر لڑیں گے ہم

زبان زد عام تھا۔ پردیسی کے ڈرامے ''سوالی'' اور ''مجاہد شیروانی'' اسی دور کی تخلیق ہیں جو قومی کلچرل فرنٹ کے اسٹیج پر پیش کیے گئے اور مقبول ہُوئے۔

کلچرل فرنٹ کو تھوڑے ہی عرصے میں کافی مقبولیت حاصل ہُوئی اس کے شُعبہ تھیٹر (جو ''اپٹا'' کے نقش وقدم پر چل رہا تھا) نے پردیسی کے علاوہ محمود ہاشمی کا ڈراما ''کشمیر یہ ہے'' اور خواجہ احمد عباس کا ڈراما ''چودّہ گولیاں'' اسٹیج کیا۔ تھیٹر کے اس شُعبے میں دیناناتھ نادم، موہن لال ایمہ، اوشا کشیپ، خورشید جلال الدین، سمترا لکھوارا، سنتوش لکھوارا، اچلا سچدیو،

شیلہ بھاٹیہ، شیر جنگ ، راج ہنس کھنّہ، درگا سنگھ ، گردھاری درؔ، پران کشور وغیرہ شامل تھے۔ اوران کے ڈرامے جموں وکشمیر میں اسٹیج اور تھیٹر کی تحریک کے لیے فال نیک ثابت ہُوئے۔

ہنگامی سیاسی صورت حال کے اعتدال پر آنے کے بعد اس فرنٹ کو ختم کر دیا گیا۔لیکن اسی کے کینڈے پر ریاستی کلچرل کانفرنس تعمیر ہُوئی اس کے تین شُعبے تھے (۱) ادیبوں اور شاعروں (رائیٹرس) کا شعبہ (۲) تھیٹر آرٹسٹوں کا شعبہ اور (۳) مصوروں کا شعبہ۔ رائیٹرس شعبے کو پروگریسو رائیٹرس ایسوسی ایشن کہا جاتا تھا۔اس کی سربراہی اور سرپرستی خواجہ غلام محمد صادق کرتے تھے۔یہ انجمن اب کی مکمل طور پر ترقی پسند تحریک کا ایک حصّہ تھی۔بلکہ انجمن کی ایک فعال شاخ کی طرح سرگرم عمل تھی۔اوراس کے پروگرام کو اپنے طور سے آگے بڑھا رہی تھی۔دانشوروں کی ایک بڑی تعداد اس جماعت کے ساتھ وابستہ تھی۔اُن مین پیر عبدالاحد، غلام رسول، پیر غیاث الدین، نور محمد، موتی لال مصری ، پران ناتھ جلالی، بدری ناتھ نِشاط ، مدھوسودھن کوثر، چند اہم نام ہیں۔بُزرگ ادیبوں اور شاعروں میں شاعر کشمیر مہجورؔ ، عاصیؔ ، ماسٹر زندہ کول اور نئی نسل کے تقریباً تمام نمائندہ ادیب اور شاعر اور فن کار اس انجمن کے ساتھ وابستہ تھے۔

دیناناتھ نادم،رحمان راہی،امین کامل،مہندر رینہ،نور محمد روشن ، عزیز ہارون حبیب کامران ،ارجن دیو مجبور ،اختر محی الدین،سوم ناتھ زُتشی، علی محمد لون قیصر قلندر،بنسی نِردوش ،نندلال امباردار، پریم ناتھ پریمی ،دیناناتھ المست، دیپک کول،تیج بہادر بھان چند اہم نام ہیں۔اس انجمن کی ہفت روزہ نشستوں میں بڑی گہما گہمی ہوتی تھی۔نہ صرف ادیب اور شاعر بلکہ دانشور اور علم دوست جمع ہوتے تھے۔زوردار بحثیں ہوتی تھیں یہ صحیح ہے کہ تنقید اور تخلیق کا رُخ انتہا پسندانہ تھا اور وہی صورت حال تھی جو ترقی پسند تحریک کے شروع کے دور میں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ان جلسوں کے ذریعے کشمیری اور ڈوگری ادب کا احیائے نو ہُوا محسوس یہ کیا گیا کہ اِن انقلابی خیالات اور بدلتے ہُوئے شعور کی ترجمانی بہتر طور پر مقامی اور مادری زُبان میں ہو سکتی ہے۔چنانچہ کشمیری ڈوگری اور لدّاخی زُبان میں ادب تخلیق کیا جانے لگا جس سے اِن زُبانوں میں دقیع ادب پیدا ہُوا یہ کہنا مناسب ہو گا کہ آج کے کشمیری زُبان کے سربرآوردہ ادیب اور شاعر وہی ہیں جو اس انجمن سے وابستہ تھے۔ اور ابتدا میں اُردو میں لکھتے تھے۔نادم،راہی،کامل ،اختر،نردوش، دیپک تیج،سوم ناتھ زُتشی ،علی محمد لون ان سب کی جولاں گاہ اُردو زُبان تھی

اس دوران اس انجمن کے روح رواں ہندی کے مشہور ترقی پسند ادیب ناول نگار اور نقاد شودہان سنگھ چوہان تھے۔ تھیٹر ونگ کے ساتھ مشہور فن کارہ شیلا بھاٹیہ وابستہ تھیں ۔انجمن کے جلسوں میں علی سردار جعفری، ڈاکٹر رام بلاس شرما، ڈاکٹر سلامت اللہ، فیاض احمد، کمال احمد صدیقی (جو بعد میں برسوں یہاں ریڈیو سے وابستہ رہے) اور دوسرے لوگ برابر حصّہ لیتے رہے جب اُن کا قیام یہاں ہوتا ۔ اس طرح سے ایک مقرّرہ لائحہ عمل کے مطابق نہ صرف تحریک چلائی گئی بلکہ بڑے پیمانے پر ادب کی تخلیق بھی ہوئی۔

۱۹۵۳ء میں کشمیر خطہ میں ایک سیاسی تبدیلی آئی شیخ محمد عبداللہ گرفتار ہُوئے ۔ بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کی قیادت میں نئی حکومت نے کئی اقدامات کیے آل اسٹیٹ کلچرل کانگریس کا نام اسٹیٹ کلچرل کانفرنس رکھا گیا اب اس میں خطہ جمّوں کے علاوہ لدّاخ خطہ کے ادیب اور شاعر بھی زیادہ شدومد سے شامل تھے۔اس تحریک نے عوامی بُنیاد حاصل کرنے کے لیے علاقائی زبانوں میں لکھنے پر زیادہ زور دیا ۔ایک طرح یہ محسوس کیا گیا کہ مادری زُبان میں بہتر طور پر اظہار خیال ہوسکتا ہے۔لیکن دوسری اہم بات یہ تھی کہ عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے اُن

کے ساتھ اُن کی ہی زُبان میں بات کہی جائے تاکہ اُن کے مسائل کو بہتر طور پر پیش کیا جاسکے۔ چنانچہ کشمیری ،ڈوگری اور لدّاخی زُبانوں میں بھی شعر و ادب کا سرمایہ پیدا ہُوا۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر اس تحریک کا آغاز نہ ہُوا ہوتا تو غالباً ہماری علاقائی زُبانوں کا احیائے نو اس قدر سرعت سے نہ ہوتا۔

(ح) بزم مشاعرہ

جموں صُوبہ کے اہل ذوق اصحاب کی کوششوں سے ۱۵-۱۹۱۴ء میں بزم مُشاعرہ قائم ہُوئی۔جس کے آغاز و تنظیم میں صاحب زادہ محمد عُمر، شیخ غلام نقسبند ،سردار وزیر محمد خان اور شیخ عبدالقادر کی مساعی کو بڑا دخل تھا۔شیخ غلام نقشبند اس بزم کے پہلے صدر منتخب ہُوئے تھے۔اراکین میں میر خورشید احمد(جو گلگت میں مددگار رزیڈنٹ بھی رہ چکے تھے۔) سردار عالم خاں، ملک محی الدین قمر قمرازی، غلام علی حسرتؔ، غلام حیدر خاں غوری رموزؔ ، پنڈت امرناتھ شہید اور منشی غلام نبی کینؔ قابل ذکر ہیں۔ اس بزم کے زیر اہتمام پندرہ روزہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے اور جموں کار عجائب گھر مشاعروں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا ۔ان مشاعروں میں جو غزلیں پڑھی جاتی تھیں اُن کو گلدستہ کی صورت میں شائع کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔مہاراجہ کی ممالغت اور مخالفت کے باوجود اس بزم نے ایسا وقار قائم کر لیا تھا کہ سرکاری عہدہ دار بھی اس کے مشاعروں اور مجالس میں شریک ہوتے تھے ۔بزم کے سرپرستوں میں پنڈت اودئے چند گورنر جموں، پنڈت اقبال کشن در، افسر خزانہ اور پنڈت بہاری لال بھاکڑی،

سیشن جج شامل تھے۔اِن سب کو اُردو زُبان اور شاعری سے لگاؤ تھا۔لیکن یہ بزم دو تین برس سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی ۔اور اس کا سبب حبیب کیفوی نے یہ بتایا ہے کہ اس کے اراکین میں زیادہ تر سرکاری عہدہ دار شامل تھے جن کا تبادلہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہوتا رہتا تھا چونکہ محمد عُمر،سردار وزیر محمد خان جو بزم کے روح رواں تھے خود سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔لیکن تین چار برسوں میں ہی بزم کے زیر اہتمام ایسے معرکتہ الآرا مشاعرے منعقد کیے گئے جن کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی رہ گئی۔ایک یادگار مشاعرے کا تھوڑا سا حال حبیب کیفوی کے مضمون میں درج ہے۔

اس میں مشہور شاعر سہاؔ کی جموں میں آمد اور مشاعرہ میں شرکت کا حال بیان کیا گیا ہے:

"سہاؔ جموں کے ایک مشاعرے میں اتفاقاً آ پہنچے۔یہ مشاعرہ بڑے اہتمام سے عجائب گھر میں منعقد ہُوا تھا۔اس میں حفیظ جالندھری بھی شریک ہُوئے تھے۔مشاعرے کے دوران سامعین کو معلوم ہُوا کہ سہاؔ بھی مشاعرے میں موجود ہیں تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُن کے پڑھنے کی باری آئی تو ان کے لیے اسٹیج پر ایک میز رکھا گیا جس پر کھڑے

ہوکراُنہوں نے اپنا کلام سُنایا ۔اس مشاعرے میں ان کے بعد پھر کسی کا رنگ نہ جما......''

بزم مشاعرہ اور بزم سُخن کے اراکین اور موئدین کی آپس میں چشمک پیدا ہو گئی تھی۔ایک بزم سے متوسل شُعرا دوسری بزم کے سُخن وروں کے کلام پر تنقیدیں لکھتے اور پھر اُنہیں چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ اس طرح کی چشمک اور اعتبار سے یقیناً نامطبوع ہے۔لیکن جموں میں اس کا ایک فائدہ یہ ہُوا کہ شُعرا کو زُبان کی درستی ،محاورہ اور روز مرّہ کی پابندی کا زیادہ خیال رہنے لگا اس طرح مخالفتوں نے بھی ریاست میں ذوق ادب اور شعر اور زُبان و بیان کے درُست استعمال میں بڑی مدد دی

جموں میں شعر و ادب کے ذوق کی نشونما کے سلسلے میں اللہ رکھا ساغؔر کی کوششوں کو بھی دخل تھا وہ خود خوش فکر شاعر تھے۔اُنہوں نے ایک اخبار ''جمہور'' بھی جاری کیا تھا۔جو اس زمانے کے قابل اعتنا اخباروں میں شمار ہوتا تھا اس طرح اللہ رکھا ساغؔر خود ایک ادارہ بن گئے۔اپنے اخبار کے ذریعے سے وہ نہ صرف اپنے خیالات کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے بلکہ نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی بھی کرتے رہے لیکن اُنہیں جلد ہی گرفتار کر لیا گیا اور اخبار بند کر دیا گیا بعد

میں اُنھوں نے جاوید کے نام سے رسالہ نکالنا شروع کیا جو ۱۹۴۷ء
تک جاری رہا۔

(ط) محرّم کی مجالس

جموں صوبہ میں اُردو کے ذوق کو پھیلانے اور سنوارنے میں کئی اور عناصر کا بھی ہاتھ رہا۔تحریکوں اور اداروں کے علاوہ ان میں محرّم کی مجلسیں بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ مجلسیں جموں میں بڑے اہتمام اور سلیقہ سے منعقد کی جاتی اوران میں مرثیہ پڑھنے اور سوزخوانی کے لیے خاص طور پر لکھنو سے شاعر اورذاکر مدعو کیے جاتے تھے۔یہ مجلسیں پیر مٹھا (جموں) میں منعقد ہوتی تھیں اور شہر کے سارے پڑھے لکھے لوگ اور شعرو ادب کا ذوق رکھنے والے بغیر تفریق مذہب وملت ان میں شرکت کرتے تھے اور نہایت خوش گوار تاثر ساتھ لے جاتے تھے۔محرم میں پہلے دس دن تک یہ مجلسیں جاری رہتیں۔ان مجلسوں کا اثر لوگوں پر پڑتا،وہ مذہبی سے زیادہ شعری اورادبی ہوتا ۔چنانچہ مرثیوں کے بند ،شعراور مصرعے زبان زد ہوجاتے تھے۔ یہ تاثر صلاحیت رکھنے والے اصحاب کوخود بھی شعر کہنے پر اُبھارتا تھا۔ گویامحرم کی مجلسوں نے بھی اُردو شعر و ادب کو یہاں پھیلانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے ۔بلاشُبہ محرم کی مجلسوں سے جموں میں اُردو شعروادب کو کافی فروغ ملا جس کا ذکر تسلسل میں اس طرح کیا گیا ہے:

''ریاست میں اُردو کے فروغ میں کئی اور عوامل کا بھی دخل ہے جن میں محرم کی مجلسیں بھی تھیں ان مجلسوں میں لکھنو سے ذاکر بلوائے جاتے تھے۔ پیر مٹھا کی خانقاہ میں محرم کی مجلسوں کا انتظام ہوتا تھا جن میں ہندو اور مسلماں کثیر تعداد میں شامل ہوتے اور ذاکروں سے لکھنوی لب و لہجہ میں مرثیے اور سلام سُنتے۔ کچھ واقعات کا تاثر اور کچھ ذاکروں کا انداز بیان سُننے والوں کو مُتاثر کرتا اور مرثیوں کے کئی مصرے عوام کی زبانوں پر چڑھ جاتے...'' [۱]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُردو کی ترقی میں محرم کی مجالس کا بھی اہم رول رہا ہے جسے کسی بھی طرح نظر انداز کیا جانہیں سکتا۔

۱۔ تسلسل (ششماہی) جلد ۹ شمارہ ۷ اشُعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی جموں ص ۱۶۴

(ی) ناٹک کمپنیاں

ہمارے یہاں ناٹک کمپنیاں تجارتی ادارے رہے ہیں مگر ان کے کام کا ایک تہذیبی اور ادبی پہلو بھی ہے۔ اہل جموں کے ذوق وشوق کی بدولت اکثر پارسی ناٹک کمپنیاں یہاں آنے اور اپنے تماشے پیش کرنے کی خواہش رکھتی تھیں۔ اِن تماشوں میں عوام اور خواص بڑے شوق سے شریک ہوتے اور اس وسیلے سے بھی ان کے ذوق شعر وادب کی آبیاری ہوتی اور وہ پروان چڑھتا۔ یہ ایک معنی خیز بات ہے کہ اُردو میں ناٹک، ڈراما اور اسٹیج کے موضوع پر سب سے پہلی یادگار تصنیف ''ناٹک ساگر'' جموں کے ہی دو صاحب ذوق اہلِ قلم محمد عُمر اور نورالٰہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ناٹک ساگر اُردو میں ڈرامہ کی تاریخ بھی ہے اور تحقیق وتنقید بھی۔ محمد عُمر نورالٰہی نے خود بھی متعدد ڈرامے لکھے جھنیں تھیٹروں میں پیش بھی کیا گیا۔ کئی پارسی تھیٹریکل کمپنیوں نے جموں میں آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے بھی پیش کئے۔ اس طرح جموں میں ڈرامہ نگاری کا ارتقا ہوا اور آج بھی جموں میں پابندی کے ساتھ ڈرامے اسٹیج کئے جاتے ہیں۔

(ک) مذہبی تحریک

(۱) وہابی تحریک :۔ ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان وادب کے فروغ میں مذہبی تحریکوں کا حصہ بھی رہا ہے۔ اُنیسوں صدی کے اواخر میں دلی میں وہابی تحریک کا غُلغلہ تھا یہ تحریک اپنے اصلاحی جوش میں تحریک آزادی کا سا روپ اختیار کرگئی تھی۔ اوراس کے حامیوں میں اُردو کے کئی ادیب اور صحافی بھی پیش پیش تھے۔ یہ تحریک پچھلی صدی کے اواخر میں ریاست جموں وکشمیر میں پہنچی اوراس کے ساتھ اس کا اُردو میں لکھا ہوا لٹریچر بھی۔

(۲) عیسائیت :۔ عیسائی مُبلغوں نے جموں وکشمیر میں اُردو میں ہی لکھے مسیحی لٹریچر سے ابتدا کی اور بعد میں کشمیری کا رُخ کیا۔

(۳) احمدیت :۔ ''احمدیت'' کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی اُردو میں کافی مہارت رکھتے تھے اوراُن کی لکھی ہُوئی کتابیں بھی ریاست میں کچھ دانشوروں کے پاس پہنچ گئیں۔ مرزا صاحب کے پہلے خلیفہ مولوی نورالدین، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ایک معتمد مشیر تھے اوراُن کی وجہ سے بھی اُردو کو کافی سہارا ملا۔

(۴) آریہ سماج تحریک :۔ سوامی دیانند کی آریہ سماج تحریک بھی جموں وکشمیر

میں اُردو کے ذریعے ہی پہنچی اور یہاں کے رہنے والوں نے اس کی طرف خاص
رغبت دکھائی۔

(ل) ریاستی محکمہ اطلاعات ونشریات

ریاست میں محکمہ اطلاعات ونشریات (Department of Information)

بھی ایک ایسا ادارہ ہے جو اُردو زُبان کے فروغ کے لیے مسلسل اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے برس ہا برس سے یہ ادارہ تمدن اور ثقافت سے متعلق قابل قدر کام کرتا چلا آیا ہے یہ ادارہ انگریزی اور ہندی زُبانوں میں ماہنامہ شائع کرنے کے ساتھ ساتھ اُردوزُبان کے فروغ کے تیئں اس شیریں زُبان میں ''تعمیر'' نام کا ایک ماہنامہ شائع کرتا ہے۔ماہنامہ تعمیر کے علاوہ بھی اُردو میں ''مکتوب'' نام سے ایک خبرنامہ باقاعدگی سے یہ ادارہ شائع کرتا ہے۔اس علاوہ بھی یہاں کی تمدنی اور ثقافتی زندگی سے متعلق مضامین، افسانے، ڈرامے، نظمیں اوردوسری اطلاعات یہاں سے شائع ہوتی ہیں ۔محکمہ اطلاعات و نشریات نے ''تعمیر'' کے خاص نمبر بھی شائع کر کے صرف خطہ جموں ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر میں اُردو زُبان کی ترقی کے لیے جو کام کیا ہے وہ سراہنے کے قابل ہے۔تعمیر کے ان خاص نمبروں میں مہجور نمبر اور آزاد نمبر شائع ہُوئے ۔ان کے علاوہ ''جموں وکشمیر میں اُردو ادب ''نمبر شائع ہُوا تعمیر اوراس کے خصوصی نمبر مجموعی طور

ہر خطّہ کے کلچر،فن ،ادب اور زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اس محکمہ کا ایک شعبہ فیلڈ پبلی سٹی بھی ہے جو ریاست بھر میں مشاعروں کا اہتمام کرتا ہے اس شعبے کی غرض وغایت سے مُتعلق ڈاکٹر پریمی نے یوں لکھا ہے۔

''محکمہ اطلاعات ونشریات کا ایک شعبہ فیلڈ پبلی سٹی کا شعبہ ہے جس کی شاخیں ساری ریاست میں پھیلی ہوئی ہیں۔اس شُعبے کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً شہروں کے علاوہ دوردراز دیہاتوں میں مشاعرے منعقد ہوتے ہیں اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں''۔ [۱]

دیہاتوں میں خاص طور پر اس محکمہ کی کارکردگی زود اثر ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ فلموں کے ذریعے سے اِن علاقوں کے ناخواندہ اور نیم پڑھے لکھے لوگوں تک نہ صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کے نئے دریچے کھل جاتے ہیں بلکہ ریاست کی ثقافتی زندگی اور ماضی کی شاندار روایات کے تعلق سے سودمند باتیں پہنچائی جاتی ہیں۔

۱۔ جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشو نما (ڈاکٹر برج پریمی) ص ۱۳۹۔۱۴۰

(ن) اُردو کے فروغ میں عیسائی مشنریوں کی آمد کے اثرات

ریاست جموں وکشمیر میں مختلف ادبی اداروں، انجمنوں اور تحریکوں کے علاوہ نظیر اکبرآبادی کی نظموں کی مقبولیت نے بیرون ریاست سے آنے والے سیاحوں کی آمد ورفت اور پھر یہاں عیسائی مشنریوں کی آمد نے بھی اُردو کی ترقی میں چار چاند لگائے۔ چونکہ یہ مشنریاں عیسائیت کی اشاعت کے لیے اُردو میں باتصویر پمفلٹ اور دیدہ زیب کتابچے شائع کر کے عوام میں مُفت تقسیم کرتی تھیں۔ ان مشنریوں نے یہاں جموں میں ہی نہیں بلکہ سری نگر میں بھی الگ الگ اسکول اور شفا خانے کھول دیے تھے۔ اس کی غرض وغایت یہ تھی کہ مقامی لوگوں سے وہ مکمل طور پر رابطہ رکھ سکیں۔ جس کی بدولت وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں جاری رکھنے میں کامیاب ہوسکیں۔ انگریز پادری مشن اسکولوں اور گرجا گروں میں اُردو زبان میں انجیل سناتے تھے اور اُردو ہی میں لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔

جموں میں انیسویں صدی ساتویں دہائی کے آغاز میں مسیحی واعظوں کی آمد کا آغاز ہُوا۔ ایک یورپین پادری جس کا نام ینگسن تھا نے جموں کے کلیسا کی بنیاد ڈالی اور ۱۸۸۸ء میں اُس نے باضابطہ طور پر تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس پادری کو اُردو بولنے میں کافی مہارت تھی۔ عمدگی کے ساتھ اُردو بولتا تھا۔ یہ پادری اچھے اخلاق

کا مالک تھا۔جس کی وجہ سے اس نے کافی شہرت بھی پائی تھی۔اس کی خوش اخلاقی ،خندہ روی اور نیک خوئی کی وجہ سے اس کے اِردگرِد ہمیشہ بچے اور جوان مجمع لگایا کرتے تھے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ جموں میں اُنیسویں صدی کے ساتویں دہے میں مسیحی واعظوں کی آمد ہُوئی۔اُس وقت رنبیر سنگھ ریاست کے حکمران تھے ان کے حضور میں اسکول کے اجرا کے لیے ایک مبلغ نے درخواست پیش کی مگر رنبیر سنگھ نے یہ عرضی مُستد کردی جس کے بارے میں ہیڈ ماسٹر مشن اسکول جموں شری ہری سنگھ چندر کا بیان تسلسُل میں اس طرح درج کیا گیا ہے۔

''۱۸۸۲ء میں سیال کوٹ اسکاچ مشن کا ایک دیندار بنام وارث مسیح جو پہلا مشنری خیال کیا جاتا ہے،جموں میں بغرض منادی تشریف لایا۔جونہی اس شہر مذکور میں مسیح کا کلام سُنانا شروع کیا۔فوراً اُسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔ان دنوں شری مہاراج بہادر رنبیر سنگھ صاحب حکمران تھے۔ ۱۸۷۱ء لاینگ صاحب نے مشن اسکول کے اجرا کے لیے مہاراجہ بہادر کی خدمت میں درخواست پیش کی جو نامنظور ہُوئی ''[۱]

---

[۱] تسلسل (شش ماہی) جلد ۹ شمارہ ۷ اشُعبہ اُردو، جموں یونی ورسٹی ص ۱۶۳

بے شک عیسائی مشنری بڑی تعداد میں اپنا مذہبی لٹریچر اُردو میں چھاپ کر شہروں اور گاؤں میں مُفت تقسیم کرتی تھی۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ریاست میں اُردو کی اشاعت میں عیسائی مشنریوں کی آمد نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔

(م) نظیرؔ اکبر آبادی کی نظموں کے اثرات

جموں سے تعلق رکھنے والے وہ بُزرگ جو ناخواندہ تھے لیکن اس کے باوجود اُنہیں شعر سُننے اور سُنانے کا بے حد شوق تھا۔ اکثر نظیرؔ کی نظمیں پڑھتے رہتے تھے۔ اُنہیں اُردو کے کسی دوسرے شاعر کا نام تک یاد نہ تھا لیکن نظیرؔ سے اُنہیں والہانہ لگاؤ تھا۔ اور وہ اُن بزُرگوں کا محبوب شاعر تھا ان کا کلام سُناتے وقت وہ مسرور ہوتے اور سُنتے وقت بے حد خوش لیکن یہ ناخواندہ بُزرگ نظیرؔ کے کلام کو اپنی زبانوں پر محفوظ کر لیتے تسلسل میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے :

> ''جب اس بات کی تحقیق کی گئی کہ جب وہ لوگ پڑھ نہیں سکتے لیکن نظیرؔ کا کلام اُن کی زبانوں پر کس طرح چڑھ گیا تو معلوم ہُوا کہ مناقب پڑھنے والے جن کی کلائیوں پر لوہے کے کڑے ہوتے اور ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا جس سے کڑوں کو بجاتے جاتے اور مناقب پڑھتے جاتے اکثر جموں میں آتے جاتے تھے۔ ان فقیروں کو نظیرؔ کی طویل سے طویل نظم بھی زبانی یاد ہوتی تھی......'' [۱]

۱۔ تسلسل (شش ماہی) جلد ۹ شمارہ ۷ اشُعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی ص ۱۶۵

لہٰذا لوگ اُن سے نظم پڑھنے کی فرمائش کرتے تھے اور وہ گھنٹوں تک نظیؔر کا کلام سُناتے جاتے۔ اور اُن کے بار بار سُنانے سے بُزرگ حضرات اپنے حافظوں میں محفوظ کر لیتے جھنیں وہ اپنے کاموں سے فراغت کے بعد پڑھتے اور خوشی محسوس کرتے تسلسل میں ایک بزرگ کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے۔

''ایک بُزرگ جن کی عمر ۱۹۲۵ء میں اسی برس ہوگی۔ اپنے سیاہ فام خوردسال بیٹے کو جو اُن کی بڑھاپے کی اولاد تھی ''ریچھ کا بچہ'' والی نظم کے یہ شعر اکثر سُنایا کرتے تھے۔

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ

لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچہ

سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ

جس وقت بڑا، ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ

جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

نظم پڑھتے جاتے اور خوش ہوتے جاتے'' [۱]

یہی کیفیت دوسرے بُزرگوں کی تھی۔ نظیؔر کی بُہت سی نظمیں اکثر لوگوں کو یاد تھیں

۱۔ تسلسل (ششماہی) جلد ۹ شمارہ ۱۷ شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی جموں ص ۱۶۵

اپنی محفلوں میں جس موضوع پر بھی گفتگو ہوتی سند نظیؔر کے کلام سے لائی جاتی ان مثالوں کو مدّ مظر رکھتے ہُوئے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ نظیؔر کے کلام نے لوگوں میں مقبولیت حاصل کر کے اس صوبے میں اُردو کی ترویج میں اہم رول ادا کیا ۔

(س) کشمیر دربار میں ہندوستان سے آنے والے نقیب اور اُردو

ڈوگرہ حکمرانوں نے ایک عرصے تک نقیبوں کو اپنے دربار میں تعنیات کیا۔ان حکمرانوں نے اپنے درباروں کی شان وشوکت بڑھانے کے لیے مغلیہ درباروں کی طرح ہندوستاں سے نقیب بلوا کر ملازم رکھے ہُوئے تھے۔ یہ نقیب جب دربار مُنعقد ہوتا تو مُغلیہ درباروں کے روایتی انداز میں دربار میں مہاراجہ کی آمد کا اعلان کرتے ۔اس انداز پر مہاراجہ بے حد خوشی کا اظہار کرتے تھے۔یہ نقیب تن تنہا ہی نہیں آتے بلکہ اُن کے خاندان کے لوگ بھی اُن کے ہمراہ آتے ۔یہ سب لوگ اُردو ہی بولتے تھے اس طرح مقامی لوگوں کے دلوں میں اُردو گھر کر گئی ان کے علاوہ مہاراجہ کا خاص باڈی گارڈ رام پور کے روہیلوں پر مشتمل تھا جو اُردو بولتے تھے اور شہر کے لوگوں سے اُردو ہی میں گفتگو کرتے تھے۔لہٰذا ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کو پھولنے پھُلنے میں اُن نقیبوں کا اہم رول رہا ہے۔ جسے کسی بھی صورت میں نظر انداز کیا جا نہیں سکتا۔

(ع) بیرونِ ریاست کے سیاحوں کی آمدورفت

جہاں تک جموں کا تعلق ہے یہ پنجاب سے ملحق رہا ہے اس لیے جموں میں اہل پنچاب کی آمدو رفت اور پنچاب کے شہریوں کا جموں والوں کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔اس لیے دونوں علاقوں کے باشندے تمام شعبوں میں ایک دوسرے سے مُتاثر ہوتے تھے اسی سلسلے میں اور اُردو کو بھی اس آمد ورفت سے فروغ ملتا رہا ہے۔البتہ کشمیر صوبے کا معاملہ اس سے ذرا مختلف تھا۔مواصلاتی نظام نہ ہونے کی وجہ سے شروع میں بیرون ریاست کے باشندوں کی کشمیر میں آمدورفت آسان نہ تھی لیکن جب مری کوہالہ روڈ اور بانہال روڈ کی تعمیر ہوگئی تو کشمیر پہنچنے میں آسانیاں پیدا ہوگیئں ہر مکتب فکر کے لوگ کشمیر پہنچنے لگے اور قریبی رابطہ قائم ہونے سے صوبہ کشمیر میں بھی اُردو زبان وادب کا تیزی سے فروغ ہونے لگا۔سیاحوں کی آمد ورفت سے کشمیر کی مصنوعات کو بڑی ترقی حاصل ہُوئی۔یہاں تک کہ وادی کے صناعوں اور تاجروں کی معیشت بُہت حد تک سیاحوں کی آمد سے وابستہ ہوگئی مقامی باشندوں اور سیاحوں کو ایک دوسرے کی بات سمجھنے سمجھانے کیلیے اُردو ہی ذریعہ اظہار بنی۔ چونکہ کاروباری معاملات میں رابطہ کا واحد

ذریعہ اُردو ہو گیا تھا اس لیے وادی کے تاجروں نے اُردو میں گفتگو کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس کی اور اس میں مشق بہم پُہنچائی۔ اگرچہ وہ عموماً کاروباری زبان بولتے تھے جس میں تذکیر و تانیث کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ تاہم یہ اُردو زبان کے ترقی پذیر ہونے کی بُہت بڑی دلیل تھی اور پھر جب وادی میں تعلیم عام ہوگئی تو یہاں ریاست بھر سے نوجوان لاہور اور خصوصاً علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو وہ نہایت عمدہ لب ولہجہ میں صاف سُتھری اُردو بولنے لگے اور لکھنے لگے۔ اس طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں سیاحوں کی آمد نے بھی اُردو کے فروغ میں چار چاند لگائے۔

(ف) غیر ریاستی مشاہیرِ ادب کے اثرات

جموں و کشمیر سے باہر کے کئی خوش فکر سُخن سنجوں کا یہاں سے طویل یا مختصر تعلق رہا ہے اور اُن کے قیام سے یہاں کے نوجوان شاعروں اور ادیبوں کے سامنے فِکر وفن کے نئے اسالیب اور نئے انداز آئے اور وہ نئے معیاروں سے بھی روشناس ہُوئے۔ اس سے اس عہد میں جموں و کشمیر میں اُردو شعر و ادب کے ارتقا کے نئے امکانات پیدا ہوئے۔ ان سُخن سنجوں میں وامقؔ جونپوری، کمال احمد صدیقی، پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، عبدالقادر سروری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، رام بابو سکسینہ عبدالمجید سالکؔ، خوشی محمد ناظرؔ، حفیظ جالندھری، ، پروفیسر شکیل الرحمان، پروفیسر منظر اعظمی، خواجہ غلام السیدین، خلیفہ عبدالحکیم، آل احمد سرورؔ، پروفیسر مسعود حسین خان، گیان چند جین، پروفیسر جعفر رضا اور پروفیسر قدوس جاوید کے نام لیے جا سکتے ہیں جنھوں نے یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جموں و کشمیر کی کئی نسلوں کے ادبی ذوق اور تخلیقی وتنقیدی صلاحتیوں کی ترتیب و تنظیم میں اہم کردار ادا کیا۔ دراصل یہ سبھی شخصیتیں اُردو دنیا کی مستند ہستیاں ہیں۔ پوری اُردو دنیا ان کی ادبی خدمات کا اعتراف

کرتی ہے ۔ان کی شخصیت اور کارناموں سے کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں کے قلم کاروں نے بھی خوب استفادہ کیا اور ریاست میں اُردو شعر و ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

(ق) آزادی کے بعد کی ادبی انجمنیں

ملک عزیز کی آزادی کے بعد اُردو کے فروغ کے لیے بہت سی ادبی انجمنیں بنائی گیئں۔ لوگوں کے ذہن بیدار ہُوئے اور باشعور فن کاران ادبی انجمنوں سے مُنسلک ہو گئے۔ مُلک کی آزادی کے بعد فروغِ اُردو کے تیئں بنائی گئی انجمنوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) کلچرل فورم:۔ اس فورم کا قیام ملک کی آزادی کے دو سال بعد یعنی ۱۹۴۹ء میں عمل میں آیا۔

(۲) بزم اُردو جموں:۔ بزم اُردو جموں کا قیام ملک کی آزادی کے تیسرے سال بعد یعنی ۱۹۵۰ء میں عمل میں آیا۔

(۳) انجمن ترقی پسند مصنفین:۔ یہ انجمن ۱۹۵۸ء میں قائم کی گئی اس انجمن کی ادبی خدمات کا اعتراف آج بھی کیا جا تا ہے۔

(۴) بزم فروغ اُردو، جموں:۔ صوبہ جموں میں اُردو و ادب کے فروغ میں بزم فروغ اُردو جموں کا ایک تاریخی کردار رہا ہے۔

یہی وہ بزم ہے جن کے ساتھ ریاست کے نامور شعراء مثلاً حکیم منظور، عابد مناوری، یاسین بیگ، عشرت کاشمیری، عرش صہبائی، خورشید کاظمی، راحت وغیرہ وابستہ رہے۔ اس بزم کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا۔ جناب نور الزماں صدیقی نور، جناب پروفیسر منظر اعظمی، جناب مالک رام آنند، جناب میکش کاشمیری اور جناب دیانند کپور، اس انجمن کے بانیوں میں سے تھے۔ بڑی مُدت تک اس انجمن نے صوبہ جموں میں ادبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس انجمن کی محفلوں میں نوآموز قلم کار اپنی تخلیقات پیش کرتے اور نامور ادیب اُن کی نگارشات کی اصلاح کرتے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان قلم کاروں کے فن میں پُختگی آ گئی اور اس کے بعد اُن کی نگارشات مُلک کے اہم رسائل جرائد میں چھپنے لگیں۔

(۵) انجمن ترقی اُردو ہند، جموں:۔ انجمن ترقی اُردو ہند، جموں شاخ کا قیام ۱۹۶۷ء میں عمل میں آیا۔ اس انجمن کو قائم کرنے میں اُس وقت کے صدر شعبہ اُردو، جموں یونی ورسٹی پروفیسر گیان چند جین نے اہم رول ادا کیا۔ شری چیت رام چوپڑا کو اس انجمن کا پہلا صدر اور پروفیسر ظہور الدین کو سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ اس کی ابتدائی سرگرمیاں شُعبہ اُردو میں منعقد ہوتی تھیں۔ جن میں صُوبہ جمّوں میں اُردو کی صورت حال اور انجمن کے

مسائل کوزیرِبحث لایا جاتا ۔جمّوں کی موجودہ تنظیموں میں اس انجمن کا ایک خاص مقام اس لیے ہے کہ اسے مشہوردانش ور جناب بل راج پُوری اور ریاست کے نام ورنقادوادیب پروفیسرظہورالدین کی سرپرستی آج بھی حاصل ہے یہ انجمن اُردو کے فروغ کے لیے ضروری منصوبے مرّتب کرکے انھیں روبہ عمل لانے کی بھرپورکوشش پورے صُوبہ جموں میں کر رہی ہے۔انجمن کا سب سے اہم کارنامہ وہ کل ہند سیمنار ہے جو ۱۹۸۶ء میں جموں میں اُردو ماضی۔حال اور مُستقبل کے عنوان سے مُنعقد ہُوا اور جس میں صوبہ جموں کے اُردو ادیبوں دانش وروں اور شاعروں کے علاوہ مُلک سے آئے ہُوئے تقریباً اُردو کے دس دانش وروں نے شرکت کی۔ اس سیمنار میں اُردو کی صورت حال پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔انجمن ترقی اُردو، ہندسیمنار اور کانفرنس مُنعقد کرنے کے علاوہ مختلف شعراء پرمذاکرے اور اُردو کُتب کی نمائشوں کا اہتمام بھی کرتی ہے۔اس سلسلے میں انجمن نے حال ہی میں رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی کے اشتراک سے کل ہند اردو کتابوں کی نمائش کا اہتمام بھی کیا۔صوبہ جموں میں یہ نمائش اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے پہلے پورے صوبے میں کبھی اُردو کی اہم کتابیں ایک جگہ نمائش کے لیے پیش نہیں کی گئیں۔(یہی وہ انجمن ہے جس نے پہلی دفعہ سامعین اور

صوبے کے نام ور شُعرا کو Meet the Poet پروگرام کے تحت متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا۔ انجمن اس سلسلے کے اب تک تقریباً دس پروگرام مُنعقد کر چکی ہے یہ سلسلہ تادم تحریر جاری ہے)

(۶) بزم ادب، اُودھم پور:۔ اس بزم کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا۔ اور تادم تحریر یہ بزم اُردو کی خدمت کر رہی ہے۔

(۷) بزم ادب، تھنہ منڈی:۔ اس بزم کا قیام بھی ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا۔ احمد شناس اور فاروق مضطر وغیرہ اس بزم سے وابستہ رہے۔

(۸) اقبال بزم ادب بھدرواہ:۔ صُوبہ جموں کی قدیم انجمنوں میں اقبال بزم ادب، بھدرواہ ایک منظّم اور فعال تنظیم ہے۔ اس کا قیام ۱۹۶۵ء میں عمل آیا۔ یہ تنظیم صوبہ جموں میں ادب کے گلشن کی آب یاری کرنے میں آج بھی مصروف ہے۔ طالب حسین رِند بھدروائی اس کے موجودہ صدر ہیں۔ پچھلے چند برسوں اس تنظیم نے اُردو کی کئی کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ حال میں اس انجمن کا سالانہ مجلّہ ''بزم'' بھی منظر عام پر آیا ہے۔ خوب صورت کتابت اور بہترین طباعت سے پورے صوبے میں یہ مجلّہ اپنی نوعیت کا پہلا مجلّہ ہے اور اس کا سہرا بزم کے اراکین کے سر جاتا ہے۔ یہ بزم صوبائی سطح کے

مشاعرے بھی مُنعقد کراتی آئی ہے۔اس سلسلے میں شام رسؔا اور شام وفاؔ کے نام سے یادگار مشاعرے مُنعقد کیے گئے یہ مشاعرے اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ ان میں جموں صوبہ کے نامور شُعرا مثلاً آنجہانی پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد، پروفیسر منظر اعظمی (مرحوم)، جناب مرغوب بانہالی اور جناب نور الزماں صدیقی نور (مرحوم) وغیرہ نے شِرکت کر کے اس دور دراز علاقے میں مشاعروں کی روایت کو جلا بخشی ہے اب تک یہ بزم ملکی سطح کے کئی مشاعرے مُنعقد کروا چکی ہے۔ان سرگرمیوں کے علاوہ یہ مختلف قسم کی ادبی محفلوں کا انعقاد بھی کرتی ہے صوبہ کے دوسرے اضلاع مثلاً پونچھ اور راجوری کی مقامی تنظیمیں جن میں بزم ادب پونچھ اور بزم خدّام راجوری شامل ہیں۔مشاعرے اور ادبی محفلیں مُنعقد کر کے ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہُوئے ہیں۔

(۹) <u>نورنگ ادبی کنج:۔</u> صوبہ جموں کی عام ادبی تنظیم ہے جس کا قیام <u>۱۹۷۵ء</u> میں عمل میں آیا۔محترمہ نرگس ستارہ اور جناب شام طالب اس کے بانیوں میں سے ہیں۔اب یہ تنظیم ''ادبی کنج' کے نام سے جانی جاتی ہے۔جناب شام طالب، اس کے صدر ہیں۔ یہ تنظیم ہر ہفتہ اپنی باقاعدہ ادبی نشست ،شاستری میموریل ہائر سکینڈری اسکول، تالاب تلو، جموں میں مُنعقد کرتی ہے۔ جہاں اُردو کے مسائل کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں کے مسایل بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں اس

کے علاوہ، مشاعروں، افسانوی محفلوں اور مذاکروں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس میں صوبہ کے نامور ادیب و شاعر شرکت کرتے ہیں۔

(۱۰) کرشن چندر لائبریری کلب، پونچھ: کرشن چندر لائبریری کلب قیام ۱۹۷۸ء میں ضلع پونچھ میں صدر مقام پر عمل پر آیا۔

(۱۱) کرشن چندر میموریل کلب، سرن کوٹ:۔ اس کلب کا قیام پونچھ ضلع کی تحصیل سُرنکوٹ میں عمل میں آیا۔ اس کا قیام بھی ۱۹۷۸ء میں عمل میں آیا۔

(۱۲) جموں و کشمیر اُردو فورم جموں:۔ صوبہ جموں میں ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں جموں کشمیر اُردو فورم کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس فورم کا قیام ۱۹۸۶ء میں لایا گیا۔ اس کے صدر صوبہ جموں کے افسانہ نگار جناب امین بنجارا ہیں۔ اب تک یہ فورم بہت سارے ادبی جلسوں کا اہتمام کر چکی ہے۔ اس فورم کا سب سے اہم کارنامہ ۱۹۸۹ء میں مُنعقد کی جانے والی پہلی اُردو کانفرنس ہے جس کی صدارت پروفیسر ظہور الدین نے کی۔ اُس وقت کے وزیر صحت جناب راجندر سنگھ چِب مہمان خصوصی تھے۔ صوبے کے تمام دانش وروں نے اس میں شرکت کی اور اپنے اپنے مقالات پیش کر کے اُردو کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ ۱۹۹۴ء میں اس فورم نے جامعہ اُردو، علی گڑھ کے اشتراک سے

دوسری ایک روزہ اُردو، کانفرنس کا اہتمام کیا۔اس کانفرنس کی صدارت کشمیر ٹائمنز جموں کے چیف ایڈیٹر جناب وید بھسین نے کی اس کے علاوہ یہ فورم وقتاً فوقتاً مشاعروں اورادبی محفلوں کا اہتمام بھی کرتی رہی ہے۔

(۱۳) رساجاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی:۔

رساجاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی کا قیام باقاعدہ افتتاح ۸ مارچ ۱۹۹۵ء کو ڈین فیکلٹی آف آرٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی پروفیسر شمیم حنفی کے ہاتھوں ہُوا۔ پروفیسر ظہورالدین اس سوسائٹی کے سرپرست اعلا اور جناب شہاب عنایت ملک صدر ہیں۔اس کا مقصد صوبہ جموں میں اُردو زبان کو فروغ دینا ہے اب تک یہ سوسائٹی تقریباً اُردو کے ۵۰۰ جلسے مُنعقد کرچکی ہے جن میں صوبے کے مختلف شُعرا پر سیمنار بھی شامل ہیں۔ان میں عابد مناوری اور عشرت کاشمیری پر سیمنار خصوصاً قابل ذکر ہیں۔سوسائٹی ہر سال اُردو کی خدمات کے اعتراف میں کسی مشہور دانش ور کو رساجاودانی میموریل لٹریری ایوارڈ سے بھی نوازتی ہے ۱۹۹۵ء میں یہ ایوارڈ جناب محمد یوسف اور ۱۹۹۶ء کا یہ ایوارڈ جناب وید بھسین کو ان کی اُردو خدمات کے لیے دیا گیا۔اس وقت پورے ملک میں سوسائٹی کے ممبران کی تعداد ۸۰۰ کے قریب ہے اس سوسائٹی کو ملک کے نام ور اور ممتاز

اسکالروں کی سرپرستی حاصل ہے جن میں پروفیسر شمیم حنفی، ملک زادہ منظور احمد اور پروفیسر شارب ردولوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

(۱۴) <u>برج پریمی میموریل کمیٹی جموں۔</u> برج پریمی کے نام پر جموں میں ''برج پریمی میموریل کمیٹی '' کے نام سے بھی ایک علمی وادبی ادارہ قائم ہے یہ ادارہ جیسا کہ نام سے صاف ظاہر ہے کہ ریاست کے معروف ادیب اور نام ور نقاد ڈاکٹر برج پریمی کے انتقال کے بعد وجود میں آیا۔ اس علمی و ادبی ادارے کی بُنیاد پروفیسر ظہور الدین، پریمی رومانی، عرش صہبائی، پُشکر ناتھ اور آنند لہر نے رکھی۔ چنانچہ اس ادبی اور علمی تنظیم کی طرف سے پہلی ادبی تقریب جموں کے جاگرتی نکیتن اسکول میں منعقد ہُوئی جس میں ڈاکٹر برج پریمی کی پہلی برسی کے موقعہ پر ان کی شخصیت اور فن سے متعلق مقالات پیش کیے گئے اور اس کے علاوہ اس کمیٹی نے ڈاکٹر برج پریمی کے غیر مطبوعہ مسودات کو کتابی شکل میں شائع کرنے پر غور کیا گیا۔ اور عہد کیا گیا کہ ایسے تمام مسودات کو کتابی صورت میں پیش کیا جائیگا۔ آنجہانی برج پریمی لے لائق فرزند ڈاکٹر پریمی رومانی اپنے والد کی غیر مطبوعہ تحریروں کو شائع کررہے ہیں۔

(۱۵) <u>بزم ادب ڈوڈہ:</u> بزم ادب ڈوڈہ بھی جموں صوبے میں اُردو ادب کی

خدمات انجام دے رہی ہے۔ بزم ہر سال قومی سطح کے اُردو مشاعرے مُنعقد کراتی ہے اور گُلشن ادب کی آبیاری کرتی ہے۔قومی سطح کے چار مشاعرے اب تک یہ بزم کروا چکی ہے۔مشاعروں کے علاوہ بھی یہ بزم محفلوں کا اہتمام کرتی رہتی ہے ۔

(۱۶) بزم خدّام ادب،راجوری :۔

راجوری ضلع میں بزم خدّام ادب بھی ایک ایسی تنظیم ہے جو اُردو ادب کی بے لوث خدمت کر رہی ہے۔،مشاعروں اور دوسری ادبی محفلوں کا اہتمام کرتی ہے۔ صوبے سے تعلق رکھنے والے شاعر اور ادیب اس کی ادبی سرگرمیوں کی رونق کے دوبالا کرتے ہیں۔اس بزم کے علاوہ ''انجمن ترقی زبان و ادب'' بھی یہاں اُردو کی خدمت کرنے والی تنظیم ہے جن کے زیر اہتمام'' تناظر ''نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا گیا ہے۔

(۱۷) بزم ادب، پونچھ:۔ اس بزم نے بھی پونچھ اور راجوری کے شاعروں اور دانشوروں کو اکھٹا کرنے کی از حد کوشش کی ہے۔ وقتاً فوقتاً ادبی محفلوں اور مشاعروں کا اہتمام اس بزم کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

ان بڑی بڑی بزموں،کمیٹیوں اورانجمنوں وغیرہ کےعلاوہ ذیلی سطح پرایسی غیرسرکاری

تنظیموں کا ذکر کیا جاسکتا ہے جنہوں نے اُردو کے فروغ کے تئیں اپنی اپنی

سطح پر نمایاں خدمات انجام دیں جن کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

بزم فریدیہ بھدرواہ

محروم میموریل کمیٹی، جموں

انجمن ترقی زبان وادب، راجوری

انجمن محبان اُردو جموں

انجمن ادب اُردو، اُودھم پور

اُردو نیشنل ڈیولپمنٹ، کشتواڑ

اُردو ادب بھلیسہ

علمی وادبی اداروں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علم وادب کو فروغ دینے میں جہاں اخبارات اور رسائل وجرائد، لائبریریاں اور دانش کدے فعال ثابت ہوتے ہیں وہاں نشریاتی اداروں، انجمنوں اور ادبی اور تمدنی اداروں کے رول کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ریاست جموں وکشمیر صدیوں سے اُردو زبان وادب کا گہوارہ رہی ہے یہاں کے علم وادب، تہذیب وتمدن اور کلچر کو فروغ دینے میں یہاں کے خبارات کے علاوہ مختلف ادبی، ثقافتی اور تہذیبی اداروں کا بھی زبردست ہاتھ رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ادارے ادبی وتہذیبی قدروں کو پھیلانے، فنکاروں اور ادیبوں کے جمع کرنے اور اُن کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لا کر اُن کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرنے کے معاملے میں سرگرم رول ادا کرتے ہیں۔ یہ ادارے اور انجمن وقتاً فوقتاً صوبہ جموں ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر میں مشاعروں، مذاکروں، مباحثوں ،سیمناروں، سمپوزیموں اور تقاریر کا اہتمام کرتی ہیں۔ جس سے اُردو زبان کو مزید فروغ حاصل ہورہا ہے۔ بُہت سے نئے فنکار بھی ان اداروں اور انجمنوں سے جُڑ رہے ہیں۔ جو اس بات کا کُھلا ثبوت ہے کہ جموں صوبے میں اردو کا پھیلاؤ بڑی تیزی سے ہورہا ہے۔

باب ششم

اُردو نثر کا ارتقاء

جموں میں اُردو نثر

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان کی عُمر تقریباً ڈیڑھ سو سال کے آس پاس ہوگی ۱۸۴۶ء میں یہاں ڈوگروں کی حکومت قائم ہُوئی۔اس سے قبل یہاں افغانوں کے سکھوں کی عمل داری رہی ریاست کے عوام نے غلامی کی زندگی بسر کی ہے پہلے یہاں فارسی زبان کا رواج تھا۔عوام نے یہاں بھی اپنی ذہانت کا ثبوت دیا اور فارسی میں قابل قدر سرمایہ پیدا کرنے میں کامیاب ہُوئے۔ ڈوگرہ حکومت نے سیاسی مفاد کومدّنظر رکھتے ہُوئے لاہور اور دہلی کی حکومتوں کے ساتھ تقلقات قائم کیے اور یہاں سے بھی لوگ باہر جانے لگے۔ یہاں کے عوام اُس وقت فارسی بولتے تھے لہٰذا باہر جانے والے سیلانی اپنی فارسی دانی کے سبب مروجہ اُردو میں شُد بُد حاصل کرنے میں کامیاب ہونے لگے۔

ڈوگرہ حکمرانوں نے ایک عرصے تک نقیبوں کو اپنے دربار میں تعینات کیا۔ ہندوستان کے مختلف شہروں سے اِن نقیبوں کو بلایا گیا اور پھر یہاں اُن کی تعینانی ہُوئی ۔مہاراجہ کے دربار میں آنے پر وہی نقیب اعلان کرتے اور ایسا کرنے سے مہاراجہ بے حد خوش ہوتا۔ان نقیبوں کے ساتھ اُن کے خاندان بھی آتے تھے۔ یہ سارے نقیب مع خاندان اُردو ہی بولتے تھے لہٰذا جموں وکشمیر

میں اُردو کے فروغ میں اُن نقیبوں کا ہاتھ بھی رہا ہے۔

جموں وکشمیر میں اُردو و ادب کی نشوونما کے ضمن میں یہ کہنا بھی ضروری ہے اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے دوران یہاں سے کافی لوگوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کی۔اور اُن میں سے بیشتر وہاں ہی آباد ہو گئے۔لیکن بُہت سارے لوگ واپس بھی آئے۔اُردو زبان کی تیز رفتار ترقی سے مُتاثر ہوکر اُنہوں نے اُردو نظم ونثر کی تخلیق کی۔ڈاکٹر برج پریمی نے یہاں ہجرت کرنے والوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''یہ بات قابل ذکر ہے کہ کشمیر کی آبادی خاصا حصہ اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے دوران ہندوستان کے دوسرے حصوں میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوگیا تھا اُن میں سے اکثر خاندان وہیں کی خاک میں جذب ہو گئے اور اُردو زبان کی تیز رفتار ترقی سے مُتاثر ہوکر اُنہوں نے شعر وادب کے ایسے گُل بوٹے سجائے جن کا اپنا الگ مقام ہے''۔[1]

بے شک اُردو زبان اپنے ادبی خدوخال مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد ہی میں مرتب کر چکی تھی۔حالاں کہ اس دور میں ریاست کی سرکاری زُبان فارسی تھی۔لیکن جموں

۱۔جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشوونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۱۸

صوبے کے بیشتر علاقوں میں ڈوگری زبان بولی جاتی تھی۔ لِسانی اعتبار سے ڈوگری زبان، اُردو اور پنجابی کے قریب اس لحاظ سے اُردو زبان کو قدم جمانے میں یہاں زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور (۱۸۴۶ء۔ ۱۸۵۶ء) میں اُردو زبان زیادہ ترقی نہ کر سکی۔ اس کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دور آیا۔ ۱۸۵۷ء میں اُنہوں نے حکومت سنبھالی اور ۱۸۸۵ء تک حکومت کرتے رہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے مقابلے میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نئے علوم و فنون سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے یہ اس بات کا ثبوت ہی ہے کہ اس مہاراجہ نے اپنے دربار میں دور دور سے عالم اور فاضل جمع کیے تھے۔ اور اُن بیشتر فارسی جاننے والے تھے۔ لیکن اُردو بولتے اور لکھتے تھے۔ اُن عالموں میں ایک دیوان کرپارام تھے جو فارسی زبان پر دسترس رکھتے تھے اور اُردو سے کافی حد تک واقف تھے۔ یہ عالم مہاراجہ رنبیر سنگھ کا وزیرِ عظیم تھا۔ جس نے کئی فارسی کُتب تصنیف کیں۔ اُس دور میں لکھی ہُوئی کتاب ''گلاب نامہ'' کافی شہرت رکھتی ہے۔ اُس دور میں ریاست کی انتظامیہ اور نظم و نسق کی رپوٹیں اُردو زبان میں ہی تیار کی جاتی تھیں ان سب رپورٹوں کو دیوان کرپارام ہی تیار کرتے تھے۔ ڈاکٹر برج پریمی، رقمطراز ہیں۔

''مشہور مورخ صوفی کے مطابق دیوان کرپارام، رنبیر سنگھ کے دربار کا

ابوالفضل تھا۔کرپارام فارسی زبان پر دسترس رکھنے کے علاوہ اُردو زبان سے بھی واقف تھا۔اس کی وفات ۱۸۷۶ء میں ہُوئی۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے ریاست کے انتظامیہ سے مُتعلق رپورٹیں مرتب کیں اوراُن کی اشاعت کا اہتمام کیا۔اہم بات یہ ہے کہ یہ رپورٹیں اُردو میں مرتب کیں جاتی تھیں ایک ایسی رپورٹ (برائے سال ۱۸۷۳ء۔ ۱۸۷۴ء کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

''افسوس ہے کہ جب روز بروز اورجنسوں کی تجارت میں افزونی ہوتی جاتی ہے تجارت پشمینہ میں کسادو بے رونقی ہے۔ چنانچہ نیلام ۱۸۷۳ء میں ایک روپیہ کے عوض آٹھ آنہ سے لے کردس آنا تک قیمت آئی....'' [1]

شروع میں ڈوگرہ مہاراجوں کوانتظامی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وقت گُذرنیکے ساتھ ساتھ ان مشکلات سے چھٹکارہ ملتا گیا۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ جدید علوم کا دلدادہ تھا اسی بناپراُس نے ایک سنسکرت کا ادارہ کھولنے کے علاوہ ایک لائبریری اورایک دارالترجمے کا اہتمام کیا تھا۔اس دارالترجمے کے توسط سے سنسکرت اور فارسی کی کُتب شائع ہُوئیں اور بُہت سے

---

[1] ۔بازیافت (۱۹۸۴ء) شعبہ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۳۵

مسودات ڈوگری، ہندی اور اُردو میں ترجمہ ہُوئے۔ اسی ادارے کے زیر اہتمام سالانہ رپورٹیں تیار کی جاتی تھیں اور عربی اور دوسری زبانوں سے کُتب کا ترجمہ اُردو میں ہوتا اور پھر کتابی شکل میں شائع کیا جاتا تھا۔ مسودات کی تیاری میں حصہ لینے والے حضرات کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ا:۔ غلام غوث خاں

۲:۔ مولوی فضل الدین

۳:۔ پنڈت بخشی رام

۴:۔ لالہ بنست رائے

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے نئے علوم وفنون کو کافی حد تک ترقی دی۔ یہ بات الگ ہے کہ اس عہد میں اُردو سرکاری زبان نہ بن سکی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عام پڑھے لکھے لوگوں میں اُردو بُہت مقبول ہوچکی تھی اور اس کی وجہ سے مہاراجہ نے ۱۸۸۲ء میں ایک پریس کھولنے کا حُکم دیا۔ یہ پریس ریاست بھر میں پہلا چھاپہ خانہ تھا۔ اسی سال حکومت نے سرکاری گزٹ کے طور پر ایک اخبار جاری کیا جس کا نام ''بدیا بلاس'' رکھا گیا۔ یہ اخبار ہندی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور حکومت میں جو اہم ادیب مشہور ہوئے۔ اُن میں

پنڈت ہرگوپال کول خستہ کا نام سرفہرست ہے۔ خستہ، حالی اور شبلی کے ہم عصر تھے وہ کشمیری الاصل تھے مگر کافی مُدت بیرون ریاست لاہور اور پٹیالہ میں رہے۔ لاہور کے دوران وہ کئی اُردو رسالوں کے ساتھ وابستہ رہے۔ لاہور میں وہ راوی ریفارمر، خیر خواہ کشمیر اور دیش کی پکار جیسے پرچوں سے جُڑے رہے۔ لاہور میں رہ کر اُب کا تعارف کرنل ہالرائڈ سے بھی ہُوا جو پنجاب کے ڈائریکٹر تعلیمات کے عُہدے پر فائز تھے۔ خستہ ۱۸۷۶ء میں کشمیر واپس آئے۔ اور آتے ہی اپنی خُدا داد صلاحیتوں کی بنا پر مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۸۳ء میں ہرگوپال کول خستہ کی جموں وکشمیر کی پہلی اُردو تاریخ ''گُلدستۂ کشمیر'' شائع ہُوئی۔ اُن کی دوسری تصنیف رسالہ ''گلزارِ فوائد'' ہے اس کے علاوہ اُنہوں نے انشائیے بھی لکھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ سے لے کر مہاراجہ رنبیر سنگھ اور پھر مہاراجہ پرتاپ سنگھ تک جنہوں نے ۱۸۸۹ء میں حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی اُردو کا حلقہ وسیع ہو چکا تھا اور اُردو رابطے کی زبان بن چکی تھی۔ اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہُوئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اُردو زبان کو ۱۸۸۷ء میں ریاست کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ ہر دفتروں، تعلمی اداروں اور عدالتوں میں اُردو زبان استعمال کی جانے لگی اس عہد کے دوسرے بڑے نثر نگار پنڈت سالک رام کول سالکؔ ہُوئے۔ یہ

خستہؔ کے بھائی تھے۔سالکؔ کا ادبی ذوق لاہور میں پروان چڑھا تھا۔ پہلے لکھنؤ سے شائع ہونے والے اخبار ''اودھ اخبار'' میں اپنے مضامین بھیجتے رہے۔اور پھر لاہور سے ایک ہفت روزہ ''خیر خواہ کشمیر'' بھی جاری کیا اس اخبار میں اُن کے بھائی خستہؔ کے مضامین بھی چھپتے رہے۔سالکؔ کی اُردو دوستی نے اُن سے کئی اُردو کُتب تصنیف کروائیں۔جن میں ''لغات اُردو'' اور ''محاورات اُردو'' شامل ہیں۔سالکؔ نے ''رنبیر ڈنڈ بدھی'' (قانون تعزیرات جموں وکشمیر) بھی لکھی جو اُن کا ایک خاص کارنامہ ہے۔ اُنہوں نے کئی کُتب کی شرحیں بھی لکھیں۔ اُنہوں ایک پریس بھی قائم کیا۔جس کا نام ''سالک رام پریس'' تھا۔ اُن کے خالص ادبی کارناموں میں اُن کی تصنیف ''گنجینۂ فطرت'' اور داستان جگت روپ ہے جو شائع نہ ہوسکیں۔اُنہوں نے تحفۂ سالک کے نام سے ایک سفر نامہ بھی قلم بند کیا جس میں دوسرے ممالک کی تاریخ اور جغرافیہ کی بُنیاد پر اُن ممالک کی ترقی کا حال درج کیا گیا ہے۔

اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں لاہور اور دوسری جگہوں سے ریاست کا رابطہ اخبارات کے ذریعے قائم ہُوا۔ریاست کے سماجی، سیاسی،معاشرتی مسائل اُن اخبارات میں شائع ہونے لگے۔ ان اخبارات کی وساطت سے یہاں کے پڑھے لکھے لوگوں میں اپنی صلاحیتوں کو اُبھارنے کے

مواقع ملے۔اس ضمن میں محمد الدین فوقؔ کا نام بے حد اہم ہے۔ اُنہوں نے لاہور اور کشمیر سے مختلف اخبارات جاری کیے اور غفلت کی شکار ریاستی عوام کو بیدار کیا۔فوقؔ اپنے عہد کے سب سے بڑے ادیب تھے۔اُن کی تصانیف میں تاریخی کتابوں،تذکروں،ناولوں اور ڈراموں اور دوسرے کارناموں کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہے۔

لالہ ملک راج صراف نے ۱۹۲۴ء میں ریاست کا پہلا اُردو اخبار ''رنبیر'' جاری کیا اس اخبار نے صرف ریاست ہی میں نہیں بلکہ شمالی ہندوستان میں ایک تہلکا مچا دیا اس طرح اس اخبار کی وساطت سے نئے نثر نگاروں کا ایک حلقہ پیدا ہوا۔جس میں مولوی زین العابدین، پریم ناتھ رونق، قیس شیروانی، عشرت کشتواڑی،عبدالعزیز علاقائی،وشوا ناتھ ماہؔ، جیالال، دیا کرشن گردشؔ، تاراچند،کشب بندھو،بلدیو پرشاد شرما،غلام حیدر چشتی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ سری نگر سے پہلا اخبار ۱۹۳۲ء میں پریم ناتھ بزاز نے ''وتستا'' کے نام سے اس کے بعد شیخ عبداللہ اور بزاز نے ۱۹۳۵ء میں ''ہمدرد'' نام سے ایک اخبار جاری کیا۔اس کے علاوہ کشمیری پنڈتوں کی ایک سبھا نے ''مارتنڈ'' اخبار جاری کیا۔ ان اخبارات کے ذریعے یہاں کے لوگوں کی تخلیقی نشو ونما ہُوئی۔ان قلم کاروں میں جنہوں نے نثر کے مختلف شعبوں میں قلم اُٹھایا اُن میں گنگا دھر بٹ دیہاتی،انور پریمی،پریم ناتھ پردیسی، دینا ناتھ واریکو شاہدؔ، وشوا ناتھ ورماہؔ،

نندلال بے غرض،   علامہ کشفی، شیام لال ایمہ، علامہ مجہول، اسیر کاشمیری، بھاگیرتی، نیاز کامراجی کے نام قابل ذکر ہیں۔اس دور کی اہم تصانیف ''کشمیر کا گاندھی'' (شیخ محمد عبداللہ کی سوانح حیات) ''دیو' بھٹ کی سوانح حیات اور تلاش حقیقت جو بالترتیب پریم ناتھ بزاز، تیرتھ کاشمیری اور وشوا ناتھ درماہ کی تصنیف ہیں۔

ہیئت کے اعتبار سے اُردو نثر کی مختلف اصناف ہیں۔ یہاں اُن اصناف کا ذکر کرنا مقصود ہے جن کا ارتقا اس صوبے میں ۱۸۵۰ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصے میں ہُوا۔لہٰذا ان اصناف کا مختصر جائزہ لیا جارہا ہے۔اُردو نثر کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

(۱) تنقید (۲) ڈرامہ (۳) ناول (۴) افسانہ (۵) انشائیہ (۶) رپورتاژ (۷) سوانح نگاری

اس کے علاوہ مختلف اخبارات اور رسائل جاری ہوئے جن کی مدد سے جموں میں اُردو نثر کو ارتقا کا موقع ملا۔

جموں میں اُردو تنقید

تنقید

ریاست جموں کشمیر میں اُردو تنقید کے ابتدائی نقوش منشی محمد دین فوقؔ کی بعض تحریروں میں ملتے ہیں۔ حالانکہ تنقید سے اُن کا براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ تنقید اُن کا میدان بھی نہیں تھا۔ اُنہوں نے تاریخ، شاعری، فکشن، تحقیق کے میدانوں میں چراغ جلائے۔ اُن کا اصل میدان تاریخ تھا۔ لیکن فوقؔ مرحوم نے کئی ایسے تذکرے بھی تالیف کیے جن کا رشتہ براہ راست اُردو ادب کے ساتھ ہے۔ تذکرۂ علمائے لاہور، تذکرۂ شعراء لاہور، تذکرہ اخبار نویساں، یادرفتہ گان اور اس قبیل کی متعدد تصنیفات ہیں۔ جو اگرچہ تحقیقی نوعیت کی ہیں۔ لیکن ان میں اقتضائے زمانہ کے مطابق تنقیدی خیالات کا اظہار ملتا ہے یہ خیالات کسی بھی خاص اصول کے مطابق نہیں البتہ اسی طرح کے ہیں جس طرح کا اظہار اس زمانے کے تذکروں میں ملتا ہے۔

محمد عُمر نورالٰہی بیسویں صدی کے رُبع اول میں جموں کے ادبی حلقوں کے روح رواں تھے اُن کا سب سے پہلا نمایاں کام حکیم احمد شُجاع کے ڈرامے ''باپ کا گناہ'' پر تنقید تھی جس میں کئی واقعاتی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی تھی اس تبصرے کی بدولت وہ ادبی دُنیا میں ایک سنجیدہ نقاد کی حیثیت سے متعارف ہُوئے لہٰذا اس کامیابی نے اُنہیں آغا حشر کاشمیری، احسن مارہروی، محشراور رحمت علی کے

ڈراموں کا تنقیدی جائزہ لینے کی طرف مائل کیا اور یہ تنقیدیں بھی اعتبار کی نظر سے دیکھی گئیں۔لیکن ادبی تنقید کے ابتدائی نمونوں میں ''ناٹک ساگر'' سب سے اہم ہے۔''ناٹک ساگر'' محمد عمر نور الٰہی کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے جو پہلی بار لاہور کے مرکنٹائل پریس سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی۔اسے ڈرامہ نگاری کے فن پر پہلی اُردو تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ڈرامہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں یونان لے ہندوستان، چین، جاپان اور روس تک مشرق اور مغرب کے ڈرامہ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ناٹک ساگر کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک طرح سے عالمی ڈرامے کی مُختصر تاریخ ہے۔ اور اس کا بُنیادی کینڈا تحقیق پر استوار ہے۔لیکن اس میں تنقیدی منصب سے بھی عہدہ برآ ہونے کی سعی کی گئی ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر برج پریمی ناٹک ساگر کے فاضل مقدمہ نگار علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

''یہ کتاب ہے جو اُردو ادیبوں اور ڈرامہ نویسوں اور اسٹیج یعنی تھیٹر کے ہر قسم کے متعلقین کے لیے روز نامچہ ہدایات کا کام دے گی۔ یورپ کے ڈرامہ کی عہد بہ عہد ترقی، اس کا عروج، ارتقا اور تنزل فن تمثیل یعنی ایکٹری، سٹیج کا لباس اور سینری وغیرہ ایسے مطالب ہیں۔جن کا ذکر جا بجا اس

کتاب میں آیا ہے۔اور جن پر مورخانہ تعبیر کے ساتھ ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ [1]

اہل علم نے بھی ہمیشہ سے علامہ کیفی کے ان خیالات کو سراہا ہے محمد عمر نورالٰہی نے بڑی کوششوں اور کاوشوں سے مواد اکٹھا کیا۔اور اپنے تنقیدی خیالات کا اظہار کیا اس طرح سے ''ناٹک ساگر'' کو اُردو عملی تنقید کا اوّلیں نمونہ کہا جا سکتا ہے پروفیسر ظہورالدین نے اپنے ایک مضمون میں اس کی تعریف میں لکھا ہے۔

''.....اُردو زبان آج تک اس کا جواب پیش نہیں کر سکی اور اردو کے پاس کوئی واحد تصنیف ایسی نہیں ہے جو ڈرامے کے حوالے سے اتنے بڑے کینوس سے ہمیں روشناس کراتی ہو'' [2]

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد مہاراجہ بہادر نے ان دونوں حضرات کو ڈھائی سو روپے کے انعام سے نوازا تھا۔ناٹک ساگر کے علاوہ محمد عمر نورالٰہی نے امانت کی اندرسبھا مرتب کر کے شائع کی۔یہ ایڈیشن بھی ۱۹۲۶ء سے لاہور ہی سے شائع ہُوا اس ایڈیشن کا

---

[1] جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۴۷

[2] بازیافت جشن زریں نمبر ۲۰۰۸ء ص ۱۰۳

امتیاز یہ ہے کی مرتبین نے ڈرامے کو دو ایکٹوں اور کئی سینوں میں تقسیم کر کے ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے مرتبین نے اپنے مقدمے اور حواشی سے کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے یہ حصّہ ان کے ادبی ذوق تحقیق اور تنقیدی شعور کا غماز ہے۔

تنقید کے شُعبے میں عبدالاحد آزاد کا نام اہمیت کا حامل ہے۔اُنہوں نے کشمیری زبان وادب کی تاریخ اُردو میں لکھی ہے۔اُن کی گراں قدر تصنیف ''کشمیری زبان اور شاعری'' آج بھی اہمیت کی حامل ہے۔آزاد نے ۱۹۳۵ء کے آس پاس مہجورؔ سے متعلق ''حیات مہجور'' کے عنوان سے ایک مختصر سا مقالہ لکھنا شروع کیا تھا لیکن اُن کے ذوق وشوق نے اُن کے اس کام کو وُسعت دی اور ۱۹۴۷ء سے قبل ہی ایک ضخیم مسودہ تیار ہو گیا۔مگر اُن کی حیات میں شائع نہ ہو سکا اور ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۵۹ء میں ریاستی کلچرل اکادمی نے اسے تین جلدوں میں شائع کیا جس کا نام ''کشمیر زبان اور شاعری'' رکھا گیا۔بُنیادی طور پر آزاد کا یہ تحقیقی کام ہے مگر تحقیق کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے تنقید کا بھی حق ادا کیا ہے، بعض معترضین کا یہ کہنا ہے کہ آزاد کی یہ تصنیف اُردو کے زمرے میں شمار نہیں کی جا سکتی۔اس رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔بے شک بُنیادی طور پر یہ تصنیف کشمیری زبان کی شاعری سے متعلق ہے جیسا کہ اس کے نام سے صاف ظاہر

ہے۔لیکن اُن کی اس تصنیف کو اُردو ادب میں قابل قدر تنقیدی اور تحقیقی تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے آزاد زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن اُن کی کھوج اور تحقیق کے جذبے کو دیکھ کے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ایک بڑے محقق اور گہری تنقیدی بصیرت کے مالک تھے عبدالاحد آزاد کی بے پایاں محنت، لگن اور اُن کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ۔کتاب کے مقدمے میں علی جواد زیدی کا حوالہ دیتے ہُوں لکھا گیا ہے۔

''آزاد کی نظر میں وُسعت ہے ان میں تحقیق کرنے والوں کی ہمت اور صبر ہے۔ان کے قلم میں روانی اور سلاست ہے اور وہ ایک بڑے کام کے انجام دینے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں کسی مشعل کے بغیر وہ تاریکیوں میں روانہ چلے جاتے ہیں۔ صدیوں کے پردے چاک کرتے ہیں۔اور کم از کم چھ صدیوں پر پھیلے ہُوئے مواد کو تین مختصر جلدوں میں یکجا کر دیتے ہیں۔یہ بجائے خود ایک نا قابلِ فراموش کارنامہ ہے'' [۱]

عبدالآحد آزاد نے اس کتاب کا نام ''تاریخ ادبیات کشمیر'' کا نام تجویز کیا تھا

جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۱۶۶

جو کشمیری زبان کی شاعری کی تاریخ ہے لیکن اسے اُردو ادب میں ایک قابل قدر تحقیقی وتنقیدی تصنیف بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں اس کتاب کو ریاستی کلچرل اکادمی نے ''کشمیری زبان اور شاعری'' کے نام سے شائع کیا ۔ اُنھوں نے تاریخی اور سماجی پس منظر سے مدد لے کر نتائج اخذ کیے ہیں اور نہ صرف اس زبان کی تدریجی ارتقا پر اپنے خیالات کا اظہار کیا بلکہ مختلف ادوار کے شُعرا کے حالات بیان کر کے اپنی پوری تنقیدی بصیرت کے ساتھ ان کے کلام کو پرکھا بھی ہے۔ اور ان پر تبصرے بھی کئے ہیں جو عملی تنقید کے اچھے نمونے ہیں جموں میں اُردو تنقید کو آگے بڑھانے میں اخباروں اور رسالوں کا بھی اہم کردار رہا ہے۔

۱۹۴۷ء سے قبل جن حضرات نے چاند اور'' پریم'' (جموں) میں تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھے اُن میں حنیف ہاشمی ، بی.ڈی۔مل شرما، دیا کرشن گردشؔ، عبدالحمید نظامی، گُلزار احمد فدؔا محمد شبیر، اور ڈاکٹر محمود راضی قابل ذکر ہیں حنیف ہاشمی نے ہندی، سنسکرت اور اُردو ادب کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھے۔

پروفیسر بی۔ڈی مل شرما کا مضمون ''اودھ پنچ کا ایک ورق'' اس روایت کو بڑھاتا ہے اس مضمون میں موصوف نے اودھ پنچ کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیا کرشن گردشؔ نے اپنے دو مضامین ''نیا ادب''

اور ’’کالی شلوار‘‘ میں ترقی پسند ادب کو تنقید کا نشانہ بنایا۔حمید نظامی ملک کی آزادی سے پہلے کے دور کے اہم نقاد ہُوئے جنہوں نے اپنے متعدد مضامین میں مختلف ادیبوں اور شاعروں کی ادبی وشعری خدمات کا جائزہ لیا۔اس ضمن میں اُن کا ایک مضمون ’’پریم ۱۹۴۵ء پر ایک نظر‘‘ قابل ذکر ہے۔

اس دور کے ایک اور نقاد اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا نام گلزار احمد فدؔا ہے جو پریم جموں کے مدیر بھی رہے۔ وہ دوسروں کی تحریروں کا ہر شمارے میں جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ مختلف مضامین بھی شائع کرتے رہے۔

محمد شبیر کے دو مضامین ’’ غزل کی تدریجی ترقی‘‘ اور ’’اُردو نثر کی تدریجی ترقی‘‘ کے عنوانات سے ہی اُن کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔اسی زمانے میں نندلال طالبؔ نے ’’بہارگلشن کشمیر‘‘ پر بھرپور تبصرہ لکھ کر تحقیق وتنقید کے سفر کو آگے بڑھایا اس کے ساتھ ساتھ جموں میں بزم سُخن نے بھی قابل قدر کام کیا جس کا ذکر الگ باب میں کیا گیا ہے۔

نندلال طالبؔ طالبؔ کشمیری تنقید وتحقیق سے بھی دلچسپی رکھتے تھے بُنیادی طور پر وہ شاعر تھے۔اُن کے دو شعری مجموعے رشحات التخیل اور مرقع افکار بالترتیب ۱۹۲۵ء اور ۱۹۵۲ء میں شائع ہُوئے اپنے ان دونوں شعری مجموعوں پر اُن کے خود لکھے ہُوئے دیباچے، بہار گلشن پر اُن کا تبصرہ اور سب سے بڑھ کر

کلام غالبؔ پر"جائزہ کلام غالبؔ" کے عنوان سے اُن کا تبصرہ اُن کے جودتِ ذہن اور تنقیدی صلاحیت پر دلالت کرتا ہے۔

وطن عزیز کی تقسیم اور پھر فسادات نے ریاست جموں وکشمیر کا سارا نظام درہم برہم کر دیا اور ادبی فضا بھی متاثر ہوئی۔لیکن ۱۹۵۰ء تک آتے آتے کچھ حد تک ہمارا نظام راہ راست پر آنے لگا لہٰذا ادیبوں اور فن کاروں نے پھر سے خود کو ایک بار منظّم کرنا شروع کیا۔اور جلد ہی اُن کی تخلیقی و تحقیقی تحریریں مقامی اخباروں کے ساتھ ساتھ رسائل میں بھی نظر آنے لگیں۔"اخباروں میں"چاند" اور 'سندیش' اور رسائل میں"شیرازہ""نوری چھم""دھنک" اور سنگم نے اس سلسلے میں قابل قدر کردار ادا کیا۔

اس ضمن میں پشکر ناتھ،عرش صہبائی، ہر بھگوان شاد،موہن یاور اور نند کمار باوا کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔یہ ادیب چوں کہ بنیادی طور پر تخلیقی فن کار تھے لہٰذا تحقیق وتنقید کی طرف زیادہ توجہ نہ دے پائے۔اس کے باوجود عرش صہبائی کی تین کتابوں جن کے عنوان انجم کدہ (۱۹۶۳)، یہ جانے پہچانے لوگ (۱۹۶۶ء) اور مختلف شُعرا کے تذکرے (۱۹۶۸ء) نے اُردو تحقیق وتنقید کی روایت کو آگے بڑھایا۔

چراغ حسن حسرتؔ جن کا تعلق اوڑی پُونچھ سے تھا اور بعد میں لاہور چلے گئے

مختلف ادبی تنظیموں کا حصہ بنے شاعری بھی کرتے تھے اور ''زمیندار'' روزانہ اخبار میں تنقیدی مضامین بھی لکھتے تھے۔ کشمیر عُظمیٰ نے اُن کے تنقیدی مضامین چھپنے سے متعلق اپنے ایک شمارے میں اسی طرح لکھا ہے۔

''......... شاعری میں جب حسرتؔ کی دھوم مچی تو اُس وقت کے روزنامہ ''زمیندار'' کے مدیر اعلا ظفر علی خاں نے حسرتؔ کو زمیندار کا مدیر بنا دیا حسرتؔ نے کئی تنقیدی مضامین سند باز جہازی کے نام سے بھی لکھے'' [۱]

ادبی انجمنوں کے قیام نے تنقید نگاری کو تقویت پہنچائی۔ ان میں بزمِ سُخن جموں، بزم ادب کشتواڑ ، حلقۂ ارباب ذوق، انجمن حمایت الاسلام، انجمن ترقی پسند مُصنفین کا قیام ایک نیک فال ثابت ہُوا (ادبی انجمنوں کی تفصیل ایک الگ باب میں درج ہے)

ریاست جموں و کشمیر میں عموماً اور جموں صوبہ خصوصاً اُردو تحقیق و تنقید کی روایت کو فروغ دینے میں ریڈیو کشمیر جموں (۱۹۴۸ء) اور ریڈیو کشمیر سری نگر (۱۹۴۹ء) نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

۱۔ کشمیر عظمیٰ ۱۱ مارچ ۲۰۰۷ء ص ۱

''ان دونوں اداروں نے اُردو کے جتنے تحقیقی،تنقیدی، سیاسی وسماجی موضوعات پر ریڈیوٹاکس لکھوا کر نشر کیں ان کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مُشکل ہے اُردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر ریڈیوٹاکس لکھوا کر نشر نہ کی گئی ہو۔ اس طرح تحقیقی وتنقیدمزاج کو خاص وعام تک پہنچانے میں نہ صرف مدد ملی بلکہ شائقین ادب نے آزادانہ طور پر لکھنے کی تحریک بھی پائی ''[1]

(ریڈیوکشمیر (جموں) کا تفصیلاً ذکر دوسرے باب میں کیا گیا ہے چونکہ میرے تحقیقی مقالہ سے صرف اسی کا رشتہ ہے)

اُردو میں تحقیق وتنقید کے فروغ میں شعبہ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی اور شُعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی کی خدمات بھی بے حد اہم ہیں۔ کشمیر یونی ورسٹی میں شُعبہ اُردو کا قیام ۱۹۵۸ء میں ہُوا اور اس شُعبہ کے ساتھ ملک کے بڑے نامور حضرات جُڑے رہے۔ جو یہاں آنے سے قبل ہی ادبی دُنیا میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ ان حضرات میں پروفیسر محی الدین قادری زورؔ، پروفیسر عبدالقادر سروری اور پروفیسر شکیل الرحمٰن کے اسماء گرامی کسی بھی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان حضرات کی قیادت

[1] بازیافت شُعبہ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۰۹

میں اور بہت سے لوگ اُبھر کر سامنے آئے جنھوں نے اُردو دُنیا میں اپنے تحقیقی وتنقیدی مطالعہ سے قابل قدر اضافہ کیا۔ان میں ڈاکٹر اکبر حیدری، پروفیسر حامدی کاشمیری، محمد یوسف ٹینگ، شریف الدین احمد، ڈاکٹر اسداللہ کامل، ڈاکٹر جعفر رضا، ڈاکٹر قدوس جاوید اور ڈاکٹر مجید مُضمر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے پچاس کے قریب کتابیں اور چار سو سے زائد مقالے تحریر کیے۔متقدمین سے قطع نظر، معاصرین میں شاید ہی کوئی دوسرا محقق ہو جس نے اس کثرت، خلوص اور جاں سوزی کے ساتھ تحقیق کی جانب توجہ دی ہو۔اکبر حیدری نے اہم لیکن گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ادبی شہ پاروں اور شخصیتوں کو منظرِ عام پر لانے، اساتذہ سے منسوب الحاقی کلام کی نشان دہی کرنے کے علاوہ نایاب قلمی نسخوں کی تدوین وترتیب اور مراثی ومثنویات کے محذوف، گُم شدہ اور غیر مطبوعہ اشعار کی بازیافت جیسے سینکڑوں کارنامے انجام دیے ہیں جن سے شعر وادب کے مطالعے میں نہ صرف آسانیاں پیدا ہُوئی ہیں۔ بلکہ مزید تحقیق وتنقید کی راہیں بھی ہموار ہوئی ہیں۔

صنف مرثیہ، مرثیہ کا ارتقا اور گمنام مرثیہ نگاروں کے بارے میں نادر معلومات ان کی تصنیفات میں درج ذیل بے حد اہم ہیں (۱) باقیات انیس (۲) اودھ میں اُردو مرثیے کا ارتقا (۳) میر انیس بحیثیت

رزمیہ شاعر (۴) مراثی دبیر (۵) منظومات دیگر (۶) تحقیقی جائزے (۷) انتخاب مراثی دبیر (۸) مقالات حیدری (۹) تحقیقی نوادر (۱۰) بہارستان شاہی وغیرہ۔ اُن کے درج ذیل مضامین بھی یادگار تحقیقی کارنامے تصور کیے جاتے ہیں۔

مرزا دبیر کے قلمی آثار۔ مرثیہ میں ہندوستاں عناصر۔ اقبال اور حسین مرزا دبیر ایک تحقیقی مقالہ۔ ہندو مرثیہ گو شُعرا۔ رزمیہ شاہی اور میر انیس کا ایک مرثیہ۔ غلام حسن دیگر لکھنوی۔ میر انیس کا غیر مطبوعہ کلام۔

اُردو کے کئی دیگر صنف اول کے محققین مثلاً مسعود حسن خاں رضوی ادیب، پروفیسر شبیہ الحسن، پروفیسر نیّر مسعود، کاظم علی خاں اور پروفیسر محمد زماں آزرؔدہ نے بھی صنف مرثیہ پر خصوصی توجہ دی ہے لیکن اکبر حیدری کا کام ان سب سے زیادہ ہے لہٰذا اس پہلو سے اکبر حیدری کو ان تمام محققین پر افضلیت حاصل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حقائق اور واقعات سنہ و تاریخ کی چھان پھٹک غیر مطبوعہ غیر مدون کلام، نایاب اور کمیاب قلمی نسخوں اور کتابوں کے حوالے سے پروفیسر اکبر حیدری مروجہ معلومات اور حقائق و مفرضات سے متعلق جو نتائج اخذ کرتے ہیں اور بازیافت و انکشاف کی بُنیاد پر ترمیم و اضافہ کی جو صورتیں پیش کرتے ہیں اُن مین سے بیشتر عمدہ تحقیقی آداب اور تقاضوں کی بنا پر اہم قرار

پاتے ہیں۔اور معیار کے اعتبار سے ایسا لگتا ہے جیسے حافظ محمود شیرانی، قاضی عبد الودود، امتیاز علی عرشی وغیرہ کے بعد اکبر حیدری ہی ہیں۔

اکبر حیدری کے برعکس پروفیسر حامدی کاشمیری کا ذہن اول و آخر تنقیدی ہے۔لیکن جہاں ضروری ہوتا ہے اُنہیں تحقیق کے مرحلوں سے گذرنے میں بھی تکلف نہیں ہوتا۔جدید اُردو نظم میں یورپی اثرات، اقبالؔ اور غالبؔ کار گہہ شیشہ گری، حرف راز اور شیخ العالم حیات اور شاعری معاصر تنقید ایک تناظر میں تفہیم و تنقید اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔حامدی کاشمیری کا شمار آج اُردو کے صف اول کے ناقدین میں ہوتا ہے ۔اس کے اسباب کئی ہیں اول یہ کہ وہ جدید ترین لسانی ادبی اور ثقافتی تھیوریز اور تصورات کو ذہن میں رکھتے ہُوئے اُردو شعر وادب کی تفہیم و تعبیر کی کوشش کرتے ہیں۔اس ضمن میں اُردو شعر وادب کے سابقہ روشن نقطے بھی اُن کے شعور میں کرنیں بکھیرتے رہتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے تنقیدی افکار و خیالات اُردو شعر و ادب کی روایات اور اجتہادات سے رشتہ بھی قائم رکھتے ہیں۔اور ان میں شعر وادب کے نئے امکانات کی پردہ کشائی بھی ہوتی ہے۔عہد بہ عہد اُردو شعر وادب کی شعریات پر اُن کی گہری نظر ہے لیکن اُن کا ذہن اور روّیہ بہرحال تقلیدی نہیں۔اسی لیے شعر کی ماہیت اور حقیقت کے ضمن میں حامدی کاشمیری، پروفیسر گوپی چند نارنگؔ، شمس الرحمٰن فاروقی اور وزیر آغا سے

قدرے الگ تصورات رکھتے ہیں۔اس کا اندازہ ''کارگہہ شیشہ گری''،نئی حسیت اورعصری اُردوشاعری اوراکتشافی تنقید کی شعریات میں موضوع،معنی،تخلیئی تجربہ وغیرہ سے متعلق ان کے خیالات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حامدی کے یہاں شعر کے آزاد اور خودمختار وجود،متن سے مصنف کے غیاب ،متن کی قرات کے تفاعل میں قاری کی شرکت کے امکانات،شعر میں الفاظ کا غیرروایتی لسانی برتاؤ،تخلیق کی تفہیم میں زبان کا کرداراور تخلیق میں موضوع کی جگہ،صنفی امتیازات اور معنی کے برعکس تجربہ کی موجودگی پر اصرار ملتا ہے۔دراصل کسی بھی بڑے اور مستند ناقد کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ تخلیق،تحقیق اور تنقید کے بارے میں وہ خود ایک صائب اور معتبر رائے رکھتا ہو۔ اور یہی چیز حامدی کے پاس ہے۔

محمد یوسف ٹینگ برصغیر کے ایسے عجوبہ روزگار دانشور ہیں جن کا وجود نہ جانے کتنی معلوم اور نا معلوم تہیں رکھتا ہے۔اب تک محمد یوسف ٹینگ کے جن امتیازات کی نشاندہی کی جا سکی ہے ان کے مطابق وہ ایک معتبر مورخ، ماہر کشمیریات،تہذیب وثقافت کے شناور،مخطوطات کے نباض،مصوری اور نقاشی کے فن آشنا نامور محقق اور منفرد نقاد کی حیثیت سے ایک الگ ہی مقام رکھتے ہیں۔ اور محمد یوسف ٹینگ نے یہ مقام اپنے جن متنوع انفرادی امتیازات کی بنا پر حاصل

کیا ہے۔اُن کی تہہ میں علم وآگہی کے حصول کے تئیں اُن کا وہ جنون ہے جو کسی بھی دانشور،محقق اور ناقد کو غیر معمولی بنانے کے لیے ضروری ہے۔چنانچہ محمد یوسف ٹینگ اپنے آپ کو ڈھونڈنے اور پانے کے معاملے میں کبھی بھی بُہت زیادہ سنجیدہ اور عملی نہیں رہے۔اُن کی تلاش وجستجو اور ایک مقام سے سنجیدہ اور نتیجہ خیز غور وفکر کی ساری لہریں اور دائرے کتابوں کے لیے وقف رہے۔

محمد یوسف ٹینگ کے مقالوں کے اب تک دو مجموعے ہی شائع ہُوئے ہیں پہلا ''شناخت'' جو ۱۹۸۸ء میں منظر عام پر آیا اور دوسرا ''جستہ جستہ'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہُوا۔شناخت میں کل اٹھارہ مضامین شامل ہیں جب کہ جستہ جستہ میں بھی اتفاق سے اٹھارہ مضامین ہی شامل ہیں۔شناخت کے آخری صفحے پر دستور کے مطابق ''مصنف کی آنے والی کتابیں'' کے عنوان سے اُردو،کشمیری اور انگریزی کی چودہ کُتب کے نام دیے گئے ہیں۔اُن کے مقالوں کے دوسرے مجموعے'' جستہ جستہ'' میں بھی دستاویز،راش،ناگن،بیتونگل بال اور تسبیح کے نام سے کُتب کی اشاعت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹینگ نے پچھلے پچاس ساٹھ برسوں میں سینکڑوں کی تعداد میں مضامین، دیباچے، پیش لفظ اور تبصرے لکھے ہیں۔تحقیق وتنقید کے حوالے سے جائزہ لینے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے ہاں تین طرح کی تحریریں ملتی ہیں۔ خالص تحقیقی نوعیت کے مضامین،

خالص تنقیدی نوعیت کے مضامین اور تیسرے وہ مضامین جن میں تحقیق اور تنقید دونوں شامل ہیں۔

ٹینگ کی تنقیدی تحریروں میں منٹو کی افسانہ نگاری، رسا جاودانی، غنی کاشمیری حسرتؔ موہانی، عاشق اور مجاہد، کشمیری شاعری میں جدید رجحانات، چلمن سے چمن اور ابوالکلام آزاد ''شخصیت کے پیچھے شخص'' ایسے مضامین ہیں جھنیں تنقید کا اعتبار اور معیار کہا جاتا ہے۔ اُن کے بعض مضامین ایسے بھی ہیں جھنیں تحقیق و تنقید کی آمیزش نے نکھارا ہے۔ اس طرح کی تحریروں میں علامہ اقبالؔ اور محمد الدین فوقؔ، مرزا غالبؔ اور کشمیری ادب مہجور کی انسان دوستی، فیض احمد فیضؔ اور کشمیر وغیرہ اہم ہیں۔

بے شک یوسف ٹینگ کی ہمہ جہت شخصیت کا اہم پہلو اُن کی تنقید نگاری ہے ''منٹو کی افسانہ نگاری'' اُن کی تنقید نگاری کی ایک جیتی جاگتی مثال ہے. اُنہوں نے اس مضمون میں منٹو کے فن کا جائزہ بُہت ہی اچھے انداز سے لیا ہے۔ اُن کے اس جائزے کے ذکر کو بازیافت نے صرف دو جملوں سے اس طرح پیش کیا ہے

کہ افلاطون نے اپنی اکادمی کی ڈیوڑھی پر یہ کُتبہ آویزاں کر رکھا تھا۔

''اقلیدس سے ناواقفیت رکھنے والا کوئی شخص اندر نہ آئے'' [۱]

---

[۱] بازیافت شمارہ ۳۶۰ ۔ ۳۷ ۔ ۲۰۰۵ء ۔ ۲۰۰۶ء شُعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۶۳

ٹینگ کے دیگر تنقیدی مضامین کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اُن کے یہاں تنقید کے وہ تازہ روسے بھی سرگوشیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ جو رویے آج بھی اپنی ارتقائی صورتوں میں مابعد جدید تنقید کی ذیل میں آتے ہیں۔ پانچ رُکنی وہ ساخت جس میں متن، مصنف، قاری زمانہ اور زباں شامل ہیں اور جس کی بات آج کی ادب شناسی کے لیے ضروری قرار دی جاتی ہے ٹینگ نے بھی شعروادب کی قدر شناسی کے لیے ان ہی پانچ ارکان کو بُنیاد بنایا ہے۔

پروفیسر حامدی کاشمیری کی طرح ٹینگ بھی شعر میں الفاظ کے برتاؤ کی نوعیت کو شعر کی اہمیت و معنویت کی بُنیاد تصور کرتے ہیں۔ البتہ ان کے مضامین میں اس کا اظہار زیادہ تر بالواسطہ طور پر ہُوا ہے۔ ''رسا جاودانی'' سے متعلق اُن کے مقالے میں اس کی مثالیں موجود ہیں ۔ ٹینگ ایک بالغ النظر نقاد ہیں۔ بیک وقت اُردو اور کشمیری میں لکھتے ہیں اور اُردو ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ تحقیق و تنقید کے سلسلے میں ماقبل کی صف میں محمد الدین فوقؔ، محمد عمر نور الٰہی، نند لال کول طالبؔ، عبدالاحد آزاد عزیز احمد قریشی، محمد ابراہیم کے ساتھ ساتھ برج پریمی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر برج پریمی کے مشہور تحقیقی مقالے ''سعادت حسن منٹو۔ حیات اور کارنامے'' میں تنقیدی عناصر بھی ملتے ہیں۔ اُن کی جن کتب کو سراہا گیا اُن میں (۱) ذوق نظر (۲) جموں و کشمیر میں اُردو ادب

کی نشو ونما (۳) چند تحریریں (۴) منٹو کتھا (۵) حروف و جستجو (۶) جلوۂ صدرنگ (۷) مباحث قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تنقید پر ترقی پسند نظریے کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

اُردو ڈرامہ

اُردو ڈرامہ

ریاست جموں وکشمیر میں ڈرامے کی روایت بُہت پرانی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس کے ارتقا کا وہ تسلسل ہمارے ہاں باقی نہیں رہا۔ صرف اس صوبہ میں ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے شعبوں میں بھی ڈرامہ اسی صورت حال سے دوچار رہا۔ چنانچہ یہاں بھی ہمیں مغلوں کے زمانے سے ہی سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے ڈرامے کی وہی لوگ روایتیں پروان چڑھتی نظر آتی ہیں۔ جو ملک کے دوسرے حصوں میں فروغ پا رہی تھیں۔ آرٹ اور فنون لطیفہ کے مختلف میدانوں میں جو بھی پیش رفت کشمیر صوبہ میں رہی اُس کے اثرات صوبہ جموں میں بھی پڑتے رہے۔ اسی طرح باہر آنے والے جو اثرات جموں تک پہنچتے رہے وہ کسی نہ کسی صورت میں وادی تک (کشمیر) بھی پہنچتے رہے اور وہاں کی علمی وادبی اور سیاسی و سماجی زندگی کو مُتاثر ہوتے رہے۔

یہاں ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں خصوصاً دوسرے مہاراجہ رنبیر سنگھ اور تیسرے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی سرپرستی میں ایک بار پھر اس کو احیا ہُوا اور علم وادب کے ساتھ ہی ساتھ ڈرامے کے فروغ کے لیے بھی سرکاری سطح پر کوششیں کی گئیں۔ چونکہ ملک گیر پیمانے پر ناٹک کمپنیوں ڈرامے کی روایات کو آگے بڑھا رہی تھیں جس کا اثر

یہاں پر پڑا اور ڈوگرہ حکمران اس طرف متوجہ ہُوئے۔ جموں میں بھی ان ناٹک منڈلیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہُوا۔ یہاں اس سلسلے کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز سے ہُوا۔ آغا حشر کاشمیری اور دوسرے نامور ڈرامہ نگاروں کی جموں میں آمد نے جموں میں بھی اسٹیج کے ایسے فن کاروں کو پیدا کیا جنہوں نے ملکی سطح پر نہ صرف ادا کاری کے میدان میں نام کمایا بلکہ فلم کو بھی وہ وقار بخشا کہ آنے والی نسلیں انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکیں گی۔ ایسے فن کاروں اور اداکاروں میں رامانند ساگر، اوم پرکاش سُندر اور کے۔ ایل سہگل کا نام سرفہرست ہے۔ جموں میں ناٹک کمپنیوں کی آمد کی سلسلے میں پروفیسر عبدالقادر سروری یوں رقمطراز ہیں:

''یہ ایک معنی خیز بات ہے کہ اُردو میں ناٹک، ڈرامہ اور اسٹیج کے موضوع پر سب سے پہلی یادگار تصنیف ''ناٹک ساگر'' جموں کے ہی صاحب زوق اہل قلم محمد عمر اور نورالٰہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھی'' [۱]

ڈرامے کے سلسلے میں جب بھی یہاں کی تاریخ لکھی جائے گی اُس کا آغاز دو بلند قامت شخصیات سے ہوگا جنہیں دُنیا محمد عمر اور نورالٰہی کے نام سے جانتی ہے۔ آپ نے اُردو ادب کو صرف عالمی ڈرامے کے موضوع پر پہلی تاریخی و تنقیدی کتاب ''ناٹک ساگر'' کے نام سے شائع ہُوئی۔ اُردو میں ڈرامہ نگاری پر یہ پہلی

---

[۱] ۔ کشمیر میں اُردو (جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویج)، سری نگر ۱۹۸۲ء حصہ دوم ص ۲۵۸

کتاب ہے جو ۱۹۲۴ء میں لاہور سے شائع ہُوئی۔ محمد عمر اور نور الٰہی جو جموں کے رہنے والے تھے اور ڈرامہ اور اس کے اسٹیج سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کی اِس کوشش کو سراہتے ہُوئے ناٹک ساگر کے مقدمے میں پنڈت برجموہن دتا تریہ کیفی نے یوں لکھا ہے۔

''پچھلے دس سالوں میں جو مساعی ناٹک کو اُردو ادب کا ایک اہم جُز قرار دینے میں بروئے کار لائے گئے اُن میں میاں نور الٰہی اور صاحب زادہ محمد عُمر کسی سے کم نہیں '' [1]

اُن کی یہ کتاب بُہت جلد شہرت حاصل کر گئی اس کتاب میں جو اسلوب نگارش ہے وہ صاف، سیدھا اور عام فہم ہے محمد عمر نے ''ناٹک کتھا'' بھی لکھی ہے اس میں قدیم ہندوستانی ڈرامے جمع کیے گئے ہیں۔ محمد عمر چوں کہ مہاراجہ کی طرف سے کی گئی ڈرامیٹک کلب ڈائریکٹر اور ایکٹر بھی تھے اس لیے انہیں ڈرامے کے فن سے کما حقہ واقفیت تھی جن کا ثبوت اُن کے تخلیق کردہ ڈراموں سے ملتا ہے۔

محمد عمر اور نور الٰہی جیسا کہ ظاہر ہے کہ دو نام ہیں اُنہوں نے جتنی کتابیں لکھیں اُن پر مصنف کے طور پر دونوں کے نام موجود ہیں۔ نور الٰہی کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہُوا اور اُن کے انتقال کے بعد بھی صاجزادہ محمد عُمر نے جو لکھا اس میں مصنف کے

---

[1] ۔ ناٹک ساگر ص ۸

طور پر نور الٰہی کا نام بھی ساتھ رکھا۔

محمد عمر اور نور الٰہی نے مشترکہ طور پر ڈرامے بھی تخلیق کرتے تھے اور ریاست کے اولین سرکاری تھیٹر رام لیلا ناٹک کلب جس کا نام بعد میں بدل کر امیچور ڈرامیٹک کلب رکھا گیا تھا۔ اور جس کی قیادت خود صاحب زادہ محمد عمر کر رہے تھے، کی وساطت پیش کرائے۔ اُن کے ڈرامے ریاست میں سری نگر اور جموں میں پیش کیے جاتے تھے۔ سری نگر میں اُن کے ڈرامے بسنت باغ میں اور جموں میں مندر دیوان جوالا سہائے میں پیش کیے جاتے۔

محمد عمر نور الٰہی صاحبان کے تخلیق و تالیف کیے ہُوئے ڈرامے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تین ٹوپیاں۔ یہ اُن کا مزاحیہ ڈراموں کا مجموعہ ہے جو فرانسیسی زبان سے ماخوذ ہے۔

(۲) بگڑے دل۔ یہ بھی ایک فرانسیسی ڈرامے کا ترجمہ ہے۔

(۳) ظفر کی موت۔ یہ ڈرامے "A Sister Love" کا ترجمہ ہے اس کا موضوع موت کے خلاف انسانی کش مکش ہے۔

(۴) قزّاق۔ شلر کے ڈرامے کا ہندوستانی روپ

(۵) اسکندر۔

(۶) موجودہ لندن کے اسرار۔لندن میں ہونے والے خُفیہ جرائم سے مُتعلق

(۷) پہلی پیشی۔مختصر ڈراما ہے جو مارچ ۱۹۲۹ء میں ہمایوں لاہور میں شائع ہُوا

(۸) روح سیاست۔ابراہیم لنکن کی زندگی سے مُتعلق

(۹) خواب پریشان۔سویڈن کے ڈرامہ نگار سوسیوسٹارین برگ کے فلسفیانہ ڈرامے کا ترجمہ

(۱۰) جان ظرافت۔مولیر،لیسنگ اور مرزا جعفر ایرانی کے ڈراموں کا ملا جُلا روپ

(۱۱) ڈرامے چند۔سات ڈراموں کا مجموعہ

(۱۲) بور کے لڈّو۔ مزاحیہ ڈرامے

(۱۳) مدرارا کھشش۔ سنسکرت ڈرامے کا ترجمہ

(۱۴) مرچھ کٹیکا۔ سنکرٹ ڈرامے کا ترجمہ

(۱۵) ہمہ خاں دان آفتاب۔ ریڈیو ڈرامہ

(۱۶) آ بیل مجھے مار ۔ ریڈیو ڈرامہ

ان مشترکہ طور پر لکھے گئے ڈراموں کے علاوہ میاں نورالٰہی نے ''مدھم پنچم'' کے عنوان سے اُردو ڈرموں کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا۔ڈراموں کے اس مجموعے میں سبھی ڈرامے مزاحیہ ہیں۔

ارسطو نے بوطیقا میں ڈرامے کے جن فنی اصولوں پر زور دیا ہے اِن سب اصولوں کو محمد عمر نور الہیٰ نے پورا کیا۔ ان اصولوں کی اُنہوں نے مکمل طور پر پیروی کی ہے فنی اصولوں کی تقلید کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ ڈرامے کے فن سے پوری طرح واقف تھے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے اُن کے ڈراموں سے متعلق پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

''محمد عمر اور اُن کے ساتھ نور الہٰی نے زبان اور اسلوب میں جو نئی روش اختیار کی تھی وہ اُردو کے اسالیب میں ایک پسندیدہ رُجحان کی رہبری کرتی ہے۔ ہندی کے آسان اور مزاح کے موافق لفظوں کو اپنی تحریروں میں جگہ دے کر اُنہوں نے ایک نئے اسلوب کی بُنیاد رکھنے کی کوشش کی تھی'' [1]

محمد عمر سے گیارہ سال پانچ مہینے سولہ دن پہلے یعنی ۱۹۳۵ء میں نور الہٰی کا انتقال ہُوا۔ اِس جوڑی کی شروع کی ہُوئی اُردو ڈرامے کی روایت کو ملک کی آزادی سے قبل کچھ اور ادیبوں نے جموں صوبے میں ترقی دی اُن میں جگدیش کنول اطہر عسکری، عزیز کاش، نرگس اور ایم اے عزیز کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ جگدیش کنول کا ڈرامہ '' پردے کے پیچھے'' اطہر عسکری کا '' چار سو بیس''

---

[1] کشمیر میں اُردو پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۴۷۵

نرسنگ داس کا ''تعارف''ایم اے عزیز کا ''نوشتۂ تقدیر'' یہ سب ڈرامے آزادی سے قبل لکھے گئے۔ان سب ڈراموں کا تعلق اسٹیج سے رہا ہے۔ان ڈراموں کے بعدان ڈراما نگاری کا نام شہرت کا باعث بنا۔

۱۹۴۶ء میں محمد عمر کا انتقال ہُوا لہٰذا اس جوڑی کے اس دُنیا فانی سے کوچ کرنے کے بعد اُردو ڈرامے کو ترقی دینے کا کام اُن لوگوں نے کیا جو تقسیم وطن کے بعد اس میدان میں اُترے۔اور اُن میں کرشن چندر، ٹھاکر پونچھی، پشکر ناتھ رام کمار ابرول، لیفٹیننٹ سکھدیو سنگھ، نرہری لالے زادہ، زیڈ سیمی، وجے سوسن، وجے سوری، جتندر شرما، دہنو بھائی پنت، ویدراہی اور شبنم قیوم قابل ذکر ہیں۔

حبیب کیفوی جو ۱۹۱۰ء میں خطہ جموں میں پیدا ہُوئے۔بچپن میں ہی شعر و شاعری کی طرف مائل ہوگئے۔قیام جموں کے دوران صاحب زادہ محمد عمر نے حبیب کیفوی کو نثر کی طرف مائل کیا اور وہ شگفتہ نثر میں تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھتے رہے۔حبیب کیفوی نے ایک ڈرامہ نگار کی حیثیت سے بھی شہرت پائی چنانچہ پاکستان کے متعدد ریڈیو اسٹیشنوں سے اُن کے ڈرامے اور فیچر براڈ کاسٹ ہوتے رہے۔فرض اور کوٹ، تحفے، بلی کے بچے، باغیچہ، کولمبس، اشرفی مہمان خاص اُن کے اہم ڈرامے اور فیچر ہیں۔

کرشن چندر نے افسانوں اور ناولوں کے علاوہ ڈرامے بھی لکھے اور ڈرامائی ڈرامے بھی نشر ہوتے رہے۔مگر ڈرامے کی صف کی جانب اُن کی شمولیت

کو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مُہنہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے اس طرف اپنا رُخ کیا۔ اُن کے ڈراموں کے دو مجموعے شائع ہُوئے ۔ ''دروازہ'' جو اُن کے ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے جس میں چھ ڈرامے ہیں۔ جن کے عنوانات اس طرح ہیں (۱) دروازہ (۲) حجامت (۳) بے کاری (۴) نیل کنٹھ (۵) سرائے کے باہر (۶) قاہرہ کی ایک شام۔ اُن کے ڈراموں کا یہ پہلا مجموعہ ۱۹۴۲ء سے قبل ہی منظر عام پر آیا۔ ''دروازہ کھول دو'' کرشن چندر کے ڈراموں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ یہ ایک طنزیہ ڈرامہ جو قومی یکجہتی پر منحصر ہے۔

ٹھاکر پونچھی کا جنم ۱۹۲۲ء میں پونچھ میں محلّہ جرنیلاں میں ہُوا۔ پونچھ میں کرشنا ڈرامیٹک کلب کی بُنیاد اُنہوں نے ہی ڈالی اور اس کلب کی ثقافتی سرگرمیوں کے دوران اُنہوں نے تین ڈرامے اسٹیج کیے جن کی تفصیل اس طرح سے ہے

(۱) شاردا (۲) چترلیکھا (۳) سکندر

پشکر ناتھ کا جنم ۱۹۳۲ء میں سری نگر میں ہُوا۔ مگر زندگی بھر وہ جموں رہے اُن کی ساری زندگی جموں میں گذری۔ اس طرح پُشکر ناتھ جموں ہی کے ہو کر رہ گئے ۔ اُن کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۳ء میں اُن کی پہلی کہانی ''کہانی ادھوری رہی'' سے ہُوا۔ اُن کی یہ کہانی بیسویں صدی میں چھپی افسانوں کے کئی مجموعوں کے علاوہ اُنہوں نے اُردو میں تین سو سے زائد ڈرامے لکھے

ریڈیائی ڈرامے بھی لکھے جو متعدد ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہُوئے۔

آپ کا پہلا ڈرامہ ''چندر مکھی'' دہلی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہُوا۔اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور آپ کے کئی ڈرامے ملک کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے یکے بعد دیگر نشر ہوتے رہے۔اُنہوں نے ریڈیو کے لیے ایک ڈرامہ ''ساون جلے بھادوں جلے'' لکھا جس پر آکاش وانی نے اُنھیں انعام دیا''دلِ کی وادیاں'' بھی اُن کا ایک بہترین ڈرامہ ہے اس ڈرامے پر پشکرناتھ کو آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے منعقد کیے گئے ڈراموں کے مقابلے میں پہلے انعام سے نوازا گیا۔ ''ایک لکیر درد کی'' بھی اُن کا ایک بہترین ڈرامہ ہے اس ڈرامے پر بھی اُنھیں آکاش وانی کے سالانہ مقابلے میں انعام سے نوازا گیا۔اُن کے ڈراموں میں کردار نگاری خوب ہے۔شروع سے لے کر آخر تک ڈراموں میں واقعات ایک دوسرے سے جُڑے ہُوئے ہیں۔زبان و بیان کے مرحلے بھی کامیابی کے ساتھ طے کرتے ہیں۔اُن کے ڈراموں میں پلاٹ کی ترتیب اس طرح سے عمل میں آتی ہے کہ ہر منظر انکشافاتی بن جاتا ہے۔اور ہر منظر میں معلومات حاصل ہونے کے علاوہ مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

جموں کے ڈرامہ نگاروں میں رام کمار ابرول کا نام بھی آتا ہے''زندگی اور موت'' آپ کے ڈراموں کا مجموعہ ہے جس میں چار ڈرامے شامل ہیں۔ان کے

عنوانات اس طرح ہیں: (۱) دوراہا (۲) ایک قبر دو آنسو (۳) سمادھی کی مٹی (۴) زندگی اور موت۔ چار ڈراموں پر مشتمل یہ مجموعہ ۱۹۴۶ء میں نئی دہلی سے شائع ہُوا۔ اُن کے ڈراموں کا دوسرا مجموعہ ''دھرتی اور ہم'' ۱۹۵۹ء جب کہ تیسرا مجموعہ ۱۹۶۵ء میں ''انسان جیت گیا'' کے عنوان سے شائع ہُوا۔

آزادی کے بعد ڈرامہ کو جن ادیبوں نے آگے بڑھانے کی کوشش کی اُن میں کچھ ادیب ایسے بھی ہیں جو پہلے تو اُردو میں ڈرامے لکھتے تھے مگر بعد میں اُنہوں نے دوسری زبانوں کا دامن پکڑ لیا اُن میں ٹھاکر پونچھی، لیفٹیننٹ سُکھ دیو سنگھ، نرہری لادے زادہ، زیڈ سیمی، وجے سوسن، وجے سوری، جتندر شرما، دہنو بھائی پنت، ویدراہی اور شبنم قیوم کے نام لیے جاسکتے ہیں ۔ نرہری لادے کا ڈرامہ ''پرانے دیپ نئے اُجالے'' زیڈ سیمی کا ''جہانگیر کی موت'' وجے سوسن کا ''رنگمان'' دہنو بھائی پنت کا ''سورگ کی کھوج'' قابل ذکر ہیں۔

ویدراہی اور دہنو بھائی پنت اُردو سے ڈوگری کی طرف چلے گئے۔ ٹھاکر پونچھی نے اپنے افسانوں اور ناولوں کو ڈراما کا روپ دے کے پیش کیا۔ نرہری لادے زادہ نے ریڈیو کشمیر جموں کو اپنے ڈرامے دیے۔ اس اسٹیشن سے اُن کے ڈرامے نشر ہوتے رہے۔ جموں میں اُردو ڈرامہ کو فروغ دینے میں ریڈیو جموں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

اُردو ناول

اُردو ناول

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ناول کے مقابلہ میں مختصر افسانہ کی تاریخ زیادہ روشن ہے۔ ناول نہ لکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی ہے کہ ریاست سے کوئی بھی اخبار شائع نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے ہندوستان کے بیشتر ناول نگاروں کے ناول عرصہ دراز تک اخبارات اور رسائل میں قسط وار چھپتے رہتے۔ ان ناول نگاروں میں منشی پریم چند، رتن ناتھ سرشارؔ، عبدالحلیم شررؔ، کرشن چندر، کشمیری لال ذاکرؔ، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی کے اسما گرامی فخر سے لیے جا سکتے ہیں منشی پریم چند کا پہلا ناول ''اسرار معابد'' بنارس کے ایک ہفت روزہ اخبار ''آوازۂ خلق'' میں تقریباً چار ماہ تک متواتر قسط وار اس اخبار کی زینت کو دوبالا کرتا رہا۔ اور اس کے علاوہ اودھ اخبار، اودھ پنچ، دل گداز، شاعر، آج کل، بیسویں صدی، نقوش، شاہراہ اور افکار جیسے اخبارات اور رسائل میں کتنے ہی ناول کتابی صورت میں آنے سے قبل قسط وار چھپتے رہے۔ لیکن ہمارے جموں صوبہ میں اس صنف کی جانب فن کاروں نے اُس وقت توجہ دی جب ''رنبیر'' نے ۲۴ جون ۱۹۲۴ء کو جنم لیا۔ لالہ ملک راج ضراف کی عرصہ دراز کی کوششوں اور کاوشوں کے سبب رنبیر شائع ہُوا۔ گویا رنبیر صرف صوبہ جموں سے شائع

ہونے والا پہلا اخبار نہیں تھا بلکہ ریاست بھر میں اس اخبار کو پہلے اخبار کا شرف حاصل ہے ہندوستان کی آزادی سے پہلے ناول کی صنف سے تعلق رکھنے والوں میں پنڈت سالگرام سالکؔ، منشی محمد الدین فوقؔ، پریم ناتھ پردیسیؔ، رامانند ساگر، وشوا ناتھ درماہ، موہن لال مارواہ، اور شنبھو ناتھ ناظرؔ قابلِ ذکر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوبہ جموں میں اُردو ناول کی ابتدائی کوششیں اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں کی گئیں۔ پنڈت سالک رام سالکؔ اور منشی محمد الدین فوقؔ کا نام اس ضمن میں عزت و احترام سے لیا جاسکتا ہے۔ ان حضرات کی ابتدائی کوششوں میں ڈاکٹر برج پریمی یوں رقم طراز ہیں۔

''اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں سب سے پہلے ناول نگاری کی شروعات پنڈت سلگرام سالکؔ اور مولوی محمد الدین فوقؔ نے کی........'' [۱]

پنڈت سالگرام سالکؔ کی دو تصانیف جن میں ''داستان جگت روپ'' اور تحفہ سالک''، جن کو قطعی طور پر ناول کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن اُن کی طرف سے ناول کی جانب یہ پہلا قدم تھا اس لحاظ سے جب بھی جموں و کشمیر ریاست میں ناول کی شروعات کا ذکر کیا جاتا ہے تو سالکؔ کی ان تصانیف کا ذکر

۱۔ جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۴۰

ضرور کیا جاتا ہے۔ان میں قصے کی مہک ہے۔داستان جگت روپ ناول سے زیادہ ایک داستان ہے۔فوقؔ الفطری عناصر کی کارفرمائی اور پلاٹ در پلاٹ کی تکنیک نے اِسے داستان بنا دیا۔سالکؔ نے اُردو نثر میں یہ ایک نیا کارنامہ انجام دیا۔اس سے قبل اُردو نثر میں یہاں اس طرح کا کوئی بھی کارنامہ نظر نہیں آتا۔ان کی دوسری تصنیف ''تحفہ سالک'' ہے جو ڈپٹی نذیر احمد کے ناول مراۃ العروس کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔جس میں قصّے کے پیرائے میں مختلف ممالک کے سمندری سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔جیسے سند باد اپنے سفر کی روداد سُنا رہا ہو۔

منشی محمد الدین فوقؔ کی لگ بھگ سو تصانیف ہیں۔ان تصانیف میں اُن کے نثری لارنامے بھی شامل ہیں۔اور نثری کارناموں میں بُہت سے تاریخی اور نیم تاریخی قصے ہیں اور پھر ان میں سے بعض قصوں پر ناول نگاری کا اطلاق کیا گیا ہے۔اور پھر فوقؔ مرحوم نے بھی خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ فوقؔ کے ناولوں میں اکبر، انارکلی، ناکام، ناصح مشفق، غریب الدیار ،نیم حکیم قابل ذکر ہیں ۔فوقؔ کے جن بعض قصوں پر ناول نگاری کا اطلاق کیا گیا ہے اُن میں اکبر اور انارکلی دو تاریخی قصے ہیں۔اس لحاظ سے اکبر اور انارکلی کا یعنی ان دو قصوں کو بیسویں صدی کے اولین ناول کہہ سکتے ہیں یہ دونوں اُردو میں لکھے گئے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اکبر اور انارکلی دو تاریخی قصے ہیں مگر اسکے باوجود

''انارکلی'' ایک تاریخی ناول کی حیثیت رکھتا ہے اور ''اکبر'' تاریخی ناولوں میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

پنڈت سالگرام سالکؔ اور مُنشی محمد الدین فوقؔ کے بعد پنڈت نندلال در بے غرضؔ نے ناول جیسی صنف کی طرف دھیان دیا۔ بے غرضؔ کا ناول لکھا جس کا نام ''تازیانہ عبرت'' تھا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناول ''فسانہ آزاد'' کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ اُن کے اس ناول میں شروع سے آخر تک فسانہ آزاد ہی کی داستانی فضا کی چھاپ ہے۔

ان حضرات کے علاوہ پریم ناتھ پردیسی، راما نند ساگرؔ، وشوا ناتھ درماہ، موہن لال مارواہ اور شمبھو ناتھ ناظرؔ کا نام ناول نگاری میں لیا جا سکتا ہے۔ پریم ناتھ پردیسی نے آزادی سے قبل ہی ناول نگاری کی طرف توجہ کی۔ ''پوتی'' کے نام سے اُنھوں نے ایک ناول لکھا۔ اُن کا یہ ناول قومی کُتب خانہ لاہور سے شائع ہُوا مگر تقسیم وطن کے دوران اُن کا یہ ناول تلف ہو گیا۔

راما نند ساگرؔ ایک نامور فلم ساز اور فکشن رائیٹر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں کا نام بھی اس دور کے ناول نگاروں کی فہرست میں لیا جا سکتا ہے۔ اُنھوں نے ''فساد اور امن'' کے عنوان سے ایک ناول ہنگامی موضوع پر لکھا۔ جو فرقہ وارانہ فسادات کی بنیادوں پر لکھا گیا۔ یہ اُن کا پہلا ناول تھا۔ اُن کا دوسرا ناول

''اور انسان مر گیا ہے'' یہ ناول بھی فسادات کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس دور کا یہ اہم ناول ہے۔

''رنبیر'' میں جن ناول نگاروں کے ناول قسط وار چھپے اُن میں وشوا ناتھ در ماہ موہن لال مارواہ اور شنبھو ناتھ ناظرؔ کے نام سر فہرست ہیں۔

صوبہ جموں میں جب یہ کام ہو رہا تھا تو اسی دوران کشمیر صوبہ سے بھی کئی ناول نگار اُبھر کر سامنے آئے۔ ایک نوجوان کاشی ناتھ ترچھل خوشتر نے ایک ناول لکھا۔ اس ناول کا نام ''گوری شنگر'' تھا۔ اُن کے اس ناول میں مبتدیانہ خامیاں تو ضرور تھیں لیکن ان خامیاں کے باوجود اُن کی اسی کوشش کو ادبی حلقوں میں سراہا جاتا رہا ہے۔

تقسیم وطن کے بعد ناول لکھنے والوں میں نرسنگھ داس نرگسؔ، ٹھاکر پونچھی، کرشن چندر، تیج بہادر بھان، حامد کاشمیری، نور شاہ، علی محمد لون، غلام رسول سنتوشؔ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ نرگسؔ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شہروں میں نہیں بلکہ دیہاتوں میں گزارا اس لحاظ سے اُن کے ناولوں میں دیہاتوں کے مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ وہ اندھ وشواس کے بالکل خلاف تھے۔ اسی بنا پر اُنہوں نے اپنے ناولوں کے کردار ایسے رکھے ہیں۔ جو سماج میں پائی جانے والی بدعتوں اور رسم و رواج پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اس کے

خلاف آواز بلند کرتے ہیں اسی دور کو پیش کرتے ہُوئے وہ اپنے ناولوں میں اصلاحی مقصد پیش کرتے ہیں۔اُنہوں نے کئی ناول لکھے مگر اُن کے اچھے ناولوں میں ''نرملا'' اور پاربتی'' قابل ذکر ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ صنف ناول کی طرف آزادی کے بعد ہی ریاست جموں وکشمیر میں خاص توجہ دی گئی ۔فکشن میں آزادی کے بعد اپنے ایک قسم کی خاص توجہ دینے کے سلسلے میں ڈاکٹر نصرت چودھری اپنے ایک مضمون میں اسی طرح رقمطراز ہیں۔

''فکشن میں ۱۹۴۷ء کے بعد ہی افسانہ اور ناول کی طرف توجہ دی گئی ناول اور افسانے کے میدان میں علی محمد لون، غلام رسول سنتوش، حامدی کاشمیری،ظہورالدین،نور شاہ،پُشکر ناتھ،عُمر مجید،خالد حسین، آنندلہر، وریندر پٹواری، دیپک بُدکی،اور جان محمد آزاد نے کئی ناول اورافسانے لکھے۔ان سے پہلے تیج بہادر، ٹھاکر پونچھی، پریم ناتھ پردیسی اور پریم ناتھ در نے نمایاں کام کیا ''[۱]

کشمیری لال ذاکر نے ایک کے بعد ایک کئی ناول تخلیق کیے۔ذاکر نے ایک بُہت ہی چھوٹے ناولٹ ''سیندور کی راکھ'' سے ناول نگاری کے میدان میں اپنا قدم

---

[۱]۔ بازیافت جشن زرین نمبر ۲۰۰۸ شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۲۵

رکھا اس کے بعد کئی ناول لکھے ان کے اہم ناولوں میں سمندر صلیب اور وہ، انگوٹھے کا نشان، کرماں والی، دھرتی سدا سُہاگن، لمحوں میں بکھری زندگی، (اُن کی پونچھ کی زندگی کے پس منظر لکھا گیا ہے۔ یہ اُن کا سوانحی ناول ہے) خون پھر خون ہے۔ ڈوبتے سورج کی کتھا، جاتی ہوئی رُت، چار میل لمبی سڑک، میں اسے پہچانتی ہُوں، قابل ذکر ہیں ۔ ذاکر کے ناولوں میں عجیب وغریب موضوعات کا احساس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے ناول ''ڈوبتے سورج کی کتھا'' میں اُنہوں نے ڈھلتی ہُوئی عمر کا نقشہ کھینچا ہے اُن کا یہ ناول اُردو ادب میں اس لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اُن کا ناول ''خون پھر خون ہے'' اُردو کا واحد ناول ہے جو ایمرجنسی کے دوران ہی ایمرجنسی پر لکھا گیا ہے۔ اُنہوں نے اپنے ناول ''کرماں والی'' میں ایک مسلمان عورت کی کہانی بیان کی ہے۔ جس کا بچہ سکھ گرنتھی کے ہاتھوں پلتا ہے اس پر خواجہ احمد عباس نے تبصرہ کرتے ہوں یوں لکھا ہے۔

''گذشتہ دس سالوں میں ایسا ناول نہیں لکھا گیا۔''[۱]

اس لحاظ سے کشمیری لال ذاکر سے متعلق یہ کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ اُنہوں نے ناول نگاری کے فن ہی سے اپنی پہچان کروائی۔ بے شک اُن کے

---

[۱] جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۴۶

شاہکار ناولوں نے اُنھیں آج تک زندہ رکھا ہے۔

ٹھاکر پُونچھی، جو کشمیری لال ذاکرؔ کے ہم عصروں میں شمار ہوتے ہیں کافی افسانے لکھے اور کسی وقت افسانوں کی خاطر کافی مشہور و مصروف تھے لیکن اُن کی شہرت کا باعث اُن کے ناول ہیں۔ اُردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔ اُن کے ناولوں میں ترقی پسندی کے رجحانات کار فرما ہیں۔ اُن کے بہترین ناولوں میں وادیاں اور ویرانے، یادوں کے کھنڈر، اب میں وہاں نہیں رہتا، رات کے گھونگھٹ، شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک، ڈیڈی پیاسے بادل، زُلف کے سر ہونے تک، چاندنی کے سائے جیسے ناول ہیں۔ اُنہوں نے ملک کی آزادی سے پہلے ہی لکھنا شروع کیا تھا مگر آزادی کے بعد اُن کی شہرت ہُوئی۔

ریاست جموں و کشمیر میں ۱۹۶۰ء کے بعد فکشن کی طرف خاص توجہ دی جانے لگی۔ کافی قلم کاروں نے افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی طرف توجہ دی۔ ان میں تیج بہادر بھان، غلام رسول سنتوشؔ، علی محمد لون، پروفیسر حامد کاشمیری، نور شاہ، مدن موہن شرما۔ مالک رام آنند، صوفی محی الدین، آنند لہر، بھوشن لال بھوشن، وجے سوری، جان محمد آزاد وغیرہ نے ناول کے اس سفر کو آگے بڑھایا۔

تیج بہادر بھان نے ''سیلاب اور قطرے'' کے عنوان سے ناول لکھا۔ اس ناول میں اُنہوں نے جھیل وُلر کے پس منظر میں ایک غریب خاندان سے

تعلق رکھنے والے انسان کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے جو سنگھاڑے جمع کرتا ہے۔اس ناول کا بُنیادی موضوع افلاس اور استحصال کی ماری ہُوئی انسانی زندگی ہے۔ اس ناول میں تیج کا انداز کہیں پر بھی نہیں ڈگمگاتا۔

غلام رسول سنتوشؔ جو بُنیادی طور پر ایک مصور ہیں۔کشمیری اور اُردو میں شعر بھی کہتے رہے اُردو میں چند کہانیاں بھی لکھیں ان کے ساتھ ساتھ سنتوشؔ نے اُردو میں ایک ناول بھی لکھا ہے جس کا نام ''سمندر پیاسا ہے'' ہے اس ناول میں اُنہوں نے انسان کے اندر چُھپی ہُوئی حیوانیت کو بے نقاب کیا ہے۔ اُنہوں نے صرف ایک ہی ناول لکھا لیکن ''سمندر پیاسا ہے'' کا شمار ریاست کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے۔

ریاست کے ناول نگاروں کی صف میں علی محمد لون کا نام بھی آتا ہے اُنہوں نے کہانیاں ڈرامے اور افسانے بھی لکھے ہیں بحیثیت افسانہ نگار وہ اُردو دُنیا میں معروف ہیں۔اُنہوں نے ناول نگاری کی طرف بھی توجہ دی۔ اُن کے باریک مشاہدے اور زبان و بیان کے پُختگی سے متعلق پروفیسر حامدی کاشمیری یوں رقمطراز ہیں

''علی محمد لون نے کئی اچھی کہانیاں اُردو میں لکھی ہیں۔اُن کا ایک ناول ''جہاں میں رہتا ہوں'' اُن کے باریک مشاہدے اور زبان

وبیان کی پختگی کا مظہر ہے'' [1]

اُنہوں نے ایک اور ناول بھی لکھا جس کا عنوان ''شاید ہے آرزو تیری'' ہے۔

سنتوش اور علی محمد لون کے ساتھ پروفیسر حامدی کاشمیری کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے اُنہوں نے ''پرچھائیوں کا شہر'' ایک ناولٹ لکھا جو کہ اُن کے تخلیقی سفر کا ایک اہم موڑ ہے۔ یہ ناولٹ فکشن میں اُن کا بُہت قابل قدر تجربہ ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے ناول نگار نور شاہ ہیں۔اُن کے ناول ''پائل کے زخم'' اور ''نیلی جھیل کالے سائے'' ہیں۔'' ایک منزل چار راستے'' مدن موہن شرما کا ناول ہے۔مالک رام آنند نے ''دہکتے پھول شبنم آنکھیں'' ''اپنے وطن میں اجنبی'' اور نئے دل پرانے سال'' جیسے ناول لکھے ان کے ناول ''اپنے وطن میں اجنبی'' میں شعور کی رو کی تکنیک کا التزام کیا گیا ہے۔''خوابوں کے قافلے'' اور رات اور زُلف'' کرن کاشمیری کے ناول ہیں۔صوفی محی الدین نے ''بکھر گئے سب تنکے'' ناول لکھا۔فاروق ریبز و نے ''زخموں کی سالگرہ'' جیسا ناول لکھا۔ '' کش مکش'' ''تماشا'' اور ''نیا سفر'' ڈی کے کنول کے ناول ہیں۔شبنم قیوم نے ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' چراغ کا اندھیرا ''پرانی ڈگر نئے قدم'' جس دیس میں جہلم بہتی ہے'' جیسے ناول آنند لہر نے ''تپسوی کون'' جان محمد آزاد نے ''وادیاں بلا رہی ہیں''

---

[1] ۔ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ادب حامدی کاشمیری ص ۸۵

''کشمیر جاگ اُٹھا'' بھوشن لال بھوشن نے'' صرف پانچ ہزار'' وجے سوری نے
'' ایک ناؤ کاغذ کی'' جیسے ناول لکھے۔

پُشکر ناتھ نے''دشت تمنا'' کے نام سے ایک ناول لکھا مگر اُن کا پہلا عشق افسانہ تھا لہٰذا اس میدان میں اُنہوں نے کافی اچھے تجربے کیے۔

کرشن چندر جو بُنیادی طور پر افسانہ نگار تھے۔ افسانوں کے متعدد مجموعے ہیں۔ افسانوں کے علاوہ اُنہوں نے ناول بھی لکھے۔ کرشن چندر نے جس دور میں ادب کی خدمات انجام دینا شروع کیں اُس دور (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۴۵ء) کو پونچھ میں اُردو ادب کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اُنہوں نے افسانے، کہانیوں کے مجموعے اور ڈراموں کے علاوہ ناول بھی لکھے'' شکست'' اُن کا پہلا ناول ہے۔ اُن کا یہ ناول بُہت مشہور ہے۔ جو اُن کی نئی کیفیتوں، نئی معنویتوں اور نئی تعبیروں کا ترجمان ناول ہے۔ اُنہوں نے کئی ناول لکھے۔ اُن کے اہم ناولوں میں دل کی وادیاں سوگئیں، آسمان روشن ہے۔ باون پتے ، ایک گدھے کی سرگذشت، ایک عورت ہزار دیوانے، غدار، سڑک واپس جاتی ہے، دادر پل کے بچے، برف کے پھول، میری یادوں کے چنار، گدھے کی واپسی، چاند کے گھاؤ، ایک گدھا نیفا میں، ہانگ کانگ کی حسینہ، پہلگام کا بدنام، سونے سنسار، زرگاؤں کی رانی، جب کھیت جاگے، لندن کے سات رنگ وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ جنہوں نے اُردو ناول

کو مالا مال کیا۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جموں میں اُردو ناول کا سرمایہ مقدار کے اعتبار سے کم ہے لیکن معیار سے قابل توجہ ہے۔

اُردو افسانہ

اُردو افسانہ

جموں میں افسانہ کے ابتدائی نقوش اس خطے سے شائع ہونے والے اُردو اخبار ''رنبیر'' میں ملتے ہیں۔ ''بزمِ سُخن'' جموں کی ادبی سرگرمیوں کی سلسلہ وار جورودادیں ۱۹۲۴ء کے بعد اس اخبار میں شائع ہوتی رہی ہیں ،اُن سے اس بات کا یقین ہوجاتا ہے۔ کہ ادب کی دوسری اصناف کے ساتھ ہی فکشن کی تخلیق کا سلسلہ بھی جاری تھا تاہم مجموعی طور پر فکشن کی سرگرمیاں بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں یہاں سامنے آنا شروع ہُوئیں۔ جموں صوبہ میں پہلا اُردو افسانہ باقاعدہ طور پر ہمیں ''رنبیر'' اخبار کے کالموں کے ذریعے ہی ''سیرِ ہستی'' کے عنوان کے تحت ملتا ہے۔ جس کا مُصنف کرشن چندر، مولانا آزاد کے انداز بیان سے متاثر نظر آتا ہے ۱۹۳۶ء کے بعد ملک بھر میں ترقی پسند تحریک نے فروغ پایا۔ اوراس صوبہ میں اس کا اثر براہ راست پڑا۔ جس کے نتیجے میں اُردو افسانہ اور ناول نے یہاں خاصی ترقی کی۔ اُردو افسانہ کو پروان چڑھانے والوں میں محمد عمر نورالٰہی ، ٹھاکر پونچھی ، نرسنگھ داس نرگسؔ ،موہن یاور ، سُدرش ، فیض صدیقی راجوری ، پرکاش بخشی ، پروفیسر محمود ہاشمی ، جگدیش کنول ، عشرت کاشمیری ، اظہر عسکری ، عزیز پرکاش کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ترقی پسند افسانہ نگاروں نے سیاسی ، سماجی اور مذہبی سطحوں پر سماج کو صحت مند ادبی تخلیقات دینے کی کوشش جاری رکھیں۔ مگر تقسیم وطن

کے بعد فرقہ وارانہ فسادات کے سبب اُردو کے ادبی ماحول کو زبردست دھکا لگا۔ مگر ۵۵۔۱۹۵۰ء کے آس پاس ہی دوبارہ اپنا تخلیقی سفر شروع کیا۔ ٹھاکر پونچھی نے ''زندگی کے موڑ پر'' موہن یاور نے ''وسکی کی بوتل'' اور ''تیسری آنکھ'' جیسے افسانوی مجموعے دیے۔ محمد الدین فوقؔ نے کئی تاریخی اور نیم تاریخی قصے قلم بند کیے جن کو یہاں اُردو افسانے کے اولین نقوش کہہ سکتے ہیں دراصل فوقؔ نے ہی جموں میں افسانہ نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ فوقؔ کی اس کوشش کا ذکر کرتے ہُوئے برج پریمی رقمطراز ہیں۔

''ریاست میں اُردو فکشن کی طرف فوقؔ نے ہی سب سے پہلے توجہ دلائی اگر یہ کہا جائے کہ کشمیر میں باضابطہ طور پر اُنہوں نے اُردو فکشن کی طرح ڈالی تو بے جا نہیں ہوگا۔ '' ا؎

فوقؔ کے اُن تاریخی اور نیم تاریخی قصوں کو اُردو فکشن کے اولین نقوش کہہ سکتے ہیں جو اکثر وہ تحریر کرتے۔ اور وہ اُن کے طبع زاد قصے ہوتے اور اُن قصوں میں کہانی کا بُنیادی کینڈا کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملتا ہے۔

چراغ حسن حسرتؔ نے صحافت میں غیر معمولی شہرت حاص کی لیکن انھوں افسانے بھی لکھے ۱۹۲۷ء میں اُن کے افسانوں کا مجموعہ ''کیلے کا چھلکا'' کے نام سے لاہور سے شائع ہُوا۔

ا؎۔ جموں و کشمیر میں اُردو کی نشو و نما برج پریمی ص ۱۵۱

ملک کی آزادی سے قبل یہاں کے افسانہ نگاروں کا نصب العین شخصی راج کے خلاف سیدھے سادے عوام کو بیدار کرنا اور یہاں کے باشندوں کو جاگیرداری کی صعوبتوں سے نجات دلوانا تھا۔ غُربت، بھوک، افلاس، پسماندگی، معاشی و اقتصادی بدحالی، بےکاری، طبقاتی کش مکش اور بیگار کی لعنت، مطلق العنانی اور جاگیرداری ہی کی دین تھے۔لہٰذا اس دور کے افسانہ نگاروں نے ان ہی موضوعات کو اپنے افسانوں کا مدار بنایا۔تیرتھ کاشمیری نے اخبار''وتستا'' ''ہمدرد'' اور''مارتنڈ'' جیسے اخبارات میں ۱۹۳۱ء میں افسانے لکھنے شروع کیے۔اُن کے افسانوں میں ''اندھی ماں''، ''تلاش حق'' اور''پاگل کا خط'' خصوصیت کے حامل ہیں۔تیرتھ کاشمیری کے ہم عصروں میں پریم ناتھ پردیسیؔ کا نام بھی تھے۔ان کی ادبی زندگی کا آغاز شعروشاعری سے ہُوا لیکن ۱۹۳۲ء میں اُردو افسانہ کی طرف متوجہ ہُوئے۔اور تادم مرگ متواتر لکھتے رہے۔ اپنے ابتدائی دور میں وہ ہلکی پھلکی کہانیاں لکھتے تھے۔اُن کے ابتدائی دور کے ادب کا ذکر پروفیسر حامدی کاشمیری نے اس طرح کیا ہے۔

''......ابتدائی دور میں وہ''ادب لطیف''اور ٹیگوریت کے زیر اثر ہلکی پھلکی رومانی کہانیاں لکھتے تھے لیکن اسی زمانے میں پریم چند کی حقیقت نگاری اور ترقی پسند تحریک کے زیر اثر سماجی زندگی کے

گمبھیر مسائل کی افسانوی پیش کش کو غیر معمولی اہمیت مل رہی تھی۔
پردیسی کی نظر اُردو افسانوی ادب اور اس کے اسالیب و
موضوعات پر تھی۔'' [۱]

پردیسی نے سماجی، سیاسی اور نفسیاتی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اُن کے افسانوں کے تین مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ شام وسحر، دُنیا ہماری اور بہتے چراغ۔ پردیسی اُردو کے اہم اور معروف افسانہ نگار ہیں۔ انھیں ہندوستان کے صف اول کے اُردو افسانہ نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پردیسی کے ساتھ ہی ان کے کئی اور ہم عصروں نے بھی افسانے لکھے۔ مگر اُن کے افسانوی مجموعے شائع نہ ہو سکے۔ اُن میں دینا ناتھ واریکو شاہد، گلزار احمد فدا، اسیر کاشمیری، کوثر سیمانی، کیف اسرائیلی محمود ہاشمی، دیا کرشن گردش، عزیز کاش، عجوبہ یاسمین، صاحب زادہ محمد عمر، کاشی ناتھ کنول، جگدیش کنول، غلام حیدر چشتی کے نام شامل ہیں۔ یہ حضرات عرصہ دراز تک مقامی اخبارات مین متواتر لکھتے رہے۔ ان میں سے کچھ حضرات آزادی کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے۔

شروع شروع میں سوم ناتھ زُتشی جموں سے شائع ہونے والے بچوں کے میگزین ''رتن'' کے لیے لکھتے تھے۔ لیکن اُن کا پہلا اُردو افسانہ ۱۹۴۷ء میں مارتنڈ اخبار

---

[۱]۔ ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ادب حامدی کاشمیری ص ۸۱

میں شائع ہُوا۔اور بعد میں ریڈیو کے لیے بھی وہ لکھتے رہے۔

صوبہ جموں سے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر کا بھی تعلق رہا ہے۔افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے۔مگر بُنیادی طور پر وہ افسانہ نگار ہیں۔جموں و کشمیر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کرشن چندر کے ابتدائی افسانوں میں رقصاں نظر آتا ہے۔ اُن کے افسانوی مجموعوں میں زندگی کے موڑ پر، نظارے، نغمے کی موت، کتاب کا کفن، ایک گرجا ایک خندق، ٹوٹے تار، اجنتا سے آگے، تین گُنڈے، ہم وحشی ہیں، گھونگٹ میں گوری چلے، پُرانے خُدا، کشمیر کی کہانیاں، طوفان کی کلیاں، ہوائی قلعہ قابل ذکر ہیں۔ کرشن چندر نے حقیقت پسندی، منظر نگاری اور اپنی طرز تحریر کا مظاہرہ کر کے تین سو سے زائد افسانے لکھ کر اُردو کے صف اول کے افسانہ میں اپنا نام درج کرایا۔کرشن چندر کی اِسی منظر نگاری کی توصیف میں بازیافت میں اس طرح لکھا ہے۔

''کرشن چندر کو منظر نگاری تو ضرب المثل بن کر رہ گئی'' [1]

کشمیری لال ذاکرؔ، رامانند ساگرؔ، نرسنگھ داس نرگسؔ، برج پریمی۔ نور محمد روشن، قدرت اللہ شہابؔ، علی محمد لون، تیج بہادر بھان اور وجے ایسے نام ہیں جنھوں نے افسانہ نگاری کی لو کو تیز کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

---

[1] ۔بازیافت شعبہ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۴۵

کشمیری لال ذاکر، رامانند ساگر اور قدرت اللہ شہاب نے اس ریاست کو خیر آباد کہہ دیا۔ ساگر بمبئی اور شہاب پاکستان چلے گئے کشمیری لال ذاکر شعروشاعری کرنے لگ گئے مگر شاعر سے زیادہ وہ فکشن رائیٹر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ابتدائی کہانیوں میں اُنہوں نے انسانی زندگی استحصالی نظام میں پسے ہوئے عوام کو اپنا موضوع بنایا اور پھر اس پر اُن کا قابل رشک اسلوب، ذاکر کا پہلا افسانہ ''الگ الگ راستے'' کے عنوان سے ۱۹۴۳ء میں ''ہمایوں'' میں شائع ہُوا۔ ۱۹۵۰ء میں اُن کی کہانیوں کا ایک مجموعہ منظر عام پر آیا۔ جس کا عنوان ''کشمیر جل رہا تھا۔'' تھا۔ اس کے بعد اُن کے کئی افسانوی مجموعے شائع ہُوئے۔ جن میں ''یہ کھنڈر میرے ہیں'' ''ذاکر کی تین کہانیاں'' ''چراغ کی لو'' ''اُداس شام کے آخری لمحے'' شامل ہیں۔

رامانند ساگر کا افسانوی مجموعہ ۱۹۴۴ء میں منظر عام پر آیا جس میں بُہت سے افسانوں کا پس منظر کشمیر ہے۔ جو بقول کرشن چندر'' جنت کم دوزخ زیادہ'' ہے۔

قُدرت اللہ شہاب کی ابتدائی کہانیوں میں اس سرزمین کی بوباس کا احساس ہوتا ہے۔ بعد میں وہ پاکستان چلے گئے اور وہاں ہی اُن کا انتقال ہُوا۔ اُن کے ایک مشہور افسانے'' سردار جسونت سنگھ'' کے پڑھنے کے بعد اُن کی افسانہ نگاری

کے فن کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُنھوں نے ''یا خدا'' نام سے ایک افسانہ لکھا تھا جسے اُن کے دوسرے افسانوں پر فوقیت دی گئی ہے اُن کے اس افسانے کو افسانوں کا بادشاہ کہا گیا ہے۔

نرسنگھ داس نرگسؔ جو عرصہ دراز تک ممولا رام کوٹی اور کبھی پریم منوہر کے فرضی نام سے لکھتے رہے۔ اُنھوں نے ۱۹۳۰ء کے بعد ہی اچھے افسانے لکھنے شروع کیے اُن کے افسانوی مجموعوں میں ''دُکھیا دیس'' پریتم اور ''سندیشہ'' قابل ذکر ہیں۔ نرگسؔ کے ہاں ایک نئے انداز میں جاگیردارانہ نظام کے جبر و استبداد اور طبقاتی کش مکش کی تصویر ملتی ہے۔

بیسویں صدی کے چوتھے دہے میں پریم ناتھ درؔ کا نام اُردو افسانے کے آسمان پر طلوع ہوتا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اپنے فن کا لوہا آزادی کے بعد ہی منوایا۔ اُن کے افسانوں کا موضوع کشمیر اور اہل کشمیر رہا ہے۔ اُن کا پہلا افسانوی مجموعہ '' کاغذ کا واسدیو'' اُن کے عنوان سے شائع ہُوا۔ ''گیت کے دو بول'' اور '' کاغذ کا واسدیو'' اُن کے یہ دو افسانے اسی پہلے افسانوی مجموعے'' کاغذ کا واسدیو'' میں چھپے ہیں۔ اُن کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''نیلی آنکھیں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ درؔ کے افسانوں کا موضوع کشمیر اور اہل کشمیر ہی رہا۔ حامدی کاشمیری نے اپنی کتاب میں اُن کے افسانوی موضوع کو اس طرح پیش کیا ہے۔

''پریم ناتھ درؔ نے کشمیریوں کی مفلوک الحال زندگی کے مرقعے کھینچے ہیں۔ وہ کشمیری زندگی کا دردمندی اور خلوص سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے موضوع کو افسانوی سحر طرازی سے دلچسپ بناتے ہیں''[1]

درحقیقت پریم ناتھ درؔ اُس دور کے دوسرے بڑے افسانہ نگار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے۔

پنڈت گنگادھر بٹ دیہاتیؔ بھی پریم ناتھ درؔ کے ہم عصروں میں سے ایک ہیں بڑے زوردنویس تھے۔ صحافت کے ساتھ بھی وابستگی رہی۔ دیہاتیؔ اور دلکشؔ کاشمیری کے قلمی نام سے ریاستی اور ملکی رسائل میں کہانیاں لکھتے رہے۔ اُن کی مَنّی کہانیاں کافی مقبول ہُوئیں مگر بدقسمتی سے اُن کا کوئی بھی مجموعہ شائع نہ ہوا۔

ٹھاکر پونچھی جن کا اصل نام جگن ناتھ تھا جموں صوبہ کے ضلع پونچھ میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہُوئے۔ پونچھ سے تعلیم کی فراغت کے بعد جموں گئے اور وہاں پرنس آف ویلز کالج میں داخلہ لیا۔ سنگیت اور ادب دونوں سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لیے کالج سے شائع ہونے والے رسالہ ''توی'' سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ اس رسالے میں اُن کا افسانہ ''راجہ'' کے عنوان سے شائع ہُوا۔ آپ کے ادبی سفر کے ابتدائی افسانے یہاں کی پوری شادابیت اپنے اندر سموئے ہُوئے ہیں۔ ایسے دس افسانوں

---

[1] ۔ ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ادب حامدی کاشمیری ص ۸۲

کا مجموعہ ''زندگی کی دوڑ'' کے عنوان سے آزادی کے بعد چھٹے دہے میں شائع ہُوا۔ ''چناروں کے چاند'' کی کامیاب اشاعت کے بعد ٹھاکر پونچھی کو اُردو کے کامیاب اور مقبول ترین افسانہ نگار کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ٹھاکر پونچھی کے افسانوں کا جو مجموعہ ''زندگی کی دوڑ'' کے عنوان سے شائع ہُوا اس مجموعے کے افسانوں میں موت کے سائے تلے، ڈھولک بجتی رہی، اندھے کی بیوی، معاوضہ، زعفران وغیرہ جیسے افسانے شامل ہیں جو صرف افسانے ہی نہیں بلکہ شہروں سے دور پہاڑوں میں رہنے والے معصوم اور سادہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں ہیں۔

افسانہ نگاری کے میدان میں اور بھی کئی نام سامنے آئے۔ اُن میں دیانند کپور، وجے سمن سوسن، کندن لال، جگدیش کنول، محمود ہاشمی نے بھی افسانوی ادب میں اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ ان کے علاوہ محبوبہ یاسمین نے ''دل ہی تو ہے'' شیخ عبدالعزیز علائی نے ''سرائے'' عبدالمجید نظامی نے ''تحفہ'' جیسے مختلف عنوانات کے تحت افسانے لکھ کر روزمرہ کے مسائل، عوام کے جذبات اور وقتی تقاضوں کو اپنے فن میں برتنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

اُردو افسانے میں ایک نئے باب کا اضافہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہوا ۱۹۶۵ء کی لڑائی، بنگلہ دیش کی آزادی اور کرگل جنگ اس خونی لکیر کے اہم سنگ میل بن کر رہ گئے۔ ایک جانب منٹو نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''

جیسی لافانی کہانیاں لکھیں دوسری جانب رامانند ساگر، وجے سمن سوسن ، ٹھاکر پونچھی اور لیش سروج نے ان موضوعات پر افسانے اور ناول لکھے۔ رام کمار ابرول نے ۱۹۷۱ء کی جنگ پر ایک پورا افسانوی مجموعہ ''جے بنگلہ جے بھارت'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ بٹوارے کا اور ایک منفی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بُہت بڑا قافلہ جس میں قدرت اللہ شہاب (سردار جسونت سنگھ)، اخگر عسکری، شیخ منظور الٰہی (ایک سال)، گلزار احمد فدا (آیا کے پاس)، کوثر سیمابی محمد عُمر نور الٰہی (گلوری) تھے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ اور رامانند ساگر، ٹھاکر پونچھی، برج کتیال اور ویدراہی، تلاش معاش کے سلسلے میں فلم نگری کی بھیڑ میں ہمیشہ کے لیے کھو گئے۔ جب کہ ریڈیو اور دور درشن نے بھی اژدھوں کی طرح بُہت سارے افسانے نگاروں کو نگل لیا اور وہ ریڈیائی ڈراموں اور ٹیلی وژن سیریلوں کی طرف اپنا سارا دھیان مرکوز کرنے لگے۔ چنانچہ اُردو ادیب خالص افسانہ نگاری کو روزگار کا وسیلہ نہیں بنا سکا۔ پھر بھی افسانہ آگے بڑھتا رہا۔

نئے فن کار بھی سامنے آئے۔ اُن نئے فن کاروں میں سوم ناتھ زُتشی، علی محمد لون، اختر محی الدین، تیج بہادر بھان، بنسی نردوش، حامدی کاشمیری۔ پشکر ناتھ، برج پریمی، نور شاہ، مخمور بدخشی، دیپک کول، غلام رسول سنتوش، رمیش کول، زیڈ سیمی، ہری کرشن، وجیہ احمد اندرابی اور اُن کے بعد کی نسل میں شبنم قیوم، کشوری منچندہ، وشوا ناتھ درماہ، لیش سروج رام کمال ابرول، او۔ پی۔ سارتھی، کلدیپ رعنا، ریاض پنجابی، موہن یاور

ڈاکٹر ظہور الدین، اجیت کمار بخشی، بشیر شاہ، امر مالموہی، شمس الدین شمیمؔ، غمگین غلام نبی، پروفیسر دیپک کنول، عمر مجید، ساگر کاشمیری، مالک رام آنند، وجے سوری وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے ریاست بھر میں اُردو فکشن کو چار چاند لگائے۔ ان فن کاروں کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ اُردو فکشن کی آبرو ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ گزشتہ برسوں میں سماج میں پائی جانے والی ناانصافی، سیاسی ناپائیداری کُنبہ پروری، رشوت ستانی، اور بے روزگاری جیسی لعنت نے ہمارے معاشرے کو گُن کی طرح چاٹ لیا۔ اکثر و بیشتر افسانہ نگاروں نے ان مسائل کا محاسبہ کیا۔ یمنظور اختر نے کاشمیری پنڈت ایجی ٹیشن پر دو فکر انگیز افسانے ''جیون ساتھی'' اور ''پاکیزہ سہارا'' لکھے۔ دیپک بُدکی نے ۱۹۷۵ء میں ایک افسانہ ''جاگو'' کے عنوان سے لکھا۔ جو ماہنامہ تعمیر میں شائع ہُوا۔ اس کے بعد اُنہوں نے اس افسانے کو اپنے افسانوی مجموعے'' ادھورے چہرے'' میں شامل کیا۔ آندلہر اور خالد حسین بھی مسلسل افسانے لکھتے چلے آئے۔ یہاں کی نفسیاتی کش مکش اور محرومی پر نور شاہ عمر مجید، زائد مختار اور نکہت نظر نے فکر انگیز افسانے لکھے۔ ادھر مہاجروں کی دربدری اور بے گھری پر دیپک کنول اور ویریندر پٹواری نے اور دیپک بدکی نے بھی کئی افسانے لکھے۔ جو اُن کے مجموعوں ''برف کی آگ''، ''اُفق'' اور ''چنار کے پنجے'' میں بالترتیب شامل ہیں

ریاست جموں وکشمیر میں اگر افسانہ نگاروں کو مراکز میں تقسیم کیا جائے تو یہاں پانچ مراکز سے افسانہ نگار پیدا ہوئے۔ ان مراکز کی تفصیل اس طرح سے ہے کشمیر، جموں، پونچھ، ڈوڈہ، اور لداخ۔ یہاں مجھے صرف تین مراکز کے افسانہ نگاروں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جو کہ میرے تحقیقی مقالہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس عنوان کے تحت تین مراکز کے نام درج ذیل ہیں۔ پونچھ، جموں اور ڈوڈہ۔

راجوری اور پونچھ سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگار

(۱) ٹھاکر پونچھی: افسانوی مجموعے : زندگی کی دوڑ، چناروں کے چاند

مشہور افسانے : خانہ بدوش، یہ پتھر میرے ہیں بے خواب کواڑ

(۲) مدن سنگھ ٹھاکر: : افسانہ سورگ کی سیڑھی

(۳) پرویز مانوس: افسانوی مجموعے : شکارے کی موت

(۴) کے ڈی مینی : افسانوی مجموعے: چادر (اُردو افسانے) اُڈیکاں (پہاڑی افسانے)

(۵) کرشن چندر: مشہور افسانوی مجموعے: زندگی کے موڑ پر، نغمے کی موت، کتاب کا کفن ایک گرجا ایک خندق، ٹوٹے تار، تین غنڈے، اجنتا سے آگے، پرانے خدا، ہم وحشی ہیں

گھونگٹ میں گوری چلے، کشمیر کی کہانیاں
طوفان کی کلیاں، ہوائی قلعے، طلسم خیال

(٦) مہیندر ناتھ: مشہور افسانوی مجموعے: (۱) ایک دو، تین (۲) شرافت (۳) سہارا (۴) اگر میں مرجاؤں (۵) چائے کی پیالی (٦) ڈیڑھ روپیہ (۷) ممی

(۷) آنند لہر سرحد کے اُس پار

(۸) محمد ایوب شبنم: افسانوی مجموعہ: شاہین (اُن کا یہ مجموعہ ۱۹۷۲ء میں منظر عام پر آیا)

(۹) اقبال نازش (۱۰) اقبال شال (۱۱) شوکت میر (۱۲) انور خاں نسیم (۱۳) منیر منہاس (۱۴) غلام احمد پنچھی (۱۵) امتیاز نسیم

۲:۔ جموں سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگار

۱:۔ او پی شرما سارتھی ۔ افسانوی مجموعہ : عُمریں

افسانہ : درد، کون مجرم کون

۲:۔ اجیت کمار بخشی ۔ افسانہ : اس کا اور میرا سچ، شرمیلا

۳:۔ برج کتیال ۔ افسانہ : موت کے راہی، ایک لڑکی، آنند نقاب اور چہرہ

۴:۔جوتیشور پتھک ۔ افسانہ : ٹوٹے رشتوں کا روگ

۵:۔خالد حسین ۔ افسانوی مجموعہ : اشتہاروں والی حویلی

۶:۔خیراتی لال ۔ افسانوی مجموعہ : پونم کا چاند

۷:۔دیانند رفیق ۔ افسانہ : خُدا کی لاٹھی

۸:۔کرن کاشمیری ۔ افسانہ : تنہا درخت

۹:۔ سوم ناتھ ڈوگرہ۔ افسانہ : دو آنسو، دو خط ایک کہانی، میرے ارماں میرے سپنے

۱۰:۔ شمس نوید ۔افسانہ : مجسمہ کے بعد

۱۱: ڈاکٹر ظہورالدین ۔ افسانوی مجموعے : ۱ تلافی ۲ کیی بلز

۱۲:۔کیول کرشن شاکر ۔ افسانوی مجموعے : یہ لوگ

۱۳:۔مدن موہن شرما ۔ افسانوی مجموعے :(۱) جہاں گناہ پلتے ہیں۔(۲) چاند کے آنسو

۱۴:۔نرسنگھ داس نرگس ۔ مجموعہ : دُکھیا سنسار، غریب کی عید، ہریجن کی لڑکی، قانون کے محافظ

۱۵:۔موہن یاور ۔ افسانوی مجموعے : (۱) وہسکی کی بوتل (۲) تیسری آنکھ (۳) سیاہ تاج محل

۱۶:۔محمد نورالٰہی ۔افسانہ : اُڑتے آنچل

۱۷:۔نند گوپال باوا۔افسانوی مجموعے : آدم کے بیٹے

۱۸:۔وجے سمن سوسن۔افسانوی مجموعے :رُن جھن قل قل

۱۹:۔وجے سوری ۔افسانوی مجموعے : آخری سودا

مشہور افسانے : زندہ لاش،خدااورانسان،زخم

۲۰:۔یش سروج افسانوی مجموعے : زمین پیاسی ہے

مشہور افسانے :خون کا قرض

ان افسانہ نگاروں کے علاوہ جن دوسرے افسانہ نگاروں نے اس صنف کو آگے بڑھایا اُن میں اوم ڈوگرہ،اومیش چندر،جگدیش کمل، دھرم چندر پرشانت، دیا کرشن گردشؔ،دیانند کپور،دیوراج چوپڑہ،رام کمار ابرول،کشوری منچندہ،کندن لال، گیان چند شرما،ڈاکٹر نصرت چودھری،ویدراہی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

ڈوڈہ سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگار

(۱)طالب حسین رندِ ۔افسانوی مجموعے : کہکشاں :سرابوں کا سفر

جموں صوبہ سے تعلق رکھنے والے ان افسانہ نگاروں کے علاوہ کشمیر خطہ سے بُہت سے افسانہ نگار اُبھرے جنہوں نے اچھے افسانے لکھے۔اُن میں سے بیشتر کے افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری۔ نورشاہ،

فاروق رینزو، شمس الدین شمیمؔ، دیپک کنول، خالد حسین، عُمر مجید، سید نسرین نقاش ،نکہت نظر، ویریندر پٹواری، ظہور الدین اور مخمور بدخشی کے نام اُن میں قابل ذکر ہیں۔ جدید افسانہ نگاروں میں پرویز مانوس کا نام اہمیت کا حامل ہے جو ہم عصر مسائل، حُب الوطنی اور سماجی بے ضابطگیوں پر ہمیشہ سے قلم اٹھاتے رہے ہیں۔ ''شکارے کی موت'' اُن کے افسانوی مجموعے کی ایک زندہ مثال ہے۔ طالب حسین رندؔ بھی افسانہ نگاری کے میدان میں آئے۔ ۱۹۹۶ء میں اُن کا افسانہ مجموعہ ''سرابوں کا سفر'' کے عنوان سے شائع ہُوا۔ اُن کا ایک اور مجموعہ بھی ''کہکشاں '' کے عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے۔ رندؔ جدیدیت کے علم بردار ہیں اور تاثراتی طرز تحریر سے کام لیتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں تبلیغ کے علاوہ طنز و مزاج کی جھلک بھی ہے۔ اپنے افسانوں میں اُنھوں نے علامتوں اور استعاروں کا استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے۔ اُن کے فکر انگیز افسانوں میں صاحب ولایت، سرابوں کا سفر، کنول سے جھیل تک فریب منزل اور درد آشنا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بہرحال افسانہ کا یہ طویل سفر جو ایک صدی پر محیط ہے یہ صرف جموں صوبہ ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر میں بڑا اثمر آور رہا ہے۔

سفر نامہ

سفرنامے

اُردو میں سفرنامے تحریر کرنے کی روایت دیرینہ ہے۔لیکن جس طرح مغربی مما لک نے اہم اور مشہور سفرناموں سے استفادہ کیا ہم ویسا نہ کر سکے۔ اس کی اہم وجہ ہمارے ملک میں بے سواد لوگوں کی بڑی تعداد ہے جن تک سفرناموں میں مندرج تفصیلات پہنچ نہیں پاتیں۔ ہماری اور ہر قوم کی قدیم تاریخ کا ایک اہم اور ضروری سرچشمہ سفرنامے ہی رہے ہیں۔جن کو تاریخ نویسی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم مانتے ہیں کہ یونان کے عظیم مورخ ہیروڈوٹس یا ابوریحان البیرونی کا سفر نامہ ''مالالہند'' یا ہیونگ سانگ کا سفرنامہ ''ہند'' قدیم مما لک کی تاریخ کا بنیادی منبع اور سرچشمہ ہیں۔چنانچہ آج کل ان سفرناموں کے حوالہ جات پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا اس لیے کہ ان میں سیاسی اغراض ومقاصد نہیں جو تاریخ کو مسخ کر دیتے ہیں اُس زمانے میں غیر ملکوں کا سفر علم حاصل کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہُوا کرتا تھا۔شاید اسی لیے مسلم دانشوروں نے سفر کو ایک نعمت،ایک ضروری عمل اور انسانی فکر میں بلندی اور وُسعت حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عرب سیاحوں نے بڑی محنت اور ایمانداری کے ساتھ اپنے سفرناموں میں مختلف اقوام کی زندگی اور عادات ورسوم کے بارے میں

اہم تفصیلات سفرناموں کی شکل میں چھوڑ دی ہیں۔اگر ہم ابتدائی عرب مصنفوں کی اہم تاریخوں پر نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہوگا کہ ان میں سفرناموں کے خدو خال اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان میں ابن خلدون، بیہقی، ابن الندیم اور ابن بطوطہ جیسی ہستیاں شامل ہیں جن کو تاریخ اسلام اور تاریخ اقوام کے عظیم منابع بتایا گیا ہے۔درحقیقت عربوں کی تاریخ اصولی طور پر ان کے سفرنامے ہی ہیں۔

جہاں تک ریاست جموں وکشمیر کا تعلق ہے۔یہاں اُنیسویں صدی کے آغاز ہی سے کئی یورپی سیّاح کشمیر کے دور دراز علاقوں میں گھومتے پھرتے رہے ان میں مورکرافت، بوگل، وائینے، اسٹائن اور بوہلر کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے بڑے اہم اور تفصیلی سفرنامے لکھ کر کشمیر کی تاریخ، تمدن اور معیشت کے بارے میں بیش و قیمت اطلاعات چھوڑ دی ہیں۔مثال کے طور پر اسٹائن کا سفرنامہ کشمیر و ترکستان جموں وکشمیر کی ثقافتی تاریخ کا ایک اہم سرچشمہ ہے۔جس کو آج تک ہر مورخ اور صحافی کام میں لاتا ہے۔

ڈائریاں

سفرناموں میں ڈائریاں بھی شامل ہیں۔ یہ چھاپنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھیں لیکن ان کی بھی تاریخی اور ثقافتی اہمیت ہے۔جموں میں رنبیر سنگھ کے عہد حکومت میں مہتہ شیر سنگھ نے بیرون ممالک کا سفر کیا اور واپس آ کر اپنے سفر کے حالات و واقعات

کو قلم بند کیا جسے سرکاری طور پر ریاست جموں و کشمیر کی پہلی تحریر مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر برج پریمی نے مہتہ شیر سنگھ کے اس سفر نامے کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

''چودھری مہتہ شیر سنگھ نے ۱۸۶۴ء۔۱۸۶۵ء کے دوران بخارا کا سفر کیا واپسی پر اُس نے اُردو میں اپنا سفر نامہ قلم بند کیا ریاست میں سرکاری طور پر پہلی اُردو تحریر تسلیم کی گئی۔۱۵۰ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ دلچسپ ہے'' ۱؎

یہ سفر نامہ دراصل پڑوسی مما لک کے ساتھ تجارتی تعلقات کو استوار کرنے کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ مہتہ شیر سنگھ جو کشمیر سے چل کر براستہ کابل، سمرقند اور بخارا پہنچا اور پھر واپسی پر خوقند، ختن اور کاشغر کے راستے سے ہوتا ہُوا تبت اور لداخ چلا آیا اور واپس سری نگر پہنچا اس سارے سفر میں ایک سال سے زیادہ وقت لگا اور واپسی پر اس نے اپنا سفر نامہ تحریر کر کے ڈوگرہ حکمران کو پیش کیا۔ اس زمانے کا ایک اور سفر نامہ عزت اللہ نے تحریر کیا تھا جس کو ''سفر نامہ عزت اللہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی قریب قریب تمام اصناف کے نہایت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ چنانچہ دوسری تمام اصناف کی روایات کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر میں سفر نامے کی روایت بھی ملتی ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں سفر نامے کے ابتدائی نقوش ہمیں پنڈت سالگرام سالکؔ

۱؎ ۔جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما ڈاکٹر برج پریمی ص ۲۰

کے سفرنامے ''تحفہ سالک'' میں بھی ملتے ہیں۔ بقول برج پریمی:

''تحفہ سالک اُن کا سفرنامہ ہے جس میں دوسرے ممالک کی تواریخ اور جغرافیہ کا سہارا لیکر وہاں کی ترقی کا حال لکھا گیا ہے.....'' [1]

غیر افسانوی نثر پر اگر تفصیلی نظر ڈالیں تو سفرناموں کی صورت ملک راج صراف، اوم پرکاش صراف، جگن ناتھ آزادؔ صوفی غلام محمد، شکیل الرحمٰن، پروفیسر حامدی کاشمیری، خواجہ ثناء اللہ، وجیہہ احمد اندرابی، غلام نبی شیداؔ اور ایڈوکیٹ غلام نبی ہاگرو کے سفر نامے ہمیں روس، عراق، پاکستان، جنیوا کی فضاؤں میں پہنچا کر وہاں کی علمی، ادبی اور معاشرتی زندگی میں جھانکنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ان حضرات نے جو سفرنامے لکھے اُن میں سے کچھ سفرناموں کو کتابی شکل دی گئی ہے اور کچھ اخبارات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ سفرنامہ ''میری پاکستان یاترا'' جموں کے مشہور صحافی اور دانشور ملک راج صراف سے یادگار ہے۔ صراف صاحب ۲۰؍ نومبر ۱۹۷۹ء کو پاکستان کے سفر کے لیے روانہ ہُوئے۔ دو ہفتے اُنہوں نے وہاں قیام کیا۔ لاہور، سیال کوٹ اور فیصل آباد جیسے بڑے شہروں کو دیکھا اُن کے اس سفر کا مقصد اپنے دوستوں سے ملنا تھا محض اس مقصد کی خاطر اُنہوں نے یہ سفر کیا اور کامیابی کے ساتھ لوٹے۔ اس کامیابی کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] ۔ برج پریمی۔ جلوہ صد رنگ ۱۹۸۹ء ۔ص ۱۹۲

’’میں محض اپنی انفرادی حیثیت میں ایک ہندوستانی ہونے کے
ناطے اپنے ہمسایہ ملک پاکستان میں انسان کو دیکھنے گیا تھا اور
مجھے اطمینان اور خوشی ہے کہ میرا یہ تجربہ ناکام نہیں رہا ‘‘ [۱]

پاکستان کے لوگوں نے صراف صاحب کا استقبال گرم جوشی سے کیا۔ محبت، خلوص اور عقیدت سے ان سے ملے۔ انہیں یقین ہوا کہ انسانیت ابھی زندہ ہے۔

صراف صاحب نے ایک صحافی کی نظر سے پاکستان کے سیاسی اور سماجی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ وہاں کے مختلف بازاروں، تاریخی مکامات، مندروں اور گوردواروں ذکر بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے سیاسی سرگرمیوں، اخبارات ،رسائل وجرائد کی کتاب اور چھپائی کے انتظامات کا جائزہ بھی لیا ہے مختصر یہ کہ اُن کے اس سفر نامے میں جو بات دہرائی گئی ہے وہ ہے وہاں کے لوگوں کا بے پناہ خلوص اور اپنائیت کا جذبہ۔

سفرنامہ بہ عنوان ’’پاکستان میں دو دن‘‘ اوم پرکاش صراف کا کارنامہ ہے یہ سفرنامہ سیاسی نوعیت کا ہے تقسیم وطن بعد پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جموں وکشمیر کا مسلہ تنازعے کا باعث بنا۔ درحقیقت انسانیت ناقابل تقسیم ہے اور عوام خواہ کسی بھی جگہ کے ہُوں طبیعتاً معصوم ہوتے ہیں۔ یہ سیاست ہی ہے۔ جو کبھی

---

[۱] ۔ میری پاکستان یاترا ۔ملک راج صراف ص ۳

رنگ ونسل اور کبھی مذہب کے نام پر اُن کا استحصال کرتی ہے۔ جس کا خمازہ نسلوں کو ادا کرنا پڑتا ہے ملک راج صراف نے اس سفرنامے میں حُب الوطنی کے جذبے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ لطیف جذبہ انسانیت سبھی نفاستوں کے ساتھ اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔

اوم پرکاش صراف کا سفرنامہ ''پاکستان میں دودن'' سیاسی نوعیت کا ہے تقسیم وطن کے بعد پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جموں وکشمیر کا مسلہ تنازعے کا باعث بنا۔ بقول اوم پرکاش صراف:

''مہاراجہ ہری سنگھ جموں کو کشمیر کو آزاد رکھنا چاہتے تھے مگر بڑے پڑوسیوں کی خوشنودی کے بغیر آزادی، خواب زیادہ اور حقیقت کم معلوم ہوتی ہے''[1]

چنانچہ ریاست کے دو حصے ہوگئے۔ یہاں حکومت کی باگ ڈور شیخ محمد عبداللہ نے سنبھالی۔ لیکن کئی وجوہات کی بنا پر اُنھیں ۱۹۵۳ء میں نظر بند کر دیا گیا۔ چند سالوں کی رہائی کے بعد اُنھیں پنڈت جواہر نہرو نے بات چیت کے لیے بُلایا اور مشورہ دیا کہ ہندوستان اور پاکستان کو ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب لائیں۔ شیخ صاحب نے پاکستان کا سفر کیا اوم پرکاش صراف بطور صحافی اُن کے ہمراہ تھے۔ اس سفر کی روداد صراف صاحب نے بڑے دلچسپ انداز میں پیش کی ہے۔ اس سفرنامے کے پڑھنے کے بعد ہندوستان کی تقسیم کا سانحہ جس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے آتا

---

[1]۔ اوم پرکاش صراف ''پاکستان میں دودن'' مرتبہ ملک راج صراف۔ انسانیت ابھی زندہ ہے ۱۹۸۲ء ص ۸۶

ہے اسے شیرازہ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

''یہ سفرنامہ سیاسی نوعیت کا ہونے کے باوجود اور پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے مثلاً اِسے پڑھتے ہُوئے ملک کی تقسیم کا المیہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کیوں کہ وہاں اُنھیں کئی ماجرین جموں سے ملنے کا اتفاق ہُوا جو بے شک وہاں روزمرہ زندگی میں مصروف ہیں لیکن جن کی روح اپنے وطن میں رہ گئی ہے۔اُنہوں نے اس جزباتی پہلو کو اُبھارا ہے بطور صحافی اُنہوں نے پاکستان کی روزمرہ زندگی کے بارے میں بُہت سی معلومات حاصل کیں....''[1]

سفرنامہ لکھنے والوں میں تیسرا نام پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ہے۔اُنہوں نے جموں میں بیٹھے بیٹھے وہ کام کیا جو صرف ادبی خزانے میں اضافہ ہی نہ کر سکا بلکہ عالمی سطح پر جموں کا نام روشن کرنے میں معاوں ثابت ہُوا۔آزاد صاحب کو اکثر و بیشتر بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کرنے ،توسیعی خطبات دینے اور مشاعروں میں شرکت کرنے کے لیے کسی نہ کسی ملک کا سفر کرنا پڑا۔اُنھیں مختلف مما لک کی سیر

۱۔ماہنامہ ''شیرازہ'' (اُردو) جموں وکشمیر میں اُردو ادب کے پچاس سال (جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز ،سری نگر ص ص ۲۰۹۔۲۱۰

وسیاحت سے جو تجربات ومشاہدات حاصل ہُوئے ہیں اُنہوں نے اُنھیں سفر ناموں کی شکل میں قلمبند کیا ہے۔اور یہ سفرنامے جہاں ہمارے ادبی خزانے میں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں وہیں آنے والی نسلوں کے لیے معلومات کا خزانہ بھی ہیں اور بصیرت کی شمع بھی روشن کرتے ہیں۔ ان کے سفرنامے کتابی صورت میں بھی شائع ہوچکے ہیں۔اُن کا پہلا سفرنامہ ''جنوبی ہند میں دو ہفتے'' دوسرا سفر نامہ ''پُشکن کے دیس میں'' اور تیسرا سفرنامہ ''کولمبس کے دیس میں'' یہ سفر نامے کتابی شکل میں منظرعام پر آچکے ہیں۔اس کے علاوہ اُن کے نامکمل سفر ناموں کے بعض حصے مختلف جزائد میں چھپ چکے ہیں۔

صوفی غلام محمد کا ''روس کا سفر'' کے نام سے سفرنامہ سری نگر ٹائمز (اُردو اخبار جو سری نگر سے چھپتا ہے) میں قسط وار چھپتا رہا۔

جناب شکیل الرحمٰن نے ''قصہ میرے سفر کا'' کے عنوان سے ایک سفر نامہ تحریر کیا اُنہوں نے اپنے روس کے دورے کے تاثرات، مشاہدات اور تجربات قلمبند کیے ہیں۔ اُن کا یہ سفرنامہ روس کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں اور وہاں کے معاشرے کے رنگوں کو دلچسپ پیرائے میں پیش کرتا ہے۔

پروفیسر حامدی کاشمیری نے ۱۹۸۶ء میں ہندوستانی ادیبوں کے وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے پاکستان کا سفر کیا۔اُن کا یہ دورہ ادبی نوعیت کا تھا۔ حامدی

صاحب نے اپنے اس سفر کی دلچسپ روداد ''انجمن آرزو'' کے نام سے رقم کی ''انجمن آرزو'' حد درجہ تاثراتی نوعیت کا سفرنامہ ہے۔اُن کا یہ سفرنامہ اختصار کے باوجود اپنے اندر رنگوں اور روشنیوں کی ایک دُنیا سموئے ہُوئے ہے۔اس کے اندر کتنے ہی جذبات،احساسات اور تاثرات کپکپاتے اور تھرتھراتے نظرآتے ہیں۔حامدی صاحب اس تاثر کو بھی چھپائے نہ چھپا سکے۔جو ہر ایک کشمیری کے دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔پاکستان نے اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور محسوس کرنے کی تمنا بہت سے دلوں کے لیے صرف ایک حسرت ہے یہ حسرت اور تمنا کن بے تابیوں اور بے قراریوں کو جنم دیتی ہے۔

غلام نبی خیالؔ نے جولائی ۱۹۷۹ء میں عراق کا دورہ کیا۔اپنے عراق کی اس سفر کو''سفرنامہ عراق'' کا عبوان دیا اس سفر کی روداد اُنہوں نے اپنے اخبار روزنامہ ''اقبال'' میں جنوری تا اپریل ۱۹۸۰ء چوالیس اقساط میں شائع کیا۔بعد میں انہوں نے اس شائع شُدہ سفرنامے کی تلخیص اپنی کتاب ''کاروانِ خیال'' میں پیش کیا۔اُن کا یہ سفرنامہ صرف تاثراتی نہیں بلکہ کافی معلوماتی بھی ہے۔ اپنے اس سفرنامے کو انہوں نے افسانوی پیرائے میں پیش کر کے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے اور عراق کی تاریخ،ثقافت معاشرت اور علم وادب کے بُہت سے پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں۔شہر بغداد کے بار باراُجڑنے اور دوبارہ بسنے کی داستان بھی اختصار

سے پیش کرنے کی اُن کی سعی کامیاب رہی۔ یہ شہر جو نہ صرف تہذیب وتمدن کا قدیم گہوارہ ہے بلکہ یہ عظیم انبیاءکرام، صوفیائے عظام اور قافلہ حسین کے عشق بلا خیز کی سرزمین ہے۔ اس ضمن میں خیالؔ صاحب نے کاروان خیال میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

''بابل کے باغات معلقہ، بصرہ کے سندباد، بغداد کے الف لیلوی فسوں اور نجف اشرف کے مقام اقدس سے کاروانِ خیال گذرا تو یکایک میری نگاہوں کے سامنے لہریں مارتا ہُوا۔رواں دواں دریائے فرات آ گیا۔جس کے کنارے میدانِ کربلا میں شہیدا اعظم نے تشنہ لبی اور بے سروسامانی کے عالم کرب و بلا میں رضائے حق کی خاطر عظیم ترین قُربانی دے کر ایمان اور انسانیت کی پیاسی دُنیا کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا۔'' [1]

خواجہ ثناءاللہ بٹ جو ایک صحافی، ادیب اور دانشور ہیں نے اپنے پاکستان کے سفر کے بعد ''سفرنامہ پاکستان'' کے عنوان سے اخبار آفتاب میں اس سفر کا حال قسطوں میں شائع کیا ہے اپنے اس سفرنامے میں اُنہوں نے پاکستان میں صرف اپنے حلقۂ احباب سے ملاقاتوں اور مجلس آرائیوں کا ذکر کیا ہے۔نومبر ۲۰۰۹ء میں ثنااللہ بٹ کا انتقال ہو چکا ہے

---

[1] ۔کاروان خیال غلام نبی خیال ص ۲۵۳

وجیہہ احمد اندرانی نے ''پاکستان کا سفر'' کے عنوان سے اپنے سفر پاکستان کو ہفتہ وار چٹان اُردو میں قسطوں میں پیش کیا ہے

غلام نبی شیدا (وادی کی آواز کے مدیر) نے بھی پاکستان کا دورہ کیا اور واپس آنے کے بعد اس سفر کی روداد کو اخبار میں بیسوں قسطوں میں شائع کیا۔ اُنہوں نے اپنے اس سفر کو ''سفرنامہ پاکستان'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اپنے اس سفرنامے میں اُنہوں نے مکہ اور مدینہ کے بعد پاکستان ہی کو مقدس سرزمین ٹھہرایا ہے۔

سفرناموں کے سلسلے میں ریاست کے معروف وکیل اور سیاسی وسماجی کارکُن غلام نبی ہاگرو کا نام قابل ذکر ہے۔ ہاگرو صاحب ۱۹۹۳ء میں جنیوا میں مُنعقدہ انسانی حقوق سے متعلق سیمینار میں شرکت کی۔ اور جنیوا سے واپسی پر اُنہوں نے ''سفرنامہ جنیوا'' تحریر کیا۔

انشائیہ

انشائیہ

اُردو میں انشائیہ کی عمر زیادہ نہیں۔اُردو میں انشائیہ کی ابتدا دراصل ضروتاً ہُوئی۔منظوم اور نثری داستانوں کو وقت نے قصہ پارینہ بنایا دیا تھا زندگی کے تقاضے بدل گئے تھے اس لیے ہندوستان کے بعض سرکردہ ادیب ادب کو داستانوں کی چھاپ سے آزاد کرنا چاہتے تھے اور ادب میں زندگی کا مقصد تلاش کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے جب اُنہیں انگریزی انشائیے میں (Essay) زندگی سے متعلق کار آمد باتیں نظر آتی تو وہ بے ساختہ داد کا نذرانہ پیش کرنے لگے اس طرح اُردو میں انشائیے کا آغاز ہُوا۔ چنانچہ محمد حسین آزادؔ، سرسید احمد خاں، نواب محسن الملک، چراغ علی، مولانا حالیؔ نے اس کا آغاز کیا۔اور انہوں نے ترجمے کیے وہ اس نیک نیتی کے ساتھ کہ ہندوستان والے جو انگریزی سے نابلد ہیں، زندگی کے ایسے واقعات سے واقف ہو جائیں جو اہم ہیں، زندگی کی ان قدروں کو قریب سے محسوس کریں جن کا اُن کے ادب میں فقدان ہے اور اس کے لیے تمثیل کے پردے سے بھی کام لیا گیا اور انگریزی ادب میں جو انشائیے تمثیلی انداز میں لکھے گئے اُن کو بھی اہمیت دی گئی۔محمد حسین آزاد نے نیرنگ خیال کے دیباچے میں خود لکھا تھا کہ میں نے انگریزی ادب چراغ سے روشنی لی اور اس طرح روشنی

پھیلانے کا یہ سہرا اُنہی کے سر ہے سر سید احمد خان نے بھی کئی مضامین کے ترجمے کیے اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعہ اُنہیں عوام تک پہنچا دیا۔ اسی طرح نواب محسن الملک، چراغ علی اور حالؔی نے بھی سر سید احمد خاں کے اس حلقے میں کام کیا اور اس طرح روشنی میں اضافے کی غرض سے انشائیے کی جوت جل اُٹھی۔

انشائیہ دراصل ایک عربی لفظ انشا سے بنا ہے۔ جس کے معنی ''عبارت آرائی'' یا کوئی بات دل سے پیدا کرنے کے ہیں۔ یعنی بظاہر یہ ایک ہلکی پھلکی تحریر ہوتی ہے اور موضوع بھی کوئی خاص نہیں ہوتے باوجود اس کے انشائیہ نگار معمولی باتوں میں بڑی گہری اور فکر انگیز باتیں کر جاتا ہے۔

انشائیے میں نہ تو موضوع کی کوئی قید ہوتی ہے اور نہ ہی خیالات کو پیش کرنے کی کوئی خاص ترتیب ہوتی ہے بلکہ انشائیہ نگار کے ذہن میں موضوع سے متعلق یا موضوع سے جُڑے ہُوئے ضمنی خیالات جس طرح سے آتے ہیں وہ اُنھیں ضبطِ تحریر میں لے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انشائیے کے مختلف پیراگراف میں عام طور پر ایک نیا خیال ملتا ہے۔ اور تقریباً ہر پیراگراف اپنی جگہ مکمل معلوم ہوتا ہے اسی بنا پر انشائیہ کو ''غزل کا فن' بھی کیا گیا ہے۔ اور اپنی منفرد خصوصیات رکھنے کی وجہ سے اسے ''ذاتی شبیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

جہاں تک ریاست جموں و کشمیر میں انشائیہ نگاری کا تعلق ہے مہاراجہ رنبیر سنگھ

کے عہد میں پنڈت ہرگوپال کول خستہؔ اور سالگ رام سالکؔ نے بھی انشائیے لکھے۔اس کے بعد تیرتھ کاشمیری کا نام آتا ہے۔''کتاب'' کے عنوان سے لکھے ہوئے ایک انشائیے میں تیرتھ کاشمیری لکھتے ہیں :

''زندگی کی یہ کتاب میں نے لکھنا شروع کی اور اس میں لڑکپن ، جوانی اور ادھیڑ پن کے انوکھے تجربے بیان کیے۔خیال تھا کہ یہ مقبول ہوگی۔لیکن.....مقبول ہونے کی کوئی سبیل نہیں اس لیے جسم کے انگ انگ میں محسوسات، وسوسات اور خواہشات دردوکرب اور بے چینی کی نہ دیکھی جانے والی لہریں......روز افزوں اُمڈنے لگیں'' [۱]

تیرتھ کاشمیری کے نام کے بعد محی الدین حاجنی، اختر محی الدین، غ۔م۔طاؤس، ستار شاہدؔ اور مسکین کے نام لیے جاسکتے ہیں مگر انھوں نے جو انشائیے لکھے اُسے منہ کا ذائقہ بدلنے سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔کیوں کہ ان ادیبوں نے ایک آدھ انشائیہ لکھ کر اُردو سے منہ موڑ لیا اور بعد ازاں جس قدر بھی انشائیے لکھے وہ کشمیری زبان ادب کا حصہ بن گئے۔اُردو میں صنف انشائیہ کو شعوری طور پر پروفیسر محمد زمان آزردہؔ آگے لے گئے۔

---

[۱] ۔ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ادب حامدی کاشمیری ص۸۱

اُن کے انشائیوں کے نو مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اولین مجموعہ ''غبارِ خیال'' کے نام سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہُوا۔ تین کشمیری انشائیوں اور پانچ اُردو انشائیوں کے مجموعے۔ ایک کشمیری مجموعے پر اُنہیں ساہتیہ اکادمی سے انعام ملا۔ اُردو میں اُن کے انشائیوں کے مجموعے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) غبارِ خیال (۲) شیریں کے خطوط (۳) غبارِ کارواں (۴) کانٹے (۵) گلدستہ (۶) سن تو سہی۔

آزردہ صاحب بلاشُبہ ایک منجھے ہُوئے انشائیہ نگار ہیں۔ وہ اس فن کی باریکیوں، نزاکتوں اور گہرائیوں کا واضح احساس و ادراک رکھتے ہیں۔ ان کے اولین مجموعے ''غبارِ خیال'' کے پیش لفظ میں پروفیسر شکیل الرحمٰن نے لکھا تھا۔

> ''غبارِ خیال کے انشائیوں میں جو تاثرات ہیں اور جذبوں کے آہنگ کا جس طرح اظہار ہُوا ہے ان سیز مان صاحب کے داخلی ہیجان اور ذہن کی لہروں پر تیز دوڑتی ہوئی چنگاریوں کی بیتابی اور لفظوں کی صورتوں میں اُن کی ''آزادی'' کو سمجھا جا سکتا ہے داخلی ہیجان، بے تاب چنگاریوں کا تیز سفر اور اُن چنگاریوں کا انتشار اور اُن کی آزادی۔ اس آرٹ کی بنیادی خصوصیات

ہیں محمد زمان آزردہ کے انشائیوں کے مطالعہ سے محسوس ہوتا
کہ وہ ان بنیادی خصوصیات سے واقف ہیں اُن کی سوچ، محنت
اور ریاضت سے یہ آرٹ ان کا اپنا آرٹ بن سکتا ہے'' ۱؎
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آرٹ آزردہ صاحب کا اپنا آرٹ بن چکا ہے۔
''غبارِ خیال'' سے ''سن تو سہی'' تک اُنہوں نے ایک لمبا سفر طے کیا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اُن کے آرٹ کے متعلق رقمطراز ہیں۔

''انشائیہ وہ ہی لکھ سکتا ہے جو زندگی گزارنے کا ہُنر جانتا ہے
اور زندگی کی خوشیوں، کجیوں، بلندیوں اور وادیوں ہر چیز کو
اپنی گرفت میں لے سکتا ہو۔ محمد زمان آزردہ کیا نشائیوں میں
اس بات کی اچھی کوشش ملتی ہے۔ وہ زندگی کے حُسن پر بھی نظر ڈالتے
ہیں اور اُس کی ناہمواریوں پر بھی ہنس سکتے ہیں۔ اُن کے یہاں
اس بات پر توجہ ملتی ہے کہ لفظ خیال سے جدا نہ ہو۔'' ۲؎

لفظ و خیال کا یہی اتصال اُن کے انشائیوں میں رنگوں کی ایک قوس قزح بکھیر دیتا ہے ایک لمحہ سے دوسرا لمحہ ایک واقعہ سے دوسرا واقعہ لپٹا ہُوا ہوتا ہے۔ اُن کے

۱؎۔ بازیافت ''شعبہ اُردو یونی ورسٹی آف کشمیر شمارہ ۲۰۰۵ء۔۲۰۰۶ء ص ۲۰۲

۲؎۔ بازیافت شمارہ ۳۶۔۳۷ شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی سری نگر ص ۲۰۳

پاس مناظر، واقعات، کیفیات اوراحساسات کا گُلدستہ سا ہے زبان کی تخلیقیت کے کئی شیڈز ہیں۔ طنز ومزاج بھی اُن کے اسلوب بیان کا ایک نمایاں وصف ہے اُن کے یہاں چھوٹے چھوٹے فقروں میں بے پناہ طنز ومزاح دلکشی اور خیال آفرینی ملتی ہے۔ جو بے حد متاثر کُن ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہاں انشائیہ نگاری ۱۹۴۷ء سے پہلے شروع ہوگئی تھی اس ضمن میں بازیافت میں اس طرح درج کیا گیا ہے۔

''کشمیر میں انشائیہ نگاری کے ضمن میں نشتر کاشمیری گنگا دھر دیہاتی اور تیرتھ کاشمیری کو اولیت کا سہرا حاصل ہے جنہوں نے ۱۹۴۷ء سے قبل انشائیہ نگاری کے اولین نقوش قائم کیے تاہم حالات وواقعات نے انشائیہ نگاری کی بیل منڈھے چڑھنے نہیں دی مذکورہ ادیبوں نے افسانوں کے علاوہ انشائیہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی۔ تیرتھ کاشمیری نے ۱۹۲۲ء میں لکھنا شروع کیا پروفیسر عبدالقادر سروری نے ''کشمیر میں اُردو'' میں اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ تیرتھ کشمیری نے افسانوں کے علاوہ انشائیے بھی لکھے۔'' [۱]

۱۔ بازیافت ۲۰۰۶ء شمارہ ۳۸۔۳۹ شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۵۱

نشتر کاشمیری، گنگا دھر دیہاتی اور تیرتھ کاشمیری کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے اندر انشائیہ نگاری کے بھرپور جوہر موجود تھے لیکن تقسیم وطن نے اُس جوہر کو پروان چڑھنے سے روک دیا۔ بدلتے ہوئے حالات میں بیشتر قلم کار ناول اور افسانہ نگاری کی طرف مائل ہُوئے۔ انشائیہ کو دوبارہ ابھرنے کے لیے ایک طویل وقفے کا انتظار کرنا پڑا۔ یہاں انشائیہ نگاری کی شمع ازسرِنو مرزا محمود بیگ نے روشن کی جو کشمیر میں مشیر تعلیمات اور جموں وکشمیر یونی ورسٹی کے پرو چانسلر کی حیثیت سے بیسویں صدی کے چھٹے دہے میں لگ بھگ پانچ سال کشمیر میں مقیم رہے۔ اس دوران وہ دیگر علمی و ادبی مضامین کے ساتھ انشائیے بھی لکھتے رہے۔ جو ریڈیو کشمیر سے نشر ہونے کے علاوہ ریاست سے باہر مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ اُن کے انشائیوں میں ''میری جوشامت آئی۔ شادی کی'' ''یہ بھی ایک فن ہے دوست بنانا'' '' کیا ہوتا اگر اخبار نہ ہوتا'' وغیرہ انشائیے شامل ہیں ۔

انشائیہ نگاری کے سلسلے میں شمیم احمد شمیمؔ بھی منفرد مقام رکھتے ہیں ''آینہ'' کی ادارت وشاعت کے دوران اُنھوں نے کئی معرکے انشائیے لکھے۔ انشائیوں میں ''بن بلائے مہمان'' اُن کی ایک یادگار تحریر ہے۔ ڈاکٹر منصور احمد منصورؔ بھی انشائیے لکھنے میں مصروف ہیں۔ اُنھوں نے کافی انشائیے لکھے بھی ہیں۔

خوش دیومینی جن کا تعلق پونچھ سے ہے افسانے، ڈرامے اور مضامین لکھتے ہیں
اس کے ساتھ ساتھ شاعری بھی کرتے ہیں۔ آپ نے انشائیے بھی لکھے۔ انشائیوں
کا ایک مجموعہ ''جوتیاں'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

رپور تاژ

رپورتاژ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس کا انگریزی لفظ رپورٹ سے براہ راست تعلق ہے۔فرانسیسی میں اس کا تلفظ رپور تاژ اور رومن رسم الخط میں املا Reportage ہے۔اُردو میں رپورتاژ کو ایک ادبی صنف کے طور پر برتا جاتا ہے جو قدرے رپورٹ سے مختلف ہوتا ہے۔دیگر ترقی یافتہ اصناف کی طرح اس میں موضوع کی اہمیت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے فن سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کیوں کہ اس صنف کو رپورٹ اور صحافت سے اس کا فن ہی علاحدہ کرتا ہے اس کا موضوع صحافتی لیکن فن قطعی ادبی ہوتا ہے

رپورتاژ چونکہ اس واقعہ پر لکھا جاتا ہے جو لکھنے والے کی نظر سے گزرتا ہے اس لیے اس کا تعلق زمانہ حال سے ہوتا ہے ماضی کے حلات، واقعات یا تاریخی کتابوں سے ماخوذ داستانوں کو رپورتاژ کا موضوع نہیں بنایا جاتا۔

جہاں تک رپورتاژ کے موضوع کا تعلق ہے تو اس ضمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ سماجی اور اجتماعی مسائل پر مبنی ہونا چاہیے۔زندگی جس قدر وسیع اور جامع ہے اسی قدر رپورتاژ کے موضوعات کا بھی دامن پھیلا ہُوا ہے۔ایسے واقعات، حادثات اور حالات جو پورے سماج پر اثر انداز ہو سکتے ہوں، رپورتاژ کا موضوع بنتے ہیں۔

تہذیبی، ثقافتی اور ادبی جلسوں، کانفرنسوں اور تقاریب پر اُردو میں سب سے زیادہ رپورتاژ لکھے گئے ہیں۔ سیر و سیاحت کے موضوع پر بھی کافی حضرات نے رپورتاژ لکھے ہیں اس موضوع پر ابراہیم جلیس، ظفر پیامی، قدرت اللہ شہابؔ اور گیان چند جین نے اپنا قلم اُٹھایا ہے۔

رپورتاژ کا جہاں تک جموں صوبے میں تعلق ہے یہاں اس صنف کی زیادہ ترقی نہیں ہُوئی البتہ کرشن چندر نے ''پودے'' اور صبح ہوتی ہے'' کے موضوعات کو لے کر رپورتاژ لکھے قدرت اللہ شُہابؔ نے ''تو بھی رہگزر میں ہے'' اور جموں یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو کے پہلے صدر (۱۵-۱۰-۱۹۶۵-۰۵-۱۰-۱۹۷۶ء) پروفیسر گیان چند جین نے ''کتابوں کی تلاش میں'' کے موضوع پر رپورتاژ لکھا ہے۔

سوانح نگاری

سوانح نگاری دو الفاظ کا مجموعہ ہے یعنی سوانح اور نگاری سوانح جمع ہے سانحہ کی۔ جس کے معنی لغات میں واقعات، حادثات، حالات، روئے داد وغیرہ دیے گئے ہیں۔ دوسرا لفظ نگاری ہے۔ نگار لکھنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سوانح نگاری سے مراد کسی شخص کے حالات لکھنے سے لیے جاتے ہیں نثر میں کافی اصناف ہیں افسانہ ناول، داستان، ڈرامہ، تنقید و تحقیق، مکتوب نگاری، انشائیہ، سفرنامہ، رپورتاژ، خاکہ نگاری، تمثیل نگاری، مکتوب نگاری، طنز مزاح یہ سبھی نثری اصناف ہیں۔ ان اصناف کے علاوہ سوانح نگاری بھی نثر کی ایک صنف ہے۔ اُردو میں ادبی سوانح نگاری کے ابتدائی نقوش ادبی تنقید کی طرح تذکروں میں ہی ملتے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی کی ''یادوں کی بارات'' آل احمد سرورؔ کی ''خواب باقی ہیں'' کلیم الدین احمد کی ''اپنی تلاش میں'' صالحہ عابد حسین کی ''سلسلہ روز و شب'' کلیم عاجز کی ''ابھی سُن لو مجھ سے'' اختر الایمان کی'' اس آباد خرابے میں'' مسعود حسین خاں کی ''ورود مسعود'' ادا جعفری کی ''جو ہی سو بے خبری رہی'' کشور ناہید کی ''بُری عورت کی بری کتھا'' وغیرہ خودنوشت سوانح حیات ہیں۔ ''مجھے کہنا ہے کچھ اور بھی'' غلام السیدین کی سوانح حیات ہے۔ ''حیات جاوید'' سرسید کی سوانح حیات ہے۔ یہ ایک مسلم

حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اُردو میں سوانح نگاری کی بنیاد باقاعدہ طور پر مولانا الطاف حسین حالؔی نے سر سید احمد خاں کی سوانح حیات لکھ کر رکھی۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ جوشؔ، کلیم الدین احمد، صالحہ عابد حسین، کلیم عاجز، مسعود حسین خاں، کشور ناہید نے خود لکھ کر سوانح نگاری جیسی نثری صنف کو آگے بڑھایا۔

جہاں تک اس جموں صوبے میں صنف کے آغاز و ارتقا کا تعلق ہے تو اس ضمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ دوسری اصناف کے مقابلے میں یہاں اس صنف نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ قدرت اللہ شہابؔ نے خود نوشت ''شہاب نامہ'' لکھا۔ جو لگ بھگ تیرہ سو صفات پر مشتمل ہے۔ جس میں بے شمار عبرتیں چھپی ہوئی ہیں اس میں مصنف اور دوسرے کئی اشخاص اور اداروں کے حقیقی خدو خال اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس لیے اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ شہاب نامہ مکمل طور پر ایک قوم اور ایک ملک کے عروج و زوال کا آئینہ دار ہے۔ یہ اہل سیاست کی دغابازیوں، اور ہیرا پھیریوں کے علاوہ سربراہوں کی کج رویوں، نوکر شاہی کی حضوریوں، بیوروکریٹس کی من مانیوں اور معاشرے کے بے حسی کی بے لاگ داستان ہے اس کے علاوہ ''آتش چنار'' کے نام سے شیخ محمد عبداللہ کی سوانح عمری بھی ہے۔ جسے ساہتیہ اکادمی کے ایوارد سے نوازا گیا ہے۔

اخبارات ورسائل

صوبہ جموں میں اُردو نثر کی اشاعت وترویج میں اخبارات ورسائل کا ایک اہم رول رہا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کا پہلا اخبار ''رنبیر'' کے نام سے ۱۹۲۴ء میں لالہ ملک راج صراف کی ان گنت کوششوں سے جاری ہُوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ''رتن'' کے نام سے ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔ اس کی اشاعت دسمبر ۱۹۳۴ء میں شروع ہُوئی۔ شمالی ہندوستان میں یہ رسالہ بہت مقبول ہُوا۔ اس رسالے کے اسپیشل نمبر بھی شائع ہوتے رہے۔ جس میں ادبی وثقافتی معلوماتی اور تعلیمی مضامین وکہانیاں شائع ہوا کرتیں۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ ہندوستان بھر میں اس کی مانگ روز بروز بڑھنے لگی اور رتن کے انتظامیہ کو اس کی تقسیم کے لیے آرڈر ملنے لگے دور دراز جگہوں جیسے کپور تھلہ، رام پور، حیدرآباد، بہار، سندھ یہاں تک کہ مدراس اور ممبئی سے بھی آرڈر ملنے شروع ہوگئے۔ اس کی بڑھتی ہُوئی مقبولیت اور مانگ کے زیر اثر مہاراجہ نے اس کے لیے کاغذ کا کوٹا بڑھا دیا۔ صداقت یہ ہے کہ ایشیا اور امریکا کے بہت سے ایسے ممالک سے بھی اس کی مانگ کی گئی جہاں ہندوستانی باشندے مقیم تھے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ رسالہ جاری رہا مگر ملک کی تقسیم کے بعد اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

رتن کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقسیم وطن کے بعد بھی کئی برسوں تک ملک اور بیرون ملک سے اس کے لیے آرڈر ملتے رہے۔ رتن کی شہرت کے سلسلے میں بازیافت میں اس طرح لکھا گیا ہے۔

''لالہ ملک راج صراف نے ۱۹۳۴ء میں بچوں کے ایک رسالے ماہنامہ ''رتن'' کا بھی اجرا کیا۔ یہ اقدام فعال ثابت ہُوا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس رسالے نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کر لی۔ یہ رسالہ شمالی ہندوستان کے بچوں کے رسائل میں سب سے اہم مقام رکھتا ہے اس نے بچوں کے ادب کا ایک نیا معیار قائم کیا۔ لاہور کے ہفت روزہ ''پھول'' کے سوائے اس کی ٹکر کا کوئی اور بچوں کا رسالہ اس زمانے میں نہیں تھا۔'' [۱]

۱۹۵۰ء میں لالہ ملک راج صراف نے دو اور رسالے شروع کیے ان میں سے ایک ''کشمیر انڈسٹری'' اور دوسرا ''کشمیر میں یہ ہفتہ'' مگر یہ دونوں رسالے زیادہ دیر نہ چل سکے۔

ان رسائل کے علاوہ جموں سے ''پریم'' کے نام سے مشہور صحافی نرسنگھ داس نرگسؔ کی ادارت میں ایک رسالہ شائع ہُوا۔ اس رسالہ نے بھی کافی شہرت حاصل کی

۱۔ بازیافت (۱۹۸۴) شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی ص ۱۴۷

جب قیس شیروانی اور کشمیری لال ذاکر کی ادارت میں ''فردوس'' نام سے ایک رسالہ جموں سے جاری ہُوا۔ ان رسائل کی وجہ سے نہ صرف جموں صوبہ بلکہ ریاست بھر کے اُردو ادیبوں کو اپنی تخلیقی صلاحتیوں کے اظہار کا موقع ملا اور انہی صفحات نے انہیں شہرت بخشی۔ ٹیچر ٹریننگ اسکول، سری نگر کی طرف سے تعلیمی اور تدریسی پرچہ ''تعلیم جدید'' شائع ہوتا رہا۔ اس کے مدیر پیرزادہ غلام رسول نازکی تھے۔ اور نگران ناظم تعلیمات خواجہ غلام السیدین تھے۔ مہاتما گاندھی کے نئ تعلیم کے تصور بنیادی تعلیم (Basic Education) کو عام کرنے کی اور طریقہ تعلیم کے نظام کو سمجھانے میں اس رسالے نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ فردوس اور پریم رسائل کے بارے میں بازیافت میں اس طرح لکھا گیا ہے۔

> ''رسائل میں پریم اور فردوس (جموں) ذکر کے لائق ہیں۔ پریم نرسنگھ داس نرگسؔ نکالتے تھے اور فردوس کی ادارت قیس شیروانی اور کشمیری لال ذاکرؔ کے سپرد تھی''۔[1]

۱۹۴۷ء کے بعد رسائل کی تعداد میں اضافہ ہُوا۔ محکمہ اطلاعات نے ظفر پیامی کی ادارت میں ''تعمیر'' نکالا۔ جموں سے ویدراہی نے ''سویرا'' موہن یاور نے ''سنگم'' نندگوپال باوا نے ''نوری چھم'' شروع کیا۔ محکمہ دیہات سُدھار کا رسالہ دیہات

۱۔ بازیافت شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی ۱۹۸۴ء ص ۱۴۸

سدھارگنگا دھر بٹ دیہاتی کی ادارت میں چھپنے لگا۔اس کے علاوہ کلچرل کانفرنس نے کوانگ پوش (اُردو) اورآزاد نکالا۔گل ریز، جیوتی، وکیل، ہما، جھرنا، کینواس دیش، جموں پروگریسورائٹرس ایسوسی ایشن کا ادبیات، شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی کا نیا شعور، ادبیات، آگہی اور بازیافت اور کشمیر یونی ورسٹی کے اقبال انسٹی ٹیوٹ کا اقبالیات وغیرہ شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی کا تسلسل قابل ذکر ہیں۔ مقامی کالجوں کے رسائل میں پرتاپ، لالہ رُخ، توی (آئینہ، حروف بہ حروف، اور شہلنا گ میں مقالہ نگار کے آرٹیکل درج ہیں) محکمہ تعلیم کا تعلیمی اور تدریسی مجلّہ ''تعلیم جدید'' پیرزادہ غلام رسول نازکی نے ناظم تعلیم خواجہ غلام السیدین کی نگرانی میں باقاعدگی سے نکالے ہیں۔مرحوم شیم احمد شیم نے ''تعمیر'' کوایک نئی جہت عطا کی اور اسے ملک کے اُردو دان طبقے میں روشناس کیا۔ریاستی ٹیچرس ایسوسی ایسن کا رسالہ ''اُستاذ'' کافی عرصہ تک شائع ہوتا رہا اس سے اُردو نثر کے امکانات صوبہ میں ہی نہیں بلکہ ریاست بھر میں روشن ہُوئے۔اُردو شعر وادب کی اشاعت میں کلچرل اکادمی کی مساعی کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔اس کے اہتمام سے شائع ہونے والے شیرازہ (اُردو) اور ہمارا ادب (اُردو) نے گذشتہ برسوں میں کئی ایسے نمبر شائع کیے جن کی دستاویزی اہمیت ہے۔ضلع ڈوڈہ سے شائع ہونے والا دوماہی جریدہ ''روشنی کا سفر'' بھی صوبہ جموں میں علم کی روشن پھیلانے میں رواں دواں ہے۔ان کے علاوہ بھی

جموں سے متعدد اخبارات ورسائل شائع ہورہے ہیں جو اُردو شعر وادب کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔

صوبہ جموں سے شائع ہونے والے چند مشہور اخبارات:

۱: البیان

۲: قومی آواز

۳: کشمیر عظمیٰ

۴: سندیش

۵: پیام جمہور

۶: کاشت کار

۷: تصویر

۸: تسکین

۹: راہِ منزل

۱۰: برقی دُنیا

۱۱: شاردا

۱۲: نوائے ڈگر

۱۳: کشتواڑ ٹائمز

۱۴:تری کوٹہ ٹائمز

۱۵:سرحدیں

۱۶:اُڑان

۱۷: دامنِ شب (پندرہ روزہ)

۱۸:صدائے سرحد (ہفتہ وار)

۱۹:ستاروں سے آگے (ہفتہ وار)

۲۰: راجوری ٹائمز (سہ روزہ)

۲۱:صدائے کوہسار (ہفتہ وار)

۲۲:عدل وانصاف

۲۳:ماورِ ہند

۲۴:حیدر

۲۵:چناب

۲۶:ضمیر خلق

۲۷: حق کی آواز

خطہ جموں سے شائع ہونے والے یہ ایسے اخبارات ہیں جو یہاں کہ علمی و ادبی پیش رفت کا ترجمان ہیں۔

پیش لفظ

''صوبہ جموں میں اُردو زبان وادب کاارتقا'' کے موضوع پر مقالہ پیش خدمت ہے میں نے اپنا یہ مقالہ تمام ضروری تحقیقی اور علمی (اکیڈمک) شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے پی.ایچ .ڈی کی سند کے حصول کے لیے قلمبند کیا ہے۔

دراصل اُردو دنیا کے بڑے اور چھوٹے مراکز میں صوبہ جموں کی بھی ایک خاص اہمیت ہے دہلی ،لکھنو،لاہور اور کراچی جیسے بڑے اُردو مراکز سے دور صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی داستان نہایت دِلچسپ اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا محض ڈیڑھ دوسو برسوں میں اس تیزی سے ہوا کہ اتنی تیزی سے اُردو کا ارتقا کسی اور علاقے میں شاید ہی ہوا ہو گا۔ ریاست جموں وکشمیر یوں تو تین صوبوں جموں ،کشمیر اور لداخ پر مشتمل ہے ۔ تقسیم ملک اور کشمیر سے پہلے گلگت،اوربلتستان،اورمظفرآباد وغیرہ علاقے بھی اس ریاست میں شامل تھے۔ ابتدا سے ہی اس ریاست کی تمام سیاسی ، سماجی ، علمی اور ادبی

سرگرمیوں کا مرکز جموں ہی رہا ہے ۔اس اعتبار سے جموں میں اُردوزبان و ادب کا کوئی بھی جائزہ ایک اعتبار سے پوری ریاست میں اُردو زبان و ادب کے جائزے کے مترادف ہو گا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ موجودہ دور بڑے اور ترقی یافتہ مراکز کی بجائے چھوٹے اور کم ترقی یافتہ مراکز کی لسانی ادبی اور ثقافتی صورت حال کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کا دور ہے۔اس کی وجہ یہ ہے ۔کہ عالمی یا ملکی تناظر میں لیا گیا کوئی بھی جائزہ چھوٹے اور ذیلی مراکز کی لسانی و ادبی سرگرمیوں کے آغاز وارتقا اور رفتار و معیار کی تفاصیل سے عادی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کسی مخصوص صوبہ یا علاقہ کے حوالے سے جب کسی زبان اور اس کے ادب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے تو اس سے نہ صرف اس علاقہ کے جغرافیائی حالات ،تاریخی کوائف اور وہاں بسنے والوں کے رسوم ورواج اورمزاج کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔بلکہ اس حلقہ کے وہ سارے لسانی اور ثقافتی ،سماجی اورسیاسی اسباب وعلل بے نقاب ہوجاتے ہیں۔جن کی بنا پر کسی زبان اور اسکے ادب کا آغاز وارتقا ہوتا ہے ۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں مرکز سے دور پس ماندہ اور غیر

ترقی یافتہ سرحری علاقوں کی سماجیات اورمعاشیات کے ساتھ ساتھ ادب وثقافت کےمطالعے کو بھی اہمیت دی جارہی ہے ۔ظاہر ہے کہ اس طرح کے علاقائی مطالعات سے ان دور دراز علاقوں کی ادبی و ثقافتی سطح پر دوسرے علاقوں سے جوڑے رکھنے میں بڑی مدد ملے گی جو بہر حال ہندوستان کی یکجہتی اورسالمیت کے لیے بے حد ضروری ہے ۔چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے اپنے نگران ڈاکٹر برکت علی کے مشورے پر اپنے پی ۔ایچ ۔ڈی کے مقالے کے لیے'' صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا(۱۸۵۰ء۔۱۹۴۷ء)'' جیسے موضوع کا انتخاب کیا۔

میرے اس تحقیقی منصوبے کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے ۔جبکہ ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان ہی ہے ۔ جو اس ریاست کے مختلف علاقوں کے لوگوں کو ہی نہیں پورے برصغیر کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے ۔ ریاست جموں و کشمیر کے تینوں صوبوں جموں، کشمیر اور لداخ میں رابطے کی ،لنگوا فرینکا Lingua franka اُردو ہی ہے ۔ریاست کے تینوں خطوں میں مختلف زبانیں اور بولیاں موجود ہیں۔ اُردو یہاں کے لوگوں کی مادری

زبان نہیں اسکے باوجود اُردو ہی اس ریاست کی سرکاری زبان ہے۔
تجارت اورتعلیم سے لےکر سیاست تک اُردو ہی کووسیلہ بنایا گیاہے ۔
لیکن اس دور دراز پہاڑی ریاست میں اُردو زبان وادب کو یہ مقام
کیوں کر حاصل ہوا اور غیر اُردو داں ادیبوں اورشاعروں اورمختلف
اداروں نے اُردو و ادب کے فروغ میں کس کس طرح کےکارنامے انجام
دے ،اور عالمی سطح پر اُردو ادب کے معیار کے حوالے سےصوبہ جموں
کے اُردو ادب کی کیااہمیت ہے ۔ان سارے نکات کو ذہن میں رکھتے
ہوئے میں نے تحقیق کےاصولوں کے مطابق اپنے مقالے کودرج ذیل
ابواب میں تقسیم کیاہے۔

ابواب :

باب اول :۔ جموں کامختصرجغرافیائی وتاریخی جائزہ

باب دوم:۔ جموں کی دوسری زبانوں سےاُردو کےلسانی رشتےاوران پر(اُردو کے)
اثرات

باب سوم:۔ اُردو کی ترقی میں مختلف ادبی اداروں،انجمنوں اورتحریکوں کا حصہ

باب چہارم :۔جموں میں ترسیل وابلاغ کےذرائع اور اُردو

باب پنجم :۔ جموں میں اُردو شاعری کا آغاز وارتقا

باب ششم :۔ جموں میں اُردو نثر کا آغاز وارتقا

باب ہفتم :۔ جموں یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو کی ادبی خدمات

باب ہشتم :۔ حاصل مطالعہ

میں نے اپنے مقالے کو مندرجہ بالا ابواب کے حوالے سے تازہ ترین اور مستند و معتبر معلومات اور تحقیقات سے آراستہ کر کے پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے ۔میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو میرے مقالے کے ممتحن حضرات ہی کرینگے لیکن میں اپنے کام سے مطمئین ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرے اس کام کو سراہا جائے گا۔

اپنا یہ مقالہ پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے میں اپنے والد اور اپنی والدہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی دُعاوں کے طفیل میں اس مقام تک پہنچنے کے قابل ہوا۔

میں اپنے فاضل نگران پروفیسر برکت علی اور ان کے شریک کار ڈاکٹر عزیز عباس صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنے سے قاصر ہوں۔اگر ان کی ہمدرویاں اور شفقتیں میرے شاملِ حال نہ ہوتیں تو پونچھ جیسے

دوردراز اور پس ماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والے مجھ جیسے طالب علم کے لیے پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔اس کے ساتھ ہی میں شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی کے نائبِ صدر پروفیسر قدوس جاوید کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے ہر موقع پر مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

بہرحال میں اپنا یہ مقالہ ممتحن حضرات کی خدمت میں اس اُمید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ میری خامیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھ ناچیز کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

احقر

نجم دین

ماحصل

کسی بھی زبان میں تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تنقیدی ادب کے نمونے سامنے آتے ہی رہتے ہیں۔لیکن ادب کی تخلیق کی رفتار اور معیار کے تعین کے لیے قدیم وجدید معلومات میں ترمیم واضافہ اورتردیدوتصدیق کے عمل کا جاری رہنا بھی ضروری ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ کسی بھی زبان کےادب کےارتقا کاانحصار ہی اختلاف ، انکشاف اور اجتہاد پر ہوتا ہے ۔ چنانچہ دانش گاہوں میں اُردو زبان و ادب کے حوالے سے تحقیقی مقالے لکھے جانے کا مقصدبھی ،کسی موضوع سے متعلق تازہ ترین معلومات کے ذریعہ ادب کے ابعاد اورامکانات کو روشن کرنا ہوتا ہے تا کہ ادب کی تاریخ میں نئے ابواب کا اضافہ ہوسکے۔چنانچہ میں نے بھی پی۔ایچ۔ڈی پروگرام کے اپنے مقالے میں ’’صوبہ جموں اُردو زبان و ادب کاارتقا ‘‘کے عنوان سے ، اُردو زبان و ادب کی تاریخ میں صوبہ جموں کے حوالے سے ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی تاریخ نہ زیادہ پرانی ہے اور نہ ہی وقیع لیکن اس کے باوجود ریاست جموں و کشمیر میں گذشتہ سوڈیڑھ سو برسوں میں ہی اُردو زبان و ادب نے کیفیت اور کمیت پراعتبار سے ترقی کی جو منزلیں طئے کی ہیں وہ کسی بھی اُردو دوست صاحب ذوق کو متوجہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ ریاست زمانہ قدیم سے ہی علم و ادب کا گہوارہ رہی ہے۔ قدیم دور میں ،آنند وردھن ، ابھنوگیت اورممٹ وغیرہ نے ، شعر و ادب کے موضوع پر جو کتابیں لکھی ہیں وہ صرف سنکرت ادب میں ہی نہیں عالمی ادب میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں اورشاعری میں لفظ ومعنی اہمیت اور تا ثروکیفیت کی معنویت کے بارے میں ان سنسکرت عالموں کے خیالات سے آج بھی نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کے ادیب وشاعرزبان داں اور دانشور استفادہ کر رہے ہیں ۔اسی طرح سنسکرت کے بعد شیخ العالم حضرت نورالدین نورانی ،لہلہ عارفہ اور حبہ خاتون وغیرہ کے کشمیری کلام اور میر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی فارسی اورعربی تحریروں نے بھی ریاست کے عوام میں علم و ادب کا ذوق بھی پیدا کیا اور ان کے لسانی

شعور میں ایسی زرخیزی پیدا کی کہ ان کی مادری زبانوں کشمیری ۔گوجری ڈوگری وغیرہ کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کو بھی پھلنے پھولنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوئی۔

لیکن ریاست جموں و کشمیر میں اُردو وادب کے آغاز کے اسباب کیا تھے اور اس کے ارتقا میں کن سیاسی اورثقافتی محرکات نے اہم کردارادا کیا۔ان ساری باتوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ میں نے اپنے مقالے میں تفصیل کے ساتھ لیا ہے۔اپنے تحقیقی منصوبے کو سات ابواب میں پھیلا کر میں نے کس طرح صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کے ارتقا کے اسباب و علل ،رفتار اور معیار کی جزئیات کو سیمیٹا ہے۔ ان سب کو دُہرانے کی ضرورت تو نہیں لیکن ماحصل کے عنوان سے میں یہاں اپنے موضوع سے متعلق نتائج اورنظریات کو الگ الگ باب میں مذکرر تحقیقی وتنقیدی نتائج اورتاثرات کا اجمالی بیان ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے مقالے کا باب اول صوبہ جموں کے جغرافیائی اورامتیازات اورتاریخی حقائق مقامات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ریاست جموں و کشمیر آزاد ہندوستان کے شمال میں واقع ایک وسیع و عریض ،پہاڑی لیکن سر سبز وشاداب علاقہ ہے۔ اس پورے علاقے کو ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے

بعد انتظامی نقطہ نظر سے تین حصوں بانٹا گیا ہے۔

۱:۔ صوبہ جموں

۲:۔ وادی کشمیر

۳:۔لداخ اور لیہہ

یہ تینوں علاقے پہاڑوں سے گھرے ہوئے ہیں۔چھوٹے بڑے پہاڑوں کی بلندی ۱۰ ہزار سے ۲۰ ہزار فٹ تک بتائی جاتی ہے ۔ان پہاڑوں کے دامن میں وسیع و عریض میدانی علاقے ہیں۔جو باغات، جھیلوں اور آبشاروں سے بھرے پڑے ہیں۔یہ پہاڑ اور دریا ہی ریاست کی آبادی کو مختلف علاقوں میں بانٹتے ہیں۔لیکن یہ سارے علاقے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں ۔بعض تنگ دروں اور جیھلوں کی وجہ سے کچھ علاقوں تک پہنچنا دُشوار ہے ۔ ورنہ ریاست کے بیشتر حصوں کو سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اور اب ریلوے کے ذریعے آمدورفت اور رسل ورسائل کی مزید سہولیت پیدا کی جا رہی ہیں۔ کشمیر اور جموں میں گلمرگ، پہلگام اور سون مرگ اور صوبہ جموں میں جحر کوٹلی ،کٹرہ، باغ بہو، جھیل مانسر، پتنی ٹاپ، وغیرہ متعد د سیاسی مراکز ہیں۔ بحثیت مجموعی جموں وکشمیر کی ریاست غیر معمولی قدرتی

مناظر سے مالا مال ہے۔وادی کشمیر کو زمین کی جنت (فردوس برروئے زمین) کہا جاتا ہے ۔جبکہ صوبہ جموں کو لوگ مندروں کے لیے یاد کرتے ہیں۔ اور جموں شہر کو ''مندروں کا شہر'' City of Temples کہا جاتا ہے۔

صوبہ جمون کی آب وہوا کشمیر کے مقابلے میں گرم ہے اسی لیے ،موسم سرما میں سرکاری دفاتر کشمیر سے جموں منتقل ہو جاتے ہیں۔ جموں کا علاقہ تاریخی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔الگ الگ وقتوں میں ریاست جموں و کشمیر پر کبھی پٹھانوں کبھی مغلوں ،کبھی انگریزوں اور کبھی سکھوں نے حکومت کی ۔پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک ڈوگرہ فوجی افسر گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں ریاست کو ۷۵ لاکھ روپے کے عوض خرید کر ڈوگرہ راج کی بنیاد ڈالی اور اپنے آپ کو مہاراجہ کہلوایا۔صوبہ جموں میں ڈوگرہ مہاراجوں ، گلاب سنگھ ،پرتاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کی تعمیر کردہ متعدد عمارتیں، باغات ، کتب خانے وغیرہ آج بھی موجود ہیں ۔جن سے صوبہ کی تاریخ مرتب کرنے میں مدد ملتی ہے ۔میں نے اس باب بعض تاریخی مقامات کا ذکر کیا ہے جن میں قلعہ بہو، رگھوناتھ مندر، درگاہ شاہدرہ شریف، ماتا ویشنو دیوی مندر، چنگس سرائے ، نوری چھم وغیرہ اہم ہیں۔یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میرا مقصد جموں کی

تاریخ اور جغرافیہ کا جائزہ لینا نہیں ہے۔ بلکہ میں نے صوبہ جموں میں اُردو و ادب کے آغاز ارتقا کے تحقیقی وتنقیدی جائزے کے لیے زمین ہموار کرنے کی غرض سے صوبہ جموں کے جغرافیہ اور تاریخ سے متعلق محض چند اشارے کئے ہیں۔

میرے مقالے کے دوسرے باب کا عنوان ''جموں کی دوسری زبانوں سے اُردو کے لسانی رشتے اور ان پر اُردو کے اثرات '' ہے ۔یوں تو ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح جموں میں بھی کئی زبانیں اور بولیاں ہیں۔ اور احتشام حسن کے بقول اگر''ہندوستان زبانوں کا عجائب خانہ ہے۔تو جموں کو بھی زبانوں اور بولیوں کا ایک چھوٹا عجائب گھر قرار دیا جاسکتا ہے ۔صوبہ جموں میں خاص طور پر درج ذیل بولی لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

ا:۔ کشمیری

۲۔ گوجری

۳:۔ڈوگری

۴:۔پنجابی

۵:۔بھدرواہی

ان سبھی زبانوں کو ''اُردو ''ایک دوسرے سے جوڑتی ہے ۔ان زبانوں نے اُردو سے ہاتھ ملا کے لسانی ہی نہیں ادبی سطح پر بھی اپنے آپ کو مالا مال کیا ہے ۔۱۹۴۷ء سے قبل تک ریاست جموں وکشمیر ایک الگ تھلگ ریاست رہی ہے۔آمد ورفت اوررسل ورسائل کی کمی کی وجہ سے ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں جموں وکشمیر میں تبدیلی اور ترقی کی رفتار میں سُست رہی۔اسی لیے جموں وکشمیر میں علمی و ادبی سرگرمیوں کا آغاز بھی کافی تاخیر سے ہوا ۔خاص طور پر اُردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی تاریخ بھی نہ زیادہ پرانی ہے اور نہ وقیع ،کیونکہ اُردو یہاں اٹھارہویں صدی میں اپنے بال و پر نکالتی ہے۔لیکن ریاست جموں و کشمیر میں قدیم دور میں سنسکرت کی شاہکار تصنیفات وجود میں آئیں ،آنند وردھن ،کی تصنیف ''دھونیہ لوک''ابھنوگیت کی ''ابھنو بھارتی'' اورممٹ کی ''کاویہ پرکاش''وغیرہ سنسکرت شعریات کی بنیادی تصنیفات مانی جاتی ہیں۔ اور یہ ساری اور بہت سی دوسری تصنفیات جو ''علم الشعر'' سے تعلق رکھتی ہیں ۔کشمیر میں ہی لکھی گئیں،اس کے علاوہ شیخ لرام حضرت نورالدین نورانی اور لہلہ عارفہ کے فارسی شلوک(کلام)اور امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی اور ان کے شاگردوں

اور عقیدت مندوں کی فارسی اورعربی نگارشات نے بھی ریاست جموں وکشمیر میں نوربصیرت عام کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ادبی ماحول بھی تیار کیا اور اس ریاست میں اُردو زبان وادب کے فروغ وارتقا کی راہیں ہموار ہوتی گئیں۔ جموں اور کشمیر میں اُردوزبان وادب کے باضابطہ نمونے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں ۱۸۴۶ء میں ڈوگرہ حکومت قیام کے بعد سامنے آنے لگے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد (۱۸۵۷ء ۱۸۸۵ء) تک آتے آتے جموں میں اُردو میں ترجمہ اورتصنیف وتالیف کے نمونے کثرت سے ملنے لگے اوردیکھتے ہی دیکھتے اُردو جموں و کشمیر کی دوسری زبانوں کشمیری،ڈوگری،گوجری اورپنجابی وغیرہ سے نہ صرف آگے نکل گئی بلکہ جموں کے شعرا وادبا نے اُردو شاعری اورنثر کے اعلیٰ نمونے بھی پیش کئے چونکہ جموں کے اُردو ادب کے پیچھے دلی لکھنو اورلاہور ،امرت سراورجالندھر میں صدیوں سے تخلیق کئے جانے والے اُردو شعر وادب کی مضبوط و مستحکم روایات بھی تھیں۔اس لیے جموں میں بھی اُردو ادب ایسے معیار کے ساتھ سامنے آیا ۔کہ جموں کی دوسری زبانوں کے ادیبوں اورشاعروں نے بھی اُردو شعر وادب سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔یہاں تک کہ کشمیری ، ڈوگری،گوجری اورپنجابی کے اکثرو بیشتر ادیبوں اور شاعروں نے تو اُردو میں

ہی لکھنا شروع کر دیا۔اس طرح اس علاقہ کی دوسری زبانوں کے ساتھ اُردو مضبوط رشتے قائم ہوئے۔میں نے جموں کی زبانوں کے ساتھ اُردو کے رشتوں اور اثرات کا اختصار کے ساتھ الگ جائزہ لیتے ہوئے پوری صورت حال کو اس باب میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

باب سوئم ''اُردو کے فروغ میں مختلف ادبی اداروں ،انجمنوں اور تحریکوں کے کردار'' متعلق ہے ۔صوبہ جموں کے تمام اہم شہروں اور قصبوں مثلاً جموں شہر ، پونچھ، راجوری ،اُودھم پور ،بھدرواہ،کشتواڑ وغیرہ میں مختلف ادارے اُردو زبان وادب کے فروغ و ارتقا کے لیے سرگرم رہے ہیں۔لیکن تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو پہلی انجمن جو جموں میں قائم ہوئی وہ ''بدیا بلاس سبھا '' تھی ۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۱۸۸۲ء میں''بدیا بلاس سبھا'' پریس قائم کیا۔اسی نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا جو اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا، بدیا بلاس سبھا کے نام سے ہی ایک ادبی مجلس بھی قائم کی گئی جس کی نشتیں ہفتہ میں ایک بار ہوا کرتی تھیں۔اور ان نشتوں میں ہندی اور ڈوگری کے علاوہ اُردو فارسی کے شاعر ادیب اور دانشور بھی شریک ہوتے تھے ، مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کئی کُتب خانے قائم کئے اور ایک دارالترجمہ بھی قائم

کیا ۔جس کے تحت سنسکرت اور فارسی کی کتابوں کے ترجمے اُردو اور ہندی میں کروائے گئے ۔ اور انھیں شائع بھی کیا گیا۔

بدیا بلاس سبھا کے بعد جموں میں ''بزم سخن '' کا قیام عمل میں آیا جس کا نام بعد میں بدل کر ''بزم اُردو جموں و کشمیر'' کر دیا گیا۔اسی طرح کشتواڑ میں'' بزم ادب کشتواڑ'' بزم مشاعرہ جموں کے علاوہ پونچھ ،راجوری، بھدرواہ ، وغیرہ میں بھی کئی ادبی انجمن قائم ہوئیں اور اب بھی ہیں۔اس کے علاوہ ریاستی محکمہ اطلاعات ،کلچرل اکیڈمی وغیرہ کی سرگرمیوں نے بھی اُردو زبان وادب کے عروج میں اہم کردارادا کیا۔کل ہند پیمانے پر سرگرم تحریکات اور انجمنوں مثلاً سرسید تحریک ،انجمن حمایت الاسلام، ترقی پسند تحریک اور حلوہ ارباب ذوق کے علاوہ مذہبی تحریکوں اور ناٹک کمپنیوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی جموں میں اُردو زبان وادب نے مقبولیت کے زینے طئے کئے۔میں نے اس باب میں ان تمام انجمنوں ، اداروں اور تحریکوں کی کارکردگیوں کا اختصاع کے ساتھ تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

کسی بھی معاشرے میں ترسیل وبلاغ کے ذریعے، سماجی ،سیاسی اور ثقافتی اصطلاح اور تعمیر کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی ترقی کے حوالے

سے بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔اسی لیے میں نے جموں میں اُردو زبان و ادب کے ارتقا کا جائزہ لینے کے لیے جموں کے ذریع ترسیل وابلاغ کو بھی اپنی تحقیق کے دائرے میں شامل کیا ہے۔میرے مقالے کا چوتھا باب ''جموں صوبے میں ترسیل وابلاغ کے ذرئع کے مطالعے پر ہی مشتمل ہے۔

''ترسیل''عربی لفظ ہے ۔جس کا مادہ ''رسل ''ہے ۔اور جس کے معنی بھیجنے ،روانہ کرنے اور پہنچانے کے ہیں۔اُردو میں''ترسیل '' کا لفظ انگریزی اصطلاح communication کے معنوں میں استعمام ہوتا ہے ۔ جس کا مفہوم دواشیاء کے درمیان رابطہ پیدا کرنا،دوافراد کے درمیان افہام قائم کرنا ،دوسروں تک اپنی بات پہنچانا اور اپنے نظریات وتجربات میں دوسروں کوشریک کرنا وغیرہ ہیں۔انگریزی communication جس لاطینی لفظ communic سے ماخوذ ہے ۔اس کے معنی اشتراک اورحصہ داری کے ہیں ۔یعنی جب ہم اپنی کوئی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں تو اس کا مقصد مخاطب یا مرسل الیہ کو اپنے نظریات،خیالات اور تجربات میں شریک کرنا ہوتا ہے،ذرئع ابلاغ ادب اورزندگی سے متعلق جو اطلاعات ،معلومات ،تصورات اورتجربات نشر کرتے ہیں ۔ یادکھاتے ہیں۔ اسد مقصدعوام کوان معلومات اورتجربات میں شریک

کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ عوام اجتماعی طور پر تازہ ترین حالات ،مسائل خطرات اور امکانات سے آگاہ ہو سکیں اور ان میں شریک ہو کر انفرادی اوراجتماعی ترقی اور تعمیر کے بارے میں لائحہ عمل تیار کر سکیں ۔ ترسیم وابلاغ کے ذرائع سیاسی ،سماجی ،ثقافتی اورمعاشی موضوعات کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں سے متعلق معلومات اورتخلیقات کی ترسیل کےحوالے سے بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔چنانچہ جس طرح ملک کے دوسرے علاقوں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذرائع سے ادبی پروگرام براڈ کاسٹ اور ٹیلی کاسٹ کئے جاتے ہیں۔ دراصل کشمیر اور جموں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اپنے اُردو پروگراموں کے ذرائعہ اُردو زبان و ادب کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیاہے۔ ریڈیو اورٹی وی کےاُردو پروگراموں کےسبب جموں وکشمیر جیسی غیر اُردو ریاست میں اُردو زبان و ادب کوگھر گھر پہنچنے کاموقع ملا ۔اور چونکہ جموں وکشمیر کی دیگر زبانوں کشمیری ،ڈوگری ،اورپنجابی وغیرہ میں وہ فارسی اور عربی الفاظ بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔جو اُردو زبان کا بھی حصہ ہیں،لہٰذا ریڈیواورٹی وی کے اُردو پروگراموں کے ذرایعے غیر اُردو داں حلقوں تک اُردو زبان و ادب کی

شیرینی ،مسرت خیزی اوربصیرت افروزی کی ترسیل ہونے لگی۔اس ترسیل کے نتیجے میں کشمیر کی طرح جموں میں بھی اظہار کے لیے کشمیری اورڈوگری سے زیادہ اُردو وسیلہ اظہار کے طور پر استعمال کرنے کارواج عام ہوا۔ چونکہ ریاست جمون وکشمیر میں رابطے کی زبان اُردو ہے۔ اور اسے سرکاری زبان ہونے کا شرف بھی حاصل ہے ۔اس لیے ریڈیو اور ٹیلی ویذن سے نہ صرف زیادہ تر خبریں اُردو میں ہی پیش کی جاتی ہیں۔ بلکہ دٖفیگر مسائل اورموضوعات پرمعلومات بھی اُردو مشاعرہ،مباحِچہ اور مقالہ خوانی وغیرہ کے پروگرام بھی پابندی سے پیش کئے جاتے ہیں۔ان پروگرمیوں میں بزرگ ادیبوں شاعروں اوردانشوروں کے علاوہ نوجوان قلم کار بھی حصہ لیتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ریاست جموں وکشمیر میں آزادی کے بعد ریڈیو کا پہلا اسٹیشن سری نگر میں ۱۹۴۹ء میں قائم کیا گیا ۔ چند برسوں کے بعد صوبہ ضنوں میں بھی ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا۔جموں اورکشمیر کے ریڈیوع اسٹیشنوں سے ریاست اور بیرون ریاست کے جوادیب، شاعراور دانشور وابستہ رہے ۔ان میں راجندرسنگھگ بیدؔی ،کمال احمدصدیقی ، مظیر امام ،زبیر صدیقی ،ٹھاکر پونچھی،پریم ناتھ در، قیصرقلندر، غلام رسول نازکی ،

پران کشور،علی محمد لون،عبدالغنی شیخ ،سوم ناتھ سادھو ،میکش کاشمیری ، موہن لال ایمہ
اور کے کے نیر وغیرہ کے نام اہم ہیں ۔ریڈیو کی ملازمت کے حوالے سے
ان ادیبوں اورشاعروں نے کشمیر اور جموں میں اُردو زبان و ادب کے فروغ
میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ان مشہور ومغرب ادیبوں نے کشمیر اور
جموں میں اُردوشاعری ،ڈرامہ نگاری،افسانہ نگاری کے علاوہ تحقیق و تنقید
نگاری کو بھی فروغ دیا۔ریڈیو کی شکل میں ایک پلیٹ فارم مل جانے کی وجہ سے
پرانے اور نئے ،کہنہ مشق اورنو آموز ادیبوں اور شاعروں کو اپنی ادبی
تخلیقات کی عوام تک ترسیل کے لیےایک معتبراورموثر ذرایعہ ہاتھ آ گیا۔
ریڈیو کی ہی طرح ٹیلی ویژن نے بھی کشمیر اور جموں میں اُردوزبان و
ادب کے فروغ میں موثر کرداراداکیا۔ریاست جموں وکشمیر میں ریڈیو اسٹیشن کی
طرح ٹیلی ویژن سینٹربھی پہلے کشمیر میں ۱۹۷۳ء میں قائم کیا گیا ۔ابتدا
سے ''دور درشن کشمیر ''سے اُردو خبروں کے علاوہ مباحثے اورمذاکرے بھی
اُردومیں پیش کئے جاتے رہے ۔اُردو میں ادبی میگزین پروگرام بھی تواتر کے
ساتھ ٹیلی کاسٹ کئے جاتے رہے ۔ان پروگراموں میں خاص طور پر آل احمد
سرور ، پروفیسر شکیل الرحمٰن ،حامدی کاشمیری،محمد یوسف ٹینگ ،پروفیسر قدوس جاوید

،پروفیسرظہورالدین اور حکیم منظور وغیرہ حصہ لیتے رہے ۔اس کے علاوہ وادی کے نوجوانوں کو بھی شعر و ادب کی تخلیق کی جانب راغب کرنے میں دور درشن کے پروگرموں نے اہم کردار ادا کیا ریڈیو کی طرح ٹیلی ویژن سینٹر جموں میں ۱۹۸۰ء کی دہائی میں قائم ہوا۔دوردرشن کینز جموں سے ادبی میگزین پروگرام'' آبشار '' پابندی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔جس میں جموں کے سربر آوردہ ادیب اوردانشورادبی مسائل ،رجحانات اور بدلتے ہوئے ادبی و لسانی رویوں پر مذاکرے کرتے ہیں۔نوجوانوں کے لیے ''نئے چراغ'' کے نام سے اوراُردو کے رسیرچ اسکالروں کے لیے ''عکس واہنگ'' کے نام سے اُردو میں ادبی پروگرام ٹیلی کاسٹ کئے جاتے ہیں۔اس وقت جموں میں رساجاودانی ،عرش صہبائی اورمیکش کاشمیری آنند لہراور پروفیسرظہورالدین کے بعد بھی متعدداُردو شعرا،افسانہ نگاراور ڈرامہ نگار سامنے آ رہے ہیں۔اور جموں میں اُردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنا اپنا کردارادا کررہے ہیں۔

جموں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے خاص طور پر ڈرامہ کے فن کو آگے بڑھانے میں بے حد اہم کردار ادا کیا ۔یوں توریاست جموں و کشمیر میں زمانہ قدیم سے ہی ناٹک اور نقل کرنے والوں کا ذکر ملتا ہے ۔

جھنیں ''بھانڈ'' یا بھانڈ پاتھر'' کہا جاتا تھا۔ بھانڈ مسخرے کو کہتے ہیں۔اور پاتھر کے معنی کسی شخص کی حرکات کی نقالی کرنا ہے ۔اس کے علاوہ جموں وکشمیر میں رقص کی محفلیں سجانے کا بھی رواج رہا ہے ۔کشمیر کی قدیم تاریخی تصنیف ''راج ترنگنی ''میں اندر پربھا نام کی رقاصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ،مشہور کشمیری بادشاہ بڈشاہ کے عہد میں بودھ بھٹ اور سوم پنڈت نے چند ایک ڈرامے لکھے تھے ۔کشمیر اور جموں رقص اور ناٹک کی روایت کی موجودگی کے سبب ریاست سے باہر راس لیلا پارٹیوں اور تھئیٹر یکل کمپنیوں کو اسٹیج ڈرامے پیش کرنے میں آسانی بھی ہوئی اور کامیابی بھی ملی ۔اُردو ڈراما کی پہلی تنقیدی تاریخ ''ناٹک ساگر'' جموں کے ہی دو اُردو مصنفین محمد عمر اور نورالٰہی نے مشترکہ طور پر لکھی ۔یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی بعد میں ''اپٹا '' اور کئی دوسری ڈرامہ سوسائٹیوں نے ڈرامہ کی روایت کو آگے بڑھایا۔لیکن جموں میں اُردو ڈرامہ کو فروغ دینے میں ترسیل وابلاغ کے ذرایع ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے نمایاں کردار ادا کیا۔

بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو کشمیر اور لداخ کی طرح جموں میں بھی

اُردو شاعری اور افسانہ کے علاوہ ڈرامہ کو فروغ دینے میں ترسیل وابلاغ کے ذریع خصوصاً ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا اہم کردار رہا ہے ۔میں نے اپنے مقالے کے چوتھے باب میں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

میرے مقالے کا پانچواں باب جموں میں اُردو شاعری کے ارتقا سے متعلق ہے۔گذشتہ باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شعر و ادب کے باضابطہ نمونے اُنیسویں صدی کے وسط میں ڈوگرہ حکومت کے قیام (۱۸۲۶ء) کے آس پاس سے ہی ملنے لگتے ہیں اور اُنیسویں صدی کے اخیر تک آتے آتے ریاست میں شعری اور نثری تحریروں کا وافر سرمایہ جمع ہو چکا تھا ۔ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شاعری کے ابتدائی نمونے سترہویں ،اٹھارہویں سدی میں کشمیر کے ان فارسی شعرا کے یہاں ملتے ہیں ۔ جو شاہجہان سے لے کر اورنگ زیب اور اس کے فرزند محمد اکبر شاہ تک کے ساتھ وابستہ رہے۔انھوں نے فارسی میں جو کارنامے انجام دئے وہ ایک الگ موضوع ہے ۔لیکن ان کے ریختہ (اُردو) کی شاعری کے نمونے بھی اب تلاش کر لیے گئے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلا نام ملا محسن فانی کا آتا ہے۔جن کی ایک فارسی مثنوی میں ریختہ کے اشعار ملتے ہیں۔ فانیؔ کے بعد

میر کمال الدین حسینی رُسوا وہ کشمیری شاعر ہیں۔جن کے یہاں اُردو کی غزلیں ملتی ہیں۔رسوا ،اورنگ زیب (وفات ۱۷۰۷ء) کے فرزند محمد اکبر شاہ کے مقربین تھے۔

بیسویں صدی تک آ کر کشمیر اور جموں میں اُردو شاعری بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی ۔ایک طرف جہاں کشمیر میں غلام رسول نازکیؔ ،شہ زور کاشمیری،شورید کاشمیری وغیرہ اُردو شاعری کے گیسو سنوار رہے تھے وہیں جموں صوبے میں رسا جاودانی ،حبیب کیفوی ،دینا ناتھ رفیقؔ ،رہبر پونچھی ،کشن سمیل پوری ،چراغ حسن حسرتؔ ،سرون ناتھ آفتابؔ ، تحسینؔ جعفری ،نشاطؔ کشتواڑی، پرتھوی راج خمارؔ حسام الدین بیتابؔ ،حکیم دوارکا ناتھ حاذقؔ ،عرشؔ صہبائی ، منوہر لال شہیدؔ،شیو لال رینہ آزادؔ اور عابدؔ مناوری وغیرہ بھی متعدد پرانے اور نئے شعرا ہیں۔جن سے پوری اُردو دُنیا واقف ہے۔ان کے شعرو شاعری کی کرنیں بکھر رہی ہیں ۔اس باب میں نے اکثر وبشیتر شاعروں کے حالات زندگی اور شاعری کے نمونے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔جموں میں اُردو شاعری ایک ہمہ گیر موضوع ہے۔جس پر ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔میں نے یہاں اختصار سے کام لیتے

ہوئے صرف بنیادی باتوں کی طرف اشارے کئے ہیں۔جموں کے اُردو شاعروں کی شاعری کے میعار اور مزاج کا اندازہ لگانے کے لیے چند ایک نمائندہ شُعرا کے دورذیل اشعار ہی کافی ہونگے۔

زلف و عارض کے سب کرشمے
ورنہ یہ شام کیا سحر کیا ہے
خود مصور دیکھ کر تیرا جمال
نقش بر دیوار بن کر رہ گیا

رسا جاودانی

لاکھ دھوکے دیئے ہیں رہبر منزل نے مگر
گمراہی میری، مجھے راہ پر لے آئی ہے

عابد مناوری

خود چشم تمنا کو آیا ہے حجاب آخر
اس شان سے کھلتےِ ہیں عارض کے گلاب آخر

عشرت کشتواڑی

دل میں کچھ ایسے رنگ سے وہ جلوہ گر رہے
سرشار جس کی کیف سے شام وسحر رہے

حبیب کیفوی

صوبہ جموں کے شاعروں نے غزل ،نظم ،رباعی ،قطعہ وغیرہ تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔اوراپنی فنی مہارت ،اظہاری قوت اورتجربہ و مشاہدہ کی وسعت کا ثبوت دیا ہے ۔جموں کے اُردو شاعروں نے اُردو نظم وغزل کی تہذیب اورمزاج کو بڑے ہی توازن اورتناسب کے ساتھ برتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا شاعروں کے عہد پہنچان بنا رہے ہیں۔

میرے مقالے کا چھٹا باب صوبہ جموں میں اُردو نثر اوراسکی مختلف اصناف کیت آغاز و ارتقا سے متعلق ہے۔اس باب میں میں نے خصوصیت کے ساتھ اُردو افسانہ ،ناول،ڈرامہ ،انشائیہ ،تنقید اورصحافت کے حوالے سے جموں میں ''اُردو نثر کے آغاز و ارتقا کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کسی بھی زبان اورعلاقہ میں نثر نگاری عام طور پر شاعری کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔جموں وکشمیر میں بھی نثر کے نمونے اُنیسویں صدی کے وسط کے آس پاس سے ہی نظر آتے ہیں۔

اگرچہ اٹھارہویں صدی کے بھی چند ایک نثری نمونے تلاش کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ دستیاب نہیں ہیں۔ اور ان کے زمانہ تحریر کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ جموں وکشمیر کے تمام مورخین اور محققین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ ریاست جموں وکشمیر میں اُردو نثر کے ابتدائی نمونے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد حکومت (۱۸۵۷ء۔۱۸۸۵ء) میں پائے جاتے ہیں۔ رنبیر سنگھ نے اپنے دربار میں بیرون ریاست کے ایسے علما اور عہدہ داروں کو جمع کر رکھا تھا۔ جو اُردو زبان پر اچھی دسترس رکھتے تھین۔ ان غیر ریاستی عہدہ داروں میں سے ایک شخص ''بھاگ رائے'' سرکاری دستاویزات میں اُردو کا استعمال شروع کیا اس کے علاوہ رنبیر سنگھ کے وزیراعظم دیوان کرپارام نے ریاست کے انتظامی کام کاج کی رپورٹیں اُردو میں ہی تیار کروائیں۔ اس سے دفتری کاموں میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔ کیونکہ سرکاری زبان تو فارسی تھی لیکن عوامی زبان کا درجہ اُردو کو حاصل تھا۔ ان دستاویزوں اور رپورٹوں کو اُردو نثر کے ابتدائی نمونے قرار دیا جاتا ہے۔ رنبیر سنگھ نے جموں میں دارالترجمہ قائم کیا۔ جس کے تحت انگریزی سنسکرت اور عربی وفارسی کتابوں کے ترجمے ہندی اور ڈوگری کے ساتھ ساتھ اُردو میں بھی کتابوں کی چھپائی کے لیے ۱۸۸۲ء میں ایک چھاپہ

خانہ ''بدیابلاس'' پریس کے نام سے قائم کیا گیا۔اور اکثر وبشیتر کتابیں شائع کی گئیں۔دارالترجمہ سے باہر بھی کئی کتابیں اُردو نثر میں لکھی گئیں۔جن میں چودھری شیر سنگھ مہتہ کا سفرنامہ بخارا اہم ہے۔۱۸۸۲ء میں ہی ''بدیا بلاس سبھا'' کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس میں جموں کے ادبا و شعر اپنی تخلیقات پیش کرتے تھے۔بدیابلاس کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا گیا۔جو اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔اس طرح ان اسباب کی بنا پر جموں میں اُردو نثر کا ارتقا ہوا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے انتقال کے بعد مہاراجہ پرتاب سنگھ ۱۸۸۵ء میں یخت نشین ہوئے تو ۱۸۸۹ء میں اُردو کو ریاست کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا۔اس عرصہ میں ریاست جموں و کشمیر کے کئی ادیب ودانشور ، لاہور ،دلی اور امرت سر میں ادب وصحافت کے فرائض انجام سیتے رہے ان میں سے پنڈت ہرگوپال خستہ اور ان کے بھائی سالگ رام سالک کافی مشہور ہیں۔ہرگوپال نے ۱۸۷۷ء میں ایک کتاب ''گلدستہ کشمیر'' کے نام سے لکھی جو پہلے تو ۱۸۷۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی بعد میں اس کے کئی ایڈیشن جموں وکشمیر میں بھی شائع ہوئے۔اس کے علاوہ سالگ رام سالک اور محمدالدین فوق کی کئی

کتابیں بیسویں صدی کے اوائل میں شائع ہوئیں۔ جموں اور کشمیر کے شاعروں اور نثر نگاروں کی تخلیقات لاہور، امرت سر وغیرہ کے اخبارات میں شائع ہوتی تھیں کیونکہ ریاست جموں و کشمیر سے ۱۹۲۴ء تک کوئی اخبار تا رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں لالی ملک راج صرافؔ کی ادارت میں ریاست کا پہلا اُردو اخبار ''رنبیر'' کے نام سے جاری ہوا۔ اس اخبار نے جموں کے اُردو نثر نگاروں کی تخلیقات کی اشاعت کی راہیں کھول دیں۔ رنبیر میں تنقیدی مضامین، افسانے، قسط وار ناول، انشائیے اور سفرنامے ہر طرح کی نثری تحریریں شائع ہوتی تھیں جموں میں نثر کی مختلف اصناف کو جن نثر نگاروں نے آگے بڑھایا ان کے اسمائے گرامی صنف وار اس طرح ہیں۔

تنقید:۔

محمد عمر نورالٰہی، نرسنگھ داس نرگسؔ، گلزار احمد فداؔ، حنیف ہاشمی، دیا کرشن گردشؔ، عبدالمجید نظامی، صابر مرزا، ڈاکٹر محمود راضی، پروفیسر ظہور الدین، بی. ڈی شرما اور محمد بشیر وغیرہ ۔ اگر اس فہرست میں بعض کشمیری الاصل ناقدین مثلاً نند لال کول طالب، عزیز کاشمیری، حامدی کاشمیری۔ محمد یوسف ٹینگ وغیرہ کے اسمائے گرامی بھی جوڑ دیئے جائیں تو یہ فہرست طویل ہو جائے گی۔

۴۔افسانہ:۔

کرشن،موہن لال ماورا،ٹھاکر پونچھی،فیض صدیقی راجوری ،پرکاش بخشی،جگدیش کنول۔موہن یاور ،نرسنگھ داس نرگسؔ ،محمود ہاشمی

۳۔ناول:۔

موہن لال ماورا،نرسنگھ داس نرگسؔ ،ٹھاکر پونچھی،کشمیری لال ذکرؔ مدن موہن شرما۔ڈی کے کنول،ملک رام آنند ،بھوشن لال بھوشن ،وجے سوری،لیش سروج ،کرشن چندر، قدرت اللہ شہابؔ ،موہن یاور،شام سندرآنند لہرؔ ،جوتیشور پتھک اورکرن کاشمیری محمد عمر،نورالہیٰ ،ٹھاکر پونچھی،رام کمارابرولؔ ،زیڈسمی،سکھدیوسنگھ ،ویدراہی،جتندرشرما ،پشکرناتھ ،حبیب کیفوی ،نرہری زادہ

۵۔سفرنامہ:۔

شیرسنگھ مہتہ،سلگ رام سلکؔ ،اوم پرکاش صرافؔ ،جگن ناتھ آزادؔ ،ملک راج صرافؔ وغیرہ

۶۔انشائیہ :۔

ہرگوپال خستہؔ ،سالگ رام سالکؔ ،تیرتھ کاشمیری،گنگادھر دیہاتیؔ ،خوش دیوینی،اسکے علاوہ کشمیرمیں محمد زماں آزردہؔ ،نشتر کاشمیری اورمنصوروغیرہ کے نام بھی لیے جاسکتے ہیں۔

۷۔صحافت:۔

جموں میں اُردو صحافت کے حوالے سے جو نام اہم ہیں۔ان میں ملک راج صرافؔ ،نرسنگھ داس نرگسؔ ،وید بھسین ،سالگ رام سالکؔ، منشی ہرسکھ رائے، چودھری دا نند کپورؔ، پریم ناتھ بزازؔ ،مولوی زین الدین، دا کرشن گردشؔ، کشب بندھو، پریم ناتھ رونقؔ وغیرہ اہم ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔کہ جموں صوبہ میں اُردو نثر کا ارتقا مختلف افسانوی اصناف ،انشائیہ نگاری تنقیداور صحافت کے حوالے سے بڑی تیزی سے ہوا اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں ۔کہ جموں میں اُردو نثر کا ارتقا ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح ہمت افزا رفتار سے ہورہا ہے

میں نے اپنے پی.ایچ؛ڈی کے اس مقالے کے آخرمیں شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی کی ادبی خدمات کا بھی تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیاہے۔ اس کی وجہ ہے کہ ملک کی دوسری یونیورسیٹوں کے اُردو شعبوں کی طرح شعبہ اُردو جموں یونیوسٹی بھی طلبا وطالبات میں ادبی ذوق پیدا کرنے ،ادبی موضوعات پر سیمنار اور سمپوزیم کروانے کے فرائض بھی انجام دے رہاہے۔جس کی وجہ سے اُردو شعر و ادب کو نئے لکھنے والے میسر آرہے ہیں۔اس کے ساتھ ہی

شعبہ اُردو کے اکثر وبشیتر اُساتذہ تخلیقی اور تنقیدی سرگرمیوں میں مصروف رہنے کے مختلف موضوعات پرتحقیقی مقالے بھی لکھوار ہے ہیں۔ان ساری سرگرمیوں کی وجہ سے لازمی طور پر صوبہ جموں میں اُردو نثر کی صرف ترقی ہورہی ہے۔بلکہ تحقیق وتنقید کے نئے امکانات بھی روشن ہورہے ہیں۔

جموں یونی ورسٹی میں شعبہ اُردو کا قیام ۱۹۶۵ء میں عمل میں آیا۔شعبہ کے پہلے صدر مشہور ادیب اور محقق پروفیسر گیان چند جین تھے۔اسکے بعد پروفیسر عابد پشیاوری (سیام لال کالرا) پروفیسر منظر عظمی، پروفیسر ظہور الدین اور پروفیسر نصرت آرا چودھری نے شعبہ اُردو کے صدر کے فرائض انجام دیے۔یہ سبھی اُردو کے جانے مانے اُستاد محقق اور نقاد ہیں۔ان کے ذاتی ادبی کارناموں کی تفصیل میں نے اس باب میں درج کردی ہے۔ دراصل ان اساتذہ نے جموں میں اُردو زبان و ادب کی ترویج واشاعت کے حوالے سے جو خدمات انجام دی ہیں۔یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں طلبا و طالبات اس شعبہ سے اُردو میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں کر کے صوبہ جموں بلکہ ریاست کے طویل وعرض میں تدریس اُردو کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ان دنوں پروفیسر شہاب عنایت ملک جموں یونیورسٹی کے شعبہ

اُردو کے صدر ہیں ۔ اور شعبہ میں ملک کے مقتدر ناقدین ، تحقیق فنکاروں اور دانشوروں کے خطبات کا اہتمام تواتر سے کر رہے ہیں۔ انھوں نے شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی کے اشتراک سے بھی کئی سیمنار کراوئے ہیں۔شعبہ اُردو کے دیگر اساتذہ ، پروفیسر اسداللہ وانی پروفیسر نصرت چودھری، پروفیسر ضیاء الدین، پروفیسر سلگ چین سنگھ اور ڈاکٹر ریاض احمد بھی اپنی تخلیقی و تنقیدی صلاحتیوں سے نہ صرف طلبا اور ریسرچ اسکالرز کو فائدہ پہنچا رہے ہیں بلکہ جموں کے مختلف ادبی اداروں ، ریڈیو اور ٹیلی ویزن کے اشتراک سے جموں صوبہ میں اُردو زبان کے فروغ ارتقا کے لیے کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔

مقالہ کے آخر میں۔۔۔۔"کتابیات "کے عنوان سے ان کُتب ورسائل کی فہرست بھی درج کر دی ہے۔جن سے میں نے دوران تحقیق استفادہ کیا ہے۔

آخر میں ، میں اپنے نگران پروفیسر برکت علی صاحب کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے توقع کرتا ہوں کہ ممتحن حضرات میری اس کاوش کو سرائیں گے۔

راہ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے باب سخن

ناچیز
نجم دین
ریسرچ اسکالر
شعبۂ اُردو و فارسی
گرونانک دیو یونیورسٹی، امرت سر (پنجاب)

باب دوم

جموں صوبے کی دوسری زبانوں سے اُردو کے لسانی رشتے اور اُن پر اس کے اثرات:

۱: کشمیری

۲: پہاڑی

۳: گوجری

۴: بھدرواہی

۵: ڈوگری

۶ پنجابی

لسانیات کے بہت سے ماہرین نے ہندوستان کوزبانوں کا عجائب خانہ قرار دیا ہے ۔اس ضمن میں سید احتشام حسین نے ''اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' میں اس طرح کہا ہے۔

''ہندوستان زبانوں کا عجائب گھر ہے''[۱]

اس کے علاوہ گریرسن کے خیال میں یہاں ۱۷۹ زبانیں اور ۵۴۴ بولیاں پوئی جاتی ہیں۔اس میں بہت سی وہ زبانیں بھی شامل ہیں جن کے بولنے والے یا تو کسی چھوٹے علاقے میں محدود ہیں یا پھر تعداد میں اس قدر کم ہیں کہ ملک کی تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے ۔اسی طرح بیشتر بولیاں بھی ایسی ہیں جو زبانوں کے تابع ہیں۔اگر ہندوستان کی لسانی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائیتو ان زبانوں اور بولیاں کء تعداد میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے لسانی سطح پر یہی صورت حال صوبہ جموں کی بھی ہے ۔جو اپنی وُسعتوں میں بھانت زبانیں اور بولیاں سمیٹے ہوئے ہے۔لہٰذا ڈاکٹر صابر مرزا نے چیز کو اس طرح پیش کیا ہے۔

''تاریخ کے طویل سفر کے دوران روزمرہ زندگی کے تمام

۱۔اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔سید احتشام حسین ص ۷

شعبوں میں اس خطے کے حکمرانوں نے جہاں دہلی دربای کی
روایات کو اپنایا وہاں لسانی سطح پر اُنہوں نے دہلی درباہی سے
اثرات قبول کیے۔ یہی وجہ کہ ابتدا میں فارسی اور پھر دوسری
زبانوں کے اثرات یہاں کی مقامی زبانوں کی لسانی اور ادبی
صورت حال پر غالب رہے۔'' [1]

جہاں تک اس صوبے کی مقامی زبانوں کا تعلق ہے اس میں کشمیری پہاڑی، گوجری، بھدرواہی، ڈوگری، پنجابی، وغیرہ اہم ہیں۔اسی طرح بولیوں میں پونچھی، کشتواڑی، گدی، سراجی، بھلیسی، رام بنی، پاڈری، بانہالی، پوگلی، بدھلی، چبالی وغیرہ نمایاں ہیں۔جن بولیوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔بے شک ان میں ادب تخلیق نہیں ہو پا رہا مگر ان بولیوں کے بولنے اور سمجھنے والے پونچھ۔راجوری، رام بن، ڈوڈہ، بھدرواہ، بھلیسہ، میمنہ، سراج، مرمت، بدھل اور اس کے گردو نواح میں آباد ہیں۔

اس خطے کے طویل وعرض پہ فارسی کے بعد اُردو زبان پھیل چکی

---

[1] ۔ صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات۔ڈاکٹر صابر مرزا ص ۸۷

تھی ۔جب کی مقامی نمائندہ زبانوں میں تخلیقی ادب کا آغاز بہت بعد میں ہُوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان زبانوں کی لسانی اور ادبی ساخت اُردو زبان کے مضبوط رشتوں میں بندھی ہُوئی ہے ۔جن کی ترتیب وتہذیب میں اُردو زبان کا اہم رول رہا ہے ۔

اُردو سے ان زبانوں کے لسانی اورادبی رشتوں کی وضاحت

ا:۔اُردو اور کشمیری

کشمیری زبان کا رسم فاری ہے۔کیونکہ اُردو کا ہیولیٰ فارسی کے زیرسایہ تشکیل پذیر ہوا لیکن مقامی لب ولہجے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے علاقائی تبدلیاں بھی کی گئی ہیں۔تاہم ان دونوں کی قربت کو پرکھنے کے لیےان کی صحیح تصویر اُس وقت ہمارے سامنےآتی ہے جب ان دونوں کا تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ریاست جموں وکشمیر کی قدسیم ترین زبانوں میں سے کشمیری ایک ہے۔جو یہاں کے مختلف علاقوں میں بولی جاتی ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اُردو اورکشمیری کے مابین بہت ہی گہرے رشتے ہیں۔یہاں کے کشمیری شعرامیں کشمیری زبان میں لکھنے کے ساتھ ساتھ اُردو میں لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہےجس میں مہجور،غلام رسول نازکی

،رسؔا جاودانی ، قیصر قلندر اور شہباز راجوروی سے لے کر حکیم منظور ، حامدی کاشمیری میکس کاشمیری اور عرشؔ صہبائی کے نام اہم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشمیری غزلیات تشبہات واستعارات وغیرہ میں قدر بھی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہ اُردو سے ہی اخذ کے گئے ہیں۔

اُردو		کشمیری
زُلف	=	زُلفن
عشق	=	عشقیہء
شانہ	=	شانہء
گردش میں	=	بگردوش
بےگانہ	=	بےگانہء

ایسے سارے الفاظ اُردو ہی کے توسط سے کشمیری میں استعمال ہُوئےء ہیں۔ تلمیحات بھی کم وپیش وہی ہیں جو اُردو میں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً زلیخا، منصور ، یوسف وغیرہ اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ کشمیری شاعری میں اُردو زبان کا کس حد تک دخل ہے ۔ کشمیری اور اُردو کے توسط سے اگر یہ کہا جائے کہ کشمیری ادب میں استعمال ہونے والی زبان

کے تقریباً ۹۰ فی صد استعارے ،تشبیہات اور ضائع وبدائع وہی ہیں ۔ جو فارسی اور اُردو میں صدیوں پرانے ہیں تو غلط نہ ہو گا

بہرحال مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وادی کے کشمیری ادیبوں کی طرح جموں کے کشمیری ادیبوں نے بھی اپنے تخلیقی سفر میں اُردو ہی سے خوشہ چینی کر کے اپنی راہیں متعین کی ہیں ۔اُردو کا یہ اثر کبھی تو شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر اُن کی تخلیقات میں درآیا ہے ۔ان نتائج کی روشنی میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اُردو نے اس صوبے کی مقامی زبانوں کو آگے بڑھنے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے میں ہرطرح کا تعاون دیا ہے۔

۲:۔ پہاڑی

سنسکرت ایک ایسی زبان ہے جسے برصغیر کی ساری بولیوں کی ماں سمجھا جاتا ہے ۔اور یہ ساری بولیاں ہند آریائی کہلاتی ہیں ۔جہاں تک پہاڑی زبان کا تعلق ہے تو اس ضمن میں یہی کہا گیا ہے کہ اس کا رشتہ ہند ایرانی سے ہے اس کے اس رشتے کے بارے میں ڈاکٹر صابر مرزا اس طرح لکھتے ہیں

''جس زبان کو ہم پہاڑی زبان کہتے ہیں اس کا تعلق ہند یورپی قبیلے کی پہلی شاخ ہند ایرانی سے ہے'' ۱؎

ہند ایرانی کی تین شاخیں ہیں:

(۱) ہند آریائی (۲) پشاچی (جس سے کشمیری اور ہستانی نکلی ہے) (۳) پہاڑی۔ یہ زبان آریہ خاندان کی بیٹی کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔ یہ رائے سر جارج گریرسن کی ہے۔ڈاکٹر چٹر جی کی تحقیق یہ ہے کہ جدید زبانوں کی تقسیم یا گروہ بندی میں پہلا خاندان شمال مغربی زبانوں کا ہے۔جس کی پہلی شاخ ''لہندا'' ہے اسی شاخ پوٹھوہاری یا پہاڑی کہتے ہیں ان کی رائے کے مطابق لہندا پنجابی ہے لہٰذا ڈاکٹر چٹر جی کی تحقیق کے

۱؎ ۔صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات ۔ڈاکٹر صابر مرزا ص ۱۷۶

مطابق اس بات کوتسلیم کرتے ہُوئے کہا جاسکتا ہے کہ پہاڑی قدیم پنجابی ہے۔

لفظ پہاڑی اسم کی شاخ صفت ذاتی ہے لُغت میں یہ لفظ بجائے خود ہندوستانی ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بولی کا یہ نام ہندوستانی بر صغیر میں بولی جانے والی روزمرہ کی عام زبان ہے جس میں ہر بولی کے الفاظ ملتے ہیں مگر یہ اُردو نہیں ۔کیونکہ اس کا کوئی بھی رسم الخطہ نہیں ہے ۔ ہندوستانی کوہم ہر رسم الخطہ میں لکھ سکتے ہیں۔لفظ پہاڑی کا مطلب پہاڑوں کا پہاڑوں کی وغیرہ ہے ۔لیکن گرائمر کےلحاظ سے یہ لفظ پہاڑ کا اسم تصیغر بھی ہے جیسے پگڑ سے پگڑی، کشمیر سے کشمیری۔

مشہور تاریخ دان مسٹر بین نے پہاڑی زبانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔(۱) مشرقی پہاڑی (۲) گڑھوالی کمایونی (۳) وسطی پہاڑی۔مشرقی پہاڑی اور گڑھوالی کمایونی :۔ یہ دونوں بولیاں اُتر پردیش کےشمالی علاقوں میں بولی جاتی ہیں جب کی وسطی پہاڑی کی بولیاں ہما چل ،کلو، کانگڑہ، جس میں جموں بھی شامل ہے ۔مغربی پہاڑی:۔ یہ زبان ریاست جموں وکشمیر ،صوبہ سرحد، ہزارڈویژن کاغان اور پکھلی میں بولی جاتی ہے

جہاں تک یا زبان کا تعلق ہےتواس صورت میں ماہر لسانیات اس بات پر

متفق ہیں کہ بچہ ماں کے دودھ کے ساتھ بولی یا زبان پیتا ہے۔اس بات کی مزید تشریح اس طرح سے ہوسکتی ہے جبکہ بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اپنی زبان کی گرایمر کو کسی بھی صورت میں الگ نہیں کیا جاسکتا۔بولی قواعد میں قواعس بولی میں ہوتی ہے۔بولی اور گرایمر کا آپسی رشتہ روح اور جسم کی طرح کا ہے۔

پہاڑی زبان کا رسم الخط :۔

پہاڑی مغربی ہندوستان میں اسلامی عہد کے ساتھ ساتھ فارسی زبان اور فارسی رسم الخط کے وجود میں آنے کے ساتھ پہاڑی زبان کے لیے بھی وہی رسم الخط استعمال ہونے لگا جو بدلے ہُوئے حالات کا لازمی نتیجہ تھا۔مغربی پہاڑی آج کل بھی اُسی رسم الخط میں لکی جاتی ہے۔جس میں اُردو اور پنجابی زبانیں لکھی جاتی ہیں۔ان دونوں زبانوں کے الفاظ پہاڑی زبان کے ادبی اور لُغتی خزانے میں اضافہ کر رہے ہیں۔ایک طرف اگر آج کل پہاڑی کے لے فارسی رسم الخط استعمال ہو رہا ہے ۔تو دوسری جانب کچھ علاقوں میں یہ زبان گور مُکھی اور دیونا گری پسی میں بھی لکھی جارہی ہے۔ریاست جموں وکشمیر میں جہاں پہاڑی بولنے والے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔پہاری زبان کی تخلیقات پنجابی اور لپی کے شاہ مکھی فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔

پہاڑی زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ:

جیسا کے شروع میں کہا جاچکا ہے کہ برصغیر کی ساری بولیوں کی ماں سنسکرت ہے ۔چوں کہ دیگر زبانوں کی طرح پہاڑی زبان میں بھی سنسکرت کے الفاظ موجود ہیں۔ جو تھوڑی بہت تبدیلی سے پہاڑی زبان میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ الفاظ صرف پہاڑی ہی کے دکھائی دیتے ہیں ۔لیکن حقیقت اس کے بر عکس ہے ۔سنسکرت کے کچھ الفاظ پہاڑی میں آئے ہیں۔ ڈاکٹر صابر مرزا نے ان الفاظ کی نشان دہی اس طرح کی ہے ۔

''اگنی ،سیت ،دنت ،کانڈا وغیرہ جیسے الفاظ پہاڑی میں آکر
آگ ،ست ،دند ،کانا بن جاتے ہیں۔ '' [1]

اس طرغ پتہ چلتا ہے کہ سنسکرت کبھی نہ کبھی علاقے میں بولی کی حیثیت سے ضرور بولی جاتی تھی ۔

پہاڑی کا تعلق کھڑی بولی سے بھی ہے ۔ذیل کے الفاظ جو کھڑی بولی کی مشہور تصنیف کربل کتھا میں موجود ہیں اس وقت پہاڑی زبان میں بھی

---

[1] صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات ۔ڈاکٹر صابر مرزا ص ۱۷۹

رائج ہیں مثلاً کہو۔لیو۔بخشیو۔چنگے۔سٹ وغیرہ اس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ لسانی اور صورتی اعتبار سے دونوں زبانوں کا قریبی تعلق ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی تحقیق کے مطابق مغربی پہاڑی شملہ سے شروع ہوتی ہے ۔ اس کی الگ الگ بیس بولیاں ہیں جن کا کوئی تخلیقی ادب نہیں اور نہ ہی اس کی نسبت راجستھانی سے ملتی ہے ۔اس کے علاوہ اُنہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں راج پوتانہ کے راج پوت وہاں سے نکل کر ادھر اُدھر بس گئے ۔ خصوصاً گڑھوال ،ہماچل پردیش ،نیپال اور کمایونی وغیرہ ۔

۳۔گوجری

گوجری ہندوستان کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے ۔گوجری میں ادبی تخلیقات کےنمونے دسویں صدی عیسوی سے ہی ملتے ہیں۔لیکن ایک عرصہ تک اس زبان پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی اس لیے گوجری ادب کی زیادہ ترقی نہیں ہو سکی لیکن ۱۹۴۷ءکے آس پاس سے گوجری زبان اور ادب نے خوب ترقی کی گوجری زبان و ادب کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ۔گوجری زبان کو ۱۹۷۸ء میں تسلیم کرلیا گیا اور اس زبان کے لیے جموں و کشمیر کلچرل اکادمی میں ایک الگ شعبے کا قیام بھی اسی سال عمل میں آیا۔اس زبان کی ترقی کے لیے پچھلے کئی برسوں سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بھی باقاعدگی سے معیاری پروگرام پیش کیے جا رہے ہیں جس سے اس زبان کے ادب میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہاہے۔

اُردو اور گوجری کےلسانی رشتوں سے متعلق بات چیت کرنے سے قبل ان دونوں زبانوں کی ابتدا کے بارے میں مختصر جائزہ پیش کرنا نامناسب نہیں ہو گا ۔ان دونوں زبانوں کےارتقائی سفر کے بارے میں بھی اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان زبانوں کے بارے میں حتمی طور پر یہ نہیں

کہا جا سکتا کہ ان کا منبع کہاں ہے ۔ہاں اس بات پر اکثر ماہرین لسانیات متفق ہیں کہ برصیغر کے شمالی حصوں کی اکثر زبانیں ہند آریائی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔لہٰذا ان دونوں زبانوں کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔

برصیغر کی مختلف زبانوں کی تاریخ میں اس سر زمین پر آریاؤں کے داخلے کے دور کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ شمالی ہند کی تمام موجودہ زبانوں کے مورخ اس دور کو خاص قسم کے لسانی انقلاب کا درجہ دیتے ہیں اور اس سے آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے ۔ ہند آریائی ،زبانوں کے اس سے گروہ جانے کا نام ہے جو آریاؤں کے اس خطے میں داخلے کے بعد سماجی اور لسانی تبدیلیوں کے تحت تاریخ کے ایک طویل سلسلے کے دوران اُبھریں ۔اس دور کی نمائندہ زبان ،ویدوں کی زبان تھی جو ۲۰۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م کے درمیانی عرصے میں ارتقا کی مختلف منزلوں سے گذاتے ہُوئے ایک مکمل زبان کے درجے تک پہنچی ۔لسانی بورژوا رویت نے بالآخر عوامی بولیوں کی ترقی کے سامان پیدا کیے جو آہستہ آہستہ نئی زبانوں کی شکل میں نمو پذیر ہُوئیں اُن میں سے نمائندہ سنسکرت زبان تھی ۔جو ۷۰۰ ق م سے ۴۰۰ ق م تک کے

دوران اس خطے کی عام زبان کے طور پر رائج رہی ۔زبان کے عالموں نے جب اسے ادبی حیثیت دے کر اس کے قواعد مرتب کیےاور اُن کی سختی سے پابندی پر زور دیا تواس کے خلاف بھی ردِعمل شروع ہُوا ۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ زبان عوام سے دور ہو گئی اور عوامی بولیاں الگ الگ راستوں پر نکل گئیں جو پراکرتیں کہلائیں ۴۰۰ء سے ۶۰۰ء تک کا زمانہ پراکرتوں کا عہد قرار دیا جا سکتا ہے ۔مختلف علاقوں میں ان کی مختلف شکلیں تھیں اور الگ الگ لہجے تھے ۔جن کی بُنیاد پر اُن کی پانچ خاص شاخیں وجود میں آئیں ۔(۱) شورسینی (۲) ماگدھی (۳) اُردماگدھی (۴) مہاراشٹر ی (۵) پشاچی ۔ لیکن وقت کے ساتھ یہ بھی ادبی دائروں میں داخل ہوگئیں اور ان کی شاخیں بھی آگے چل پڑیں۔جن کے مختلف جگہوں پر الگ الگ روپ تھے۔انھیں آپ بھرنش یعنی بگڑی ہوئی زبانیں کہا گیا ۱۰۰۰ء تک کا زمانہ آپ بھرنش کا عہد کہلایا ۔اوراسی عہد میں موجودہ ہند آریائی زبانیں وجود میں آئیں۔آپ بھرنش کی شاخوں میں کئی نام گنے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر صابر مرزا نے اپنی کتاب میں اپوتن تصنیف ’’کولیامالا‘‘ کے حوالے سے گوجری کا تعلق آپ بھرنشوں سے اس طرح جوڑا ہے۔

ایوتن نے اپنی تصنیف ''کولیا مالا'' میں اُن کی
تعداد سولہ بتائی ہے۔ اوران دونوں فہرستوں
کے دسویں نمبر پر گوجری کا ذکر ہے''۔[1]

موجودہ ہند آریائی کا ماخذ آپ بھرنش میں ہی تلاش کیا جا سکتا ہے اس کا پتہ شورسینی اپ بھرنش سے چلتا ہے کہ اس کی ایک خاص شاخ ''برج بھاشا'' کے روپ میں سامنے آتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ متھرا، دہلی اور پنجاب تک مرکزی خطے میں ایک خاص لب ولہجہ عام ہوتا ہے۔ بیرونی حملہ آروں اور اُن کے ہمراہ آئے ہوئے قافلوں نے اسی مقامی لہجے کے ذریعے عوام کے ساتھ لسانی روابطہ قائم کیے چنانچہ اس لہجے میں ایک خاص قسم کی رنگا رنگی پیدا ہوگئی۔ اس کا اصلی خمیر بھی موجود رہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ باہر سے آئے ہُوئے لوگوں کی زبانوں کے الفاظ کے اضافے کے ساتھ اس کا ایک منفرد روپ سامنے آیا اور یہ زبان کھڑی بولی کہلائی اور دوسری زبانیں اس کے مقابلے میں پڑی ہوئی بولیاں کہلائیں۔ موجودہ اُردو کا سرچشمہ یہی کھڑی بولی ہے۔

---

[1] صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات۔ ڈاکٹر صابر مرزا ۔ ص ۲۰۹

اُردو اور گوجری کے ہند آریائی سے تعلق کے اس بیان کے بعد اس حقیقت کا ذکر ضروری ہے کہ ایک ہی لسانی گروہ کی شاخیں ہونے کے باعث ان کے ارتقائی سفر میں کافی ہم آہنگی رہی ہو گی ۔ زبانوں کے جس گروہ سے اُردو کا آغاز ہُوا گوجری اس کی ساتھی نظر آتی ہے ۔ گوجری کی اکثر لسانی خصوصیات برج بھاشا اور کھڑی بولی سے ملتی ہیں ۔ اس کی وجہ ہے کہ اُردو کے قدیم نمونوں میں موجودہ گوجری ایک خاص مقام ہے ۔ اُردو کے قدیم نام گوجری بھی ہے ۔ گجرات کے صوفیائے کرام کی تحریروں سمیت دکنی کے ادب کو اُردو کا پہلا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ علاوہ بریں امیر خسرو کی ''ریختہ '' اُردو کی بنیادی شکل ہے ۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آج کی اُردو سے زیادہ گوجری کے قریب ہے اس حوالے سے ڈاکٹر صابر مرزا نے اپنی تصنیف میں ایک نثری نمونہ اس طرح پیش کیا ہے ۔

> ''اے عزیزو! واصلاں خُدا سوں ملنا جدا ہونا یو دونوں بھی ہیں جو بات پیر سوں معلوم ہووے گی یو پیغمبر علیہ اسلام کوں اس ترتیب سوں معراج خبر دے '' [۱]

---

۱ ۔ صوبہ جموں کے ادب پر اُردو کے اثرات ۔ ڈاکٹر صابر مرزا ۔ ص ۲۱۱

یہ نثری نمونہ اُنہوں نے معراج العاشقین سے لیا ہے۔اس کے علاوہ اُنہوں نے ''سب رس'' کا ایک حوالہ اس طرح دیا ہے

''نہیں سنے سولوگاں کوں سنالے،کو نچے ڈھنڈورا پھرالے جانواے ایسے کچھ نہیں اتے سے دل دیچہ نہیں'' ان دو حوالوں کے علاوہ ڈاکٹر محمود اپنی تصنیف ''اُردو ادب کا مطالعہ'' میں لکھتے ہیں ''اُردو زبان گجرات میں بھی سلاطین کے زیر زیر سایہ پھلتی پھولتی رہی دکن کی مانند جہاں اُردو دکنی کے نام سے مشہور ہُوئی گجرات میں اُسے گوجری کے نام سے پکارا گیا''[1]

قدیم اُردو اور گوجری کی یہ قربت اس لیے عجیب نہیں لگتی کیوں کہ معمولی سے فرق کو چھوڑ کے گوجری اور برج بھاشا ایک جیسی تھیں۔اور کھڑی بولی برج کا سہارا لے کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہُوئی۔اُردو نے اپنی ارتقائی منزل میں بہت ساری تبدیلیاں اختیار کیں مگر گوجری میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔اس کے علاوہ گوجری زبان کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ گوجری کا تعلق ایک مخصوص طبقے کے ساتھ ہے جب

---

[1] صوبہ جموں کے ادب پر اُردو کے اثرات۔ڈاکٹر صابر مرزا ۔ ص ۲۱۱

کہ اُردو کسی ایک طبقے کی زبان نہیں رہی ہے۔ اس میں مختلف قوموں، مذہبوں، مختلف زبانوں کی جھلک نمایاں ہے۔

اُردو اور گوجری کے مشترک ماخذوں کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے بعد اس حقیقت کی روشنی میں اُن کی موجودہ صورت کو سامنے رکھتے ہُوئے ان کے آپسی رشتوں اور ارتقائی سفر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اس طرح آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ماہرین گروہ کی زبان کا خیال ہے کہ ہند آریائی زبانوں کی مرکزی گروہ کی زبان ہے۔ گریرسن نے ۱۹۰۱ء میں Linguistic Survey of India میں گوجری زبان کو راجستھانی کے قریب ہونے پر حیرت کا اظہار کرتے ہُوئے لکھا کہ جموں و کشمیر میں بولی جانے والی گوجری کا راجستھانی کے ساتھ اتنا قریب ہونا لسانی تحقیق کی رو سے نہایت ہی دل چسپ ہے ۔کیوں کہ راجستھان اور کشمیر کے درمیان سینکڑوں میلوں کی دوری ہے۔ اُنہوں نے گوجری کو راجستھان کی ایک بولی قرار دیا ہے۔

سنیٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لینگویجز، میسور نے ۱۹۶۹ء میں لسانیات کے ماہر ڈاکٹر جے سی شرما کو ریاست جموں و کشمیر میں گوجری زبان کے بارے میں تحقیق کی ذمہ

داری سونپی ۔اُنھوں نے ریاست جموں وکشمیر کا دورہ کیا اور گوجری زبان سے متعلق مواد جمع کر کے لسانیات کی جدید تحقیقات کی روشنی میں گوجری کا سائنسی تجزیہ کیا ۔ اور اُسے کتابی شکل میں Gojri Phonetic Reader کے نام سے پیش کیا۔ جس سے اس زبان کے کام کرنے والوں کو اس کی ساخت کے بارے میں آگاہی ہوئی ۔

اُردو اور گوجری کا آپسی رشتہ

بے شک اُردو اور گوجری کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔اس رشتے کی وضاحت کے لیے دو مثالیں پیش کی جا رہی ہیں پہلی مثال ہفتے کے ناموں سے دی جارہی ہے ۔اوردوسری مثال اُردو اور گوجری کی کہاوتوں سے۔

ہفتے کے دنوں کے نام

اُردو گوجری

اتوار..............اتار

سوموار............سمار

منگل وار.........منگلار

بدھوار............بدھار

ویروار............بیروار

جمعہ.............جمعو

سنیچروار.........بار

اُردو اور گوجری کی کہاوتوں سے ان کا آپسی رشتہ

۱۔اُردو: دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

گوجری: دھوبی کو کتو نہ گھر کو نہ گھاٹ کو

۲۔اُردو: سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی

گوجری: سو چوۓ کھا کے بلی حج ناں چلی

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس صوبے میں اُردو اور گوجری نہایت ہی قربتوں کے رشتوں میں بندھی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے کبھی الگ نہیں ہو سکتیں۔

۴۔بھدرواہی

بھدرواہی زبان کاتعلق بھدرواہ سے ہے ۔یہ زبان بھدرواہ اور اس کے متہ لحقہ مضافات میں بولی جاتی ہے ۔اس زبان کا باضابطہ طور پر کوئی بھی سلسلہ نہیں چلا اس لیےاس زبان کے شعر و ادب کا زیادہ تر حصہ ابھی تک لوک ادب کی صورت میں غیر مطبوعہ ہے۔بھدرواہی کی جدید روایت کا سلسلہ پنڈت گوری شنکر سےشروع ہوتا ہے جنھوں نے ۱۹۹۵ء میں بھگوت گیتا کا ترجمہ اس زبان میں کیا۔اس کے بعد بال کرشن چوہان نے بھدرواہی میں ''لوگ گیتوں کا ادھین'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور ڈاکٹر پریم کرشن کول نے بھی بھدرواہی ادب پر تحقیقی کام کیا ہے۔

ریڈیو کشمیر جموں نے بھدرواہی پروگرام شروع کیا اور بھدرواہی شعر و ادب کی جانب توجہ دی ۔ریڈیو کشمیر جموں کی خاص توجہ کے بعد اس زبان میں شعر کہنے اور کہانیاں لکھنے کا باقاعدہ گی سے سلسلہ شروع ہُوا۔اس کے نتیجے میں جن ادبا و شعرا نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو اس زبان کے فروغ کے لیے وقف کیا اُن میں پنڈت پرکاش رام ماسٹر چونی لال، جان محمد تشنہ ، کنول نین نکہت اور لیکھ راج جیسی شخصیات کے نام

شامل ہیں ۔ان میں سے زیادہ تر لوگ شاعری کی جانب متوجہ ہُوئے ۔جان محمد تشنہ کو بھدرواہی کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا گیا ہے ۔اُن کی بھدرواہی غزل کا ایک شعر:

الہیہ تیری لگن اک میرو سہارو
لگووری اہیہ بھالے میرو گذارو

اس شعر میں ہم بخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بھدرواہی الفاظ اُردو الفاظ سے کس قدر تعلق رکھتے ہیں ۔بھدرواہی میں استعمال کیے ہُوئے الفاظ جیسے تیری ،لگن ،سہارو ،جو ،اک ،میرو ،کو اُردو میں ہم بالترتیب تیری ۔لگن ،سہارا ،جو ،میرا استعمال کرتے ہیں ۔اُردو تراکیب کو بھی بھدرواہی میں برتا جاتا ہے ۔تشنہ نے ان الفاظ کو بڑے ہی اچھے سلیقے سے برتا ہے ۔

بھدرواہی	اُردو
تیری لگن..................	تیری لگن
کیری مالا................	کون سی مالا
صورت کنچری..........	کسی کی صورت
بکھری بازی..........	الگ کھیل

ان سب مثالوں سے بات سامنے آتی ہے کہ جموں[1] خطے کی دوسری زبانوں کی طرح بھدرواہی نے بھی اُردو سے کافی فائیدہ لیا ہے۔لسانی سطح پر تو اس نے اپنے ذخیرہ الفاظ میں اُردو سے اسرفادہ کیا ہی ہے لیکن ادبی سطح پر بھی اس نے اُردو ہی کی روایات سے خوشہ چینی کرنے کی سعی کی ہے ۔جہاں تک بھدرواہی کی ادبی روایت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ حال ہی دین ہے ۔ڈاکٹر صابر مرزا نے اپنی تصنیف میں بھدرواہی کا ایک شعر لکھا ہے جو بے حد معنی خیز ہے شعر یہ ہے۔

ؔ ژرے میی یئی یئی گہوڑتاں کوسرے یئی

انتیر یوں نا میل نسے بہر نیاں نہانے یئی [1]

(ترجمہ: اے انسان جسم کی کھال کو تو مٹی مل مل کر کیوں رگڑ رہا ہے اس کے اندر کا میل باہر نہانے سے نہیں دُھل سکتا)

---

[1] ۔ صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات ۔ڈاکٹر صابر مرزا۔ ص ۴۲۶

۵۔ ڈوگری

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اس کے طویل وعرض میں بھانت بھانت کی بولیاں اور زبانیں رائج ہیں ۔نس انسانی میں پائے جانے والی گروہ بندیوں کے عین مطابق زبانیں اور بولیاں بھی الگ الگ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔جن سے ان کا تشخص قائم ہُوا ہے ۔ہمارے اس صوبہ جموں میں بولی جانے والی ڈوگری زبان بھی ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے۔ ریاست جموں وکشمیر کے صوبہ جموں کے کچھ علاقوں میں رہنے والےلوگوں کوعام طور پر ڈوگرہ کہا جاتا ہے ۔ان لوگوں کی اپنی مذہبی اورسماجی روایات اور اپناایک منفرد تمدن ہے ۔یہ لوگ جو زبان بولتے ہیں اُسے ڈوگری کہا جاتا ہے۔

اگراس زبان کی حدود کا محاسبہ کریں تو بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اس زبان وادب کا حدوداربعہ ڈوگری دیش کی طے شُدہ حدود سے بہت آگے تک پھیلا ہُوا ہے ۔یہ علاقہ جموں کے علاوہ ہماچل پردیش تک پھیلا ہُوا ہے۔ جہاں ڈوگری زبان بولی جانے کے علاوہ لکھی بھی جاتی ہے۔

جہاں تک ڈوگری زبان کے ذخیرہ الفاظ کا تعلق ہے اس کے ذیرہ الفاظ میں فارسی اور عربی زبانوں کا زیادہ تر دخل ہے ۔ ریاست کی عدالتوں ، تھانوں اور تحصیلوں غرض سارے سرکاری محکموں میں سرکاری کار کردگی اُردو زبان میں ہوتی ہے۔ اُن ہی وجوہات کے پیش نظر اُردو زبان میں مستعمل عربی اور فارسی الفاظ کا ڈوگری میں استعمال کیا جانا قدرتی عمل ہے۔ جسے لسانی اشتراک کی ایک کڑی کہا جا سکتا ہے ۔ ان الفاظ میں بعض اس کے الفاظ ہیں ۔ کریم ، رحمت، شفاعت ، اُمت، حشر، نور، عرش، کوہ، کلمہ، رب ، آدم وغیرہ۔

اُردو کے الفاظ جو عدلیہ اور قوانین سے تعلق رکھتے ہیں ڈوگری زبان میں آئے ہیں مگر ان الفاظ میں بعض کا پہلا حرف کسی دوسرے حرف میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ع، دال میں ۔ و، بے میں ض، جیم میں بدل جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر اُردو میں عدالت ڈوگری میں دالت میں بدل جاتا ہے ۔ وکیل ۔ بکیل میں ، درخواس ۔ درخاست میں ، ضامن ۔ جامن میں ، ضمانت ۔ جمانت اور فہرست ۔ فرست میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مگر ڈوگری میں ایسے الفاظ بھی جوں کے توں تبدیل بولے جاتے ہیں جس طرح اُردو میں اُن کا تلافظ ہے۔ یعنی اُردو کے الفاظ اپنی اصلی صورت میں ڈوگری میں سمائے ہُوئے ہیں۔ مثلاً

شہادت ،رعایا،سُپرد، جرمانہ،قصور، مچلکہ، ناظر، پروانہ ،رُقعہ ،دعوا، بیت المال، صلح ۔اثاثہ وغیرہ اُردو کے ایسے الفاظ ہیں جو ڈوگری میں جوں کے توں بولے جاتے ہیں۔

محکمہ مال سے متعلق اُردو الفاظ

مندرجہ بالا مثالوں کے علاوہ محکمہ مال سے متعلق اُردو الفاظ بھی ڈوگری میں موجود ہیں۔جیسے زمیں، پٹواری، پیمائش ،قانوں گو، داروغہ، تحصیل دار، وزیر، وزارت وغیرہ ایسے اُردو کے الفاظ ہیں جو ڈوگری میں جوں کے توں بولے جاتے ہیں۔

فوج سے متعلق اُردو الفاظ

اُردو کے ایسے الفاظ جو ڈوگری کے ذخیرہ میں موجود ہیں اور فوج سے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔اُن میں سے بعض الفاظ اس طرح سے ہیں جیسے حوالدار ، جمعدار، بندوق ، سپاہی، جوان، دُشمن، پیادہ ،خندق ،قلعہ وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو ڈوگری میں اپنی اصلی صورت یعنی اُردو میں ملتے ہیں۔اس کے علاوہ اُردو کے ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو تھوڑے سے ہیر پھیر کے ساتھ ڈوگری میں استعمال کیے جاتے ہیں جیسے توپ کو توف، بارود کو برود اور تمغہ کو تکمہ کہا جاتا ہے۔

ملبوسات سے متعلق ڈوگری میں استعمال ہونے والے اُردو الفاظ

لباس سے متعلق فارسی اور اُردو الفاظ ڈوگری زبان میں ہو بہو شکل میں موجود ہیں مثلاً شیروانی، جامہ، اندرس ،دستار وغیرہ جب کہ پاجامہ کو پجامہ، شلوار کو سلوار کہا جاتا ہے۔

مختلف علامات سے متعلق معمولی ہیر پھیر سے اُردو کے الفاظ جو ڈوگری میں استعمال ہوتے ہیں

مختلف علامات سے متعلق استعمال ہونے والے اُردو کے الفاظ معمولی رد و بدل سے ڈوگری زبان کے ذخیرہ الفاظ میں ملتے ہیں مثلاً معجون ،جوشاندہ اور بخار کو ڈوگری میں بالترتیب مجون، دشاندہ اور بخار بولے جاتے ہیں۔

مختلف پیشوں سے متعلق الفاظ

لوہار، نانوائی ،اخبارنویس، نامہ نگار ،کاتب ،قصائی، دھوبی، درزی ،باورچی، باغبان وغیرہ اُردو کے ایسے الفاظ ہیں جو اپنی اصل شکل میں ڈوگری میں موجود ہیں۔اس کے علاوہ کمینہ، بدمعاش، دغاباز، حرامزادہ اُردو کے ایسے الفاظ ہیں جو ڈوگری میں جوں

کے توں بولے جاتے ہیں۔شطرنج ،دنگل ،کشتی،بیگم،ملکہ،بادشاہ،تصویر،وزیر،قلم ، جادوگر،رشوت خور وغیرہ بھی ایسے الفاظ ہیں جواپنی اصلی صورت میں ڈوگری میں بولے جاتے ہیں۔

تحقیقی اعتبار سے لسانی سطح پر فارسی کے بعد اُردو زبان نے جموں خطے کی علاقائی زبانوں کی صرف آبیاری کی بلکہ ان زبانوں کے نکھار ،بناؤ سنگھار اور اُبھار میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔یہی وجہ ہے کہ ڈوگری زبان نے بھی آج علاقائی زبانوں کی صف میں الگ مقام بنالیا ہے۔جموں صوبے کے بیشتر علاقوں میں ڈوگری کا چلن اُس وقت بھی تھا۔جب مہاراجہ گلاب سنگھ ریاست کے والی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لسانی اعتبار سے ڈوگری، پنجابی اور اُردو کے قریب ہے۔اسی بات کو ڈاکٹر برج پریمی نے اس طرح پیش کیا ہے:

''ڈوگری ،سلطنت کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ریاست کی درباری زبان فارسی تھی۔لیکن خطہ جموں کے بیشتر علاقوں میں ڈوگری کا بول بالا تھا جو لسانی اعتبار سے پنجابی اور اُردو کے کے قریب ہے۔'' [1]

---

[1]۔جموں وکشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما ۔ڈاکٹر برج پریمی۔ ص ۱۸

جہاں تک ڈوگری زبان کے شعر و ادب کے ابتدائی نمونے کا تعلق ہے تو اس کے شواہد ہمیں سولہویں صدی عیسوی سے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صابر مرزا نے سترھویں صدی عیسوی تک کے چند مشہور شُعرا کے نام اس طرح پیش کئے ہیں:

''کانگڑہ کے مانک چند سترھویں صدی عیسوی میں گمبیر رائے اٹھارھویں صدی عیسوی میں دیوی دتا (دتو) اور اُنیسویں صدی میں گنگا رام کے نام قابل ذکر ہیں''۔ [۱]

ڈوگری زبان میں دتو کی ایک نظم اپنے زمانے میں بہت مقبول ہوئی۔ اُس کا عنوان تھا ''کلیا بتنا چھوڑ دتا'' یعنی میں نے اکیلے گھومنا چھوڑ دیا۔ ۱۷۷۵ء سے ۱۸۷۵ء کے بیچ کے زمانے میں پنڈت گنگا رام کی ڈوگری میں ایک نظم کا ثبوت ملتا ہے۔ جو دتو کی نظم کی طرح حسین پیرائے میں ڈھلی ہوئی ہے۔

اگر اس خطے میں ہم اُردو کی بات کریں تو یہ کہنے میں کبھی بھی کترائیں گے نہیں کہ اُردو یہاں ایک زمانے سے سیاسی و سماجی ہی نہیں بلکہ ادبی و لسانی

---

[۱] صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات۔ ڈاکٹر صابر مرزا۔ ص ۲۷۶

خدمات بھی انجام دیتی رہی ہے ۔جس طرح اُردو والوں نے برصیغر میں اپنا ادبی سفر شروع کیا تو اُن کے سامنے فارسی کی مضبوط روایت موجود تھی چنانچہ اُنہوں نے اس کی پیروی کی ۔اسی طرح جب ڈوگری والوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا تو اُنکے سامنے اُردو اور فارسی کی روعایات ہی سب سے زیادہ قریبی روایات کے طور پر موجود تھیں ان حالات میں ظاہر ہے کہ اُن سے متاثر ہونا ناگزیر ہی نہیں بلکہ ڈوگری ادب کی ترقی اور ترویج کے لیے اہم بھی تھا۔اس سچائی سے کوئی انکار نہیں کہ ڈوگری ادب کی جدید روایت کا سہرا بھی اُن ادبا وشُعرا کے سر پر باندھا جاتا ہے جھنوں نے اپنی زندگی کا آغاز اُردو سے کیا تھا اس زبان کی نئ روایت کو آگے بڑھانے کا کام ایک ادبی انجمن نے شروع کیا۔جس کا قیام ۱۹۴۳ء مے ن ہُوا۔اس انجمن کا نام" سنستھا" رکھا گیا جو زمانہ حال میں بھی اس زبان و ادب کی ترقی وترویج کیلیے جدو جُہد کر رہی ہے ۔ڈوگری ادب کی نئ روایت کی شروعات شاعری سے ہُوئی ۔اس روایت کے اہم شاعر دینو بھائی پنت ہیں۔ بنیادی طور پر آپ ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے آزادی تک برصغیر کے شعری ونثری اد میں جن موضوعات کو خاص طور سے فوقیت حاصل تھی ۔وہ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ

ترقی پسند نظریات کی ترویج سے تعلق رکھتے تھے۔ دینو بھائی پنت دوسرے لوگوں میں پیش پیش تھے۔اُن کی نظموں کا مجموعہ ''گتلو'' ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ اُن کے علاوہ ڈوگری کے دوسرے شاعر کشن سمیل پوری ہیں ان کی ادبی زندگی کا آغاز اُردو سے ہوا۔اُن کی ڈوگری غزل کا ایک شعر:

سر گادی گل لا اڑیا ؎

جبس اپنے دیسا گا اڑیا

اُن کے اس شعر سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس زبان پر اُردو کے اثرات کس قدر ہیں۔ آپ کی ڈوگری غزلوں کا ایک مجموعہ'' میری ڈوگری غزلاں'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ڈوگری ڈرامہ کے سلسلے میں رام ناتھ شاستری کا نام قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے ''باوا جتو ''ڈوگری ڈرامہ تصنیف کیا اور اسٹیج بھی کرایا ۔جس کی وجہ سے انھیں شہرت دوام ملی۔ جہاں تک ڈوگری زبان کا تعلق تو اس زبان میں نثری تخلیقات کا باقاعدہ طور پر آغاز ۱۹۴۶ء میں افسانوں کے ایک مجموعے سے ہوتا ہے ۔افسانوں کے اس مجموعے کا نام'' پہلا پھل'' ہے جس کے اُردو معنی'' پہلا پھول '' کے ہیں۔ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہُوئے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈوگری زبان پر اُردو کے اثرات کس قدر ہیں ۔آزادی کے بعد نریندر کھجوریہ،

مدن موہن ،للتا مہتا ،رام کمار وغیرہ نے کہانیوں کے مجموعے شائع کیے۔اُردو روایت کے زیراثر افسانے کی طرح ڈوگری میں ناول بھی لکھے گئے۔ نریندر کھجوریہ، مدن موہن ، ویدراہی ،شکنتلا شرما، ٹھاکر پونچھی ،نرسنگ دیو جموال، او پی شرما نے ڈوگری میں ناول لکھے۔ڈوگری ناولوں میں ''جس لے نیرہ پئی '' بیڑی،قیدی ، ریشم دے کپڑے، دریٹر، ننگا رُخ ، ہاڑ ، پتن ،شانو ، دھاراں تے دھوڑاں کے نام قابل ذکر ہیں۔

٦:۔پنجابی

جس طرح پہاڑی کو پہاڑ کی زبان کہتے ہیں اور بھدرواہی کو بھدرواہ کی زبان ۔اسی طرح پنجابی کو پنجاب کی زبان کہا جاتا ہے۔بے شک پنجابی پنجاب کی زبان لیکن یہ زبان پنجاب سے باہر بھی کئی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔جموں وکشمیر میں پنجابی زبان آغاز ارتقا اُردو زبان آغاز و ارتقا کے ساتھ ہی ہوا۔بالخصوص جموں صوبہ شروع سے ہی ہندوستان کا اٹوٹ انگ (حصہ) رہا ہے۔پنجاب اور سندھ پر مسلمانوں کی سیاسی بالادستی کے علاوہ پنجاب سے یہاں کے لوگوں کے سیاسی، سماجی، تجارتی، مذہبی اور تہذیبی روابط سے اس خطے میں پنجابی زبان کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ یہ زبان ارتقائی منازل طے کرتی رہی۔جموں صوبہ میں یہ زبان جموں شہر ، رنبیر سنگھ پورا ، راجوری، پونچھ اور اودھم پور کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔گرچہ ان علاقوں میں گوجری، پہاڑی اور کشمیری بولنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

حکومت جموں وکشمیر میں یہاں دوسری زبانوں کی طرح پنجابی کی ترقی کے لیے جموں یونی ورسٹی میں پنجابی کا شعبہ قائم کیا ہے۔جس کی وجہ سی اس زبان کو فروغ

حاصل ہورہا ہے۔اور دوسری بات یہ کہ اس زبان کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی و تنقیدی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔اس کے علاوہ جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز میں بھی پنجابی کا ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ جو اس زبان کے ادبا وشُعرا حضرات کو اس زبان کے ادب کی تخلیق کی اشاعت کے لیے مالی تعاون دیتا ہے۔

جموں صوبے میں اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مغلوں کے زوال کے بعد جب پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا تو زبان پنجاب کے میدانوں سے نکل کر جموں آ پہنچی۔ یہاں اس وقت مہاراجہ رنجیت دیو تخت پر بیٹھے تھے اور پنجاب سے بھاگ کر آئے ہوئے ہندو اور مسلمان لوگ اسی خطے کے مختلف علاقوں جموں، بسوہلی، جسوترا، اکھنور اور کانگڑا میں آباد ہو گئے۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اُنیسویں صدی میں جموں کا نظم ونسق سنبھالا، تو بہت سارے پنجابی آفیسر لاہور سے ڈوگر دیش آ پہنچے۔ بہت سے ڈوگروں نے بھی مہاراجہ رنجیت کے تیئں مختلف شعبوں میں خصوصاً انتظامیہ اور فوج میں ملازمتیں حاصل کیں۔ ان میں گلاب سنگھ، دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کا نام کافی شہرت کا حامل ہے۔ ان لوگوں نے پنجابی بولنا سیکھی اور اس سے ہر شعبہ،

پنجابی سے متاثر ہُوا۔اور خطہ جموں کے تعلیمی اداروں پر بھی پنجابی کا اثر پڑا۔اس عہد میں مشکل سے کوئی ایسا ضلع ہو گا جہاں پنجابی کا کوئی آفیسر تعینات نہ کیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ محکمہ تعلیم ،محکمہ مال اور محکمہ پولیس میں پنجابی آفیسر کی تقرری لازمی قرار دی گئی ۔پنجاب سے آنے والے اُنہی لوگوں کے توسط سے لوک کہانیاں ،لوک گیت ، ہیر رانجا ، روپ بسنت ، پورن سنگھ ، سسی پنوں یہاں پہنچیں۔ جن کے زیر اثر یہاں بھی پنجابی ادب کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا۔ جموں میں پنجابی میں نظمیں لکھی گئیں۔میاں محمد بخش نے سیف الملوک جیسی لامثال مثنوی تصنیف کی۔

میاں محمد بخش کے علاوہ غلام محمد خادمؔ نے بھی پنجابی میں نظمیں کہی ہیں۔اُن کینظموں میں بھی اُردو الفاظ بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔اُن کی ایک پنجابی نظم ''سیر کشمیر'' جو اُنہوں نے ۱۹۲۴ء کشمیر کے حضوری باغ میں علامہ اقبال کی زیر صدارت پڑھی تھی اُس کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

اک دن بیٹھاں بیٹھاں خیال آیا

وطن یاد آیا بے قرار ہویا

آخرکارمحبت نے جوش کیتا

مل گل کے سجناں پیاراں نوں

پنجابی کی اس نظم کے ان دو اشعار میں اُردو الفاظ کے عمل دخل کا پتہ نیچے دیے گئے گوشوارہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

پنجابی	اُردو
آخرکار	آخرکار
جوش	جوش

جموں صوبے سے تعلق رکھنے والے ایک اور پنجابی شاعر بشیراحمد بشیر نے تقسیم وطن سے پہلے ہی پنجابی میں شعر کہنے شروع کیے تھے نمونے طور پر دو اشعار ملاحظہ ہوں:

اُس عشق نے سمجھو کی کھٹیا جنوں حُسن دا لارا نا ملیا

اُس حُسن نوں سمجھو کی ملیا جِنوں عشق سہارا نا ملیا

ان اشعار سے بخوابی اندازہ لگایا جاسکتا ہے بشیرؔ نے اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے اُردو کے خزانے سے کس قدر استفادہ کیا ہے۔

پنجابی شعرا میں ست پرکاش آنند کا نام بھی قابل ذکر ہے ۔ اُنہوں

نے ۱۹۴۰ء میں تخلیقی سفر کا آغاز کیا ۔اُردو غزلوں کی کلاسیکی روایت کے زیرِ اثر غزل کے ساتھ ساتھ پنجابی گیت بھی لکھے ۔اُن کی غزلوں کا ایک مجموعہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا ۔اُن کی پنجابی غزلوں میں اُردو الفاظ کی بُہتات ہے یہاں جموں صوبہ کے پنجابی شعر کے اُفق پر ایک ستارہ اور بھی اُبھرا ہے۔ جس نام سرجیت سکھی ہے ۔۱۹۷۹ء میں اُن کی پنجابی غزلوں کا مجموعہ ''کرناں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔جس کو کافی داد تحسین حاصل ہوئی ۔اس کے علاوہ سریندر سیرت نے بھی غزل کی روایت کو مزید آگے بڑھایا ۔۱۹۶۹ء میں ''پینڈیاں ناڑاں'' کے نام سے رچھپال سنگھ بالی نے پہلا پنجابی ناول شائع کر کے پنجابی میں ناول نگاری میں آغاز کیا۔اس کے بعد بوپندر رینہ کا ناول ''سدھراں دی ڈولی'' سائع ہوا۔پنجابی ڈرامے کی ابتدا ڈاکٹر دیواندر سنگھ کے ڈرامے ''غرق ہورہیا منکھ'' سے ہوئی۔ یہاں محمود احمد محمودؔ نے بھی پچابی ڈرامے لکھے جب کہ خالد حسین نے پنجابی میں یادگار افسانے لکھے ہیں اور ان دنوں خالد حسین کو پنجابی کا ممتاز افسانہ نگار مانا جاتا ہے۔

صوبائی زبانوں کے تئیں اُردو کی ذمے داریاں

جموں صوبے کے لسانی منظرنامے پر نظر ڈالنے سے حیرت ہوتی ہے کہ

برصغیر ہندو پاک میں ریاست جموں وکشمیر میں جموں ایک واحد صوبہ ہے جہاں کافی تعداد میں زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔ تسلسل میں ان کی تعداد اس طرح بتائی گئی ہے:

''برصغیر ہندو پاک میں جموں شائد واحد صوبہ ہے جہاں پندرہ سے بیس کے لگ بھگ زبانیں یا بولیاں رائج ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''[1]

ان زبانوں یا بولیوں میں بھدرواہی، اُردو، ہندی، پہاڑی، گوجری، گدی، کشتواڑی، پاڈری بھلیسی، سراجی، پوگلی، رام بنی، پونچھی، پنجابی، ڈوگری وغیرہ خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ جموں صوبے میں اُردو کا چلن اگرچہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا پنجاب میں، پھر بھی باقاعدہ طور پر اسے ریاست کی عدالتی زبان ہونے کا شرف ۱۸۸۹ء میں حاصل ہوا۔ اور آزادی کے بعد اسے سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے جب اپنے دورِ حکومت میں ریاست کا پہلا اخبار'' بدیا بلاس'' جاری کیا تو اُس کی زبان اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی بھی رکھی اور یہ اخبار اُردو اور ہندی دونوں زبانوں ایک مدت تک جاری رہا۔

---

[1] تسلسل (شش ماہی) جلد:۱؛ شمارہ: ۱ ؛ شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی ص ۱۵۳

ریاست کی دوسری زبانوں سے اُردو کے اشتراکِ عمل کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہو سکتا ہے ؟ اُردو مفاہمت اور اشتراکِ عمل کی امین ہے نہ صرف اس کا اپنا وجود اسی مفاہمت اور اشتراکِ عمل کی دین ہے بلکہ اپنے ارتقا کی سبھی منزلوں پر اس مزاج کی ترویج و ترقی کی ضامن بھی رہی ہے ۔اگر اُردو کے حروفِ تہجی کا جائزہ لیں تو اُن میں عربی اور فارسی کے ہی نہیں بلکہ ہندی کے حروف بھی نظر آئیں گے۔جس کی حشتِ اول ہی مشترک سرمائے پر بنی ہو وہ دوسروں کی بہتری کے سوائے اور کوئی بات سوچ ہی نہیں سکتی ۔اپنے ارتقائی سفر کے دوران اس نے ایسا ہی کیا اُس نے ملک کی اکثت زبانوں کے سرمائے سے استعادہ کر کے نہ صرف اپنے ادبی ولسانی ذخیرے کو وزن ووقار عطا کیا بلکہ اُنھیں بھی بہت حد تک متاثر کیا۔اس ادبی لین دین کے نشانات نہ صرف اُردو ادب میں جگہ جگہ پھیلے ہُوئے ہیں۔ بلکہ دوسری زبانوں کے ادب میں بھی ان نشانات کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

بے شک اُردو ایک ایسی زبان ہے کہ جس نے اُن سبھی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کی ہے جو اُس پر لازم ہیں۔سرکاری زبان چاہے وہ قومی حیثیت رکھتی ہو یا ریاستی،اُس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جہاں اپنی ترویج و ترقی کے لیے مناسب

اقدام کرے وہاں ملک یا ریاست کی دوسری زبانوں کو بھی ترویج و ترقی کے مواقع فراہم کرے ۔اُردو اور ہماری ریاست کی علاقائی زبانوں کے مابین کس قدر قریبی رشتہ ہے اس کا اندازہ علاقائی زبانوں کے لسانی و ادبی سرمائے کا جائزہ لینے پر ہو سکتا ہے ۔وہ چاہے ڈوگری ہو یا پہاڑی، گوجری ہو یا کشمیری ،پنجابی ہو یا بھدرواہی، پونچھی ہو یا پنجابی ،اُردو نے کم وبیش سب کو متاثر کیا ہے ۔ڈوگری اور کشمیری جو ریاست جموں وکشمیر کے دو بڑے خطوں کی سر بر آوردہ علاقائی زبانیں ہیں ان کے ادبی اور لسانی سرمائے کا لینے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں نہ صرف اُردو کے الفاظ خاصی تعداد میں اُن کے لسانی سرمائے کا حصہ ہیں بلکہ اُردو کے شعری اصناف خصوصاً غزل اُن کی شعری ہئیتوں میں ایک موقر شعری صنف کے طور پر جلوہ گر نظر آتی ہے۔اُردو اور ریاست کی علاقائی زبانوں کے مابین صدیوں سے چلے آرہے اس مفاہمانہ رویہ کی وجہ سے یہاں ایسا لسانی وادبی ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ جسے صحت منداد بی ولسانی ماحول قرار دیا جا سکتا ہے۔ایک دوسرے کے حقوق کا احترام اس ماحول کی بنیادی قدر ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں دانش وری کی جو روایت پروان چڑھی ہے ۔وہ خاصی اطمینان بخش ہے۔

اُردو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتی ہے اور جانتی ہے کہ اُس کی اپنی بقا کا دارو مدار علاقائی زبانوں کی ترقی پر ہے۔ علاقائی زبانیں اگر آگے بڑھیں گی تو دانش وری کی نئی کونپلیں پھوٹیں گی اور جب نئی کونپلیں پھوٹیں گی تو اظہار کے لیے وسائل کی ضرورت پڑے گی اور نئے وسائل فراہم کرنے کی جتنی صلاحیت اُردو میں ہے شاید ہی کسی اورزبان میں ہو ۔اُردو ایک ایسے تہذیب محل کی طرح ہے جس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے ہیں اوراس محل میں ہر طبقے اورع علاقے اور ہرزبان وادب کی تصویریں آویزاں ہیں جو اس قصر کو ایسے آئینہ خانے کا روپ دیتی ہے جو منفرد ہی نہیں بلکہ لاثانی بھی ہے ۔یہ ہندوستانی تہذیب کی بوقلمونی وتنوع کا خوب صورت علامیہ ہے اسی وجہ سے علاقائی زبانوں کے تئیں اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں۔

باب چہارم

جموں صوبے میں ترسیل وابلاغ کے ذریعے

ترسیل وابلاغ کےذرائع:

ترسیل عربی لفظ ہے جس کا مادہ''رسل'' ہے اس کا مفہوم بھیجنا یا روانہ کرنا ہے ۔ یہ اُردو میں انگریزی کی اصطلاح Communicaation کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے ۔جس کا مفہوم دو اشیاء کے درمیان ربط پیدا کرنا ، دوسروں تک اپنی بات پہنچانا اور اپنے تجربات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے Communicationبذات خودلاطینی لفظcommunic سے ماخوذ ہےجس کا مطلب اشتراک ہے یعنی ہم اپنی بات جب دوسروں تک پہنچانے کے خواہاں ہوتے ہیں تو ہمارا مقصد مرسل الیہ یامخاطب کو اپنے خیالات ،اطلاعات یا تجربات میں شریک کرنا ہوتاہے۔دنیا میں رونما ہونے والے مختلف واقعات یا صورت حال میں ہرلمحہ میں ہوتی تبدیلی عوامی ذرائع ترسیل ہمیں بلا تاخیر آگاہ کراتے رہتے ہیں۔ اور صرف آگاہ ہی نہیں کرواتے بلکہ ہماری سوچ و فکر اور برتاؤ میں تبدیلی لا کر نئے شعور سے ہم آہنگ بھی کرواتے ہیں۔ اور ہمارے تجربات وسیع کر کے نئے مسائل سے نبرد آزمائی کے لائق بناتے ہیں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ترسیل و ابلاغ اداروں

نے صوبہ جموں میں اُردو زبان و ادب کے فروغ و ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو بالکل حق بجانب ہو گا ۔ترسیل وابلاغ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ نے اس صوبے میں اُردو زبان و ادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ذرائع ترسیل نے دنیا کا نقشہ بدل دیا ہے کسی بھی خیال یا تجربے کی ترسیل کے لیے اس کی خارجی پیش کش ضروری ہے ۔ اس پیش کش کا ایسی آوازوں ، اشاروں یا تصویروں میں ہونا ضروری ہے کہ ان سے بننے والا اشارتی نظام ،سماجی طور پر تسلیم شدہ ہو ۔انسانی خیالات کے سماجی طور پر تسلیم شدہ نشانات ،آوازوں یا اشاروں میں خارجی پیش کش کا ہی نام '' اظہار '' ہے ۔اظہار و ترسیل کا بنیادی وسیلہ (Means) الفاظ ہیں، جو سماجی طور پر تسلیم شدہ نشانات یا آوازوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔اور ایک ادشاراتی نظام کی تشکیل کرتے ہیں ۔ترسیل نے اشارات ونشانات کے ذرائع سے جدید و سائل تک لمبا سفر طے کیا ہے ۔اس کی ابتدا کا سلسلہ انسانی وجود کے ساتھ جڑا ہوا ہے ۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کو چاہے وہ اُردو ہو یا ہندی ،

فارسی ہو یا عربی ،انگریزی ہو یا چینی فروغ دینے میں ذرائع ابلاغ کا خاصہ دخل ہوتا ہے ۔ریاست جموں وکشمیر کے جموں صوبے میں جہاں دوگری وگوجری حکمرانوں ،ادیبوں ،شاعروں یا نقادوں نے اگراُردو زبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہیں آزادی کے بعد ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے بھی اس زبان کی مقبولیت میں چارچاند لگائے۔

یہاں اُردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا مختصر جائزہ لیا جا رہا ہے ۔

ا:۔ ریڈیو

۱۸۹۶ء میں مارکونی نے وائرلیس ٹیلی گراف کی ایجاد کر کے ترسیل کی دنیا میں انقلاب بر پا کیا ۔ ابھی اس ایجاد کو مشکل سے چالیس سال گزرے ہو ں گے اس سے زیادہ جامع ،مختصر اور سستا متبادل تلاش کر لیا گیا جیسے دنیا Waiquitous Transistor کے نام سے جانتی ہے یعنی اب ریڈیو نے دنیا کو پیش کردیا ۔ اور پیش کش بھی اس انداز سے کہ تاریخ عالم میں جس کی کوئی مثال نہیں تھی ۔چونکہ ریڈیو آواز کا کھیل تھا جو کچھ بھی کہنا ہو مختلف آوازوں کی مدد سے کہا جا سکتا تھا نہ جسمانی حرکات کا سہارا لینا پڑتا اور نہ چہرے کے تاثرات کا مزید یہ کہ بہت کم خرچ میں اور بہت کم وقت میں انسان زیادہ لوگوں تک پہنچ سکتا ہے لہٰذا اس ذرایعے ج سستے پن،کیثر الاترسیل اورآسان دستیابی نے صوبہ جموں میں بھی عوامی ذائعہ ترسیل کا دائرہ اُردو کی ترویج وترقی کے لیے وسیع تر کر دیا۔

ریڈیو کشمیر سری نگر/ جموں

ریڈیو کشمیر سری نگر ۱۹۴۹ء میں قائم ہُوا۔ابتدا میں اس نے اُردو زبان و ادب کےفروغ میں ناقابل فراموش کردار نبھایا۔ریڈیو کشمیر سری نگر اور ریڈیو کشمیر جموں ،کے زیر اہتمام کئی کل ہند نشاعرے منعقد ہوئے ۔ ریڈیوئی ڈرامے نشر کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہُوا۔مختلف موضوعات پر تنقید مضامین نشر کیے گئے۔محفل افسانہ منعقد کی جانے لگی ۔ریاست کے دور دراز علاقوں کے شاعروں اورادیبوں کو اپنی تخلیقات پیش کرنے کا موقع ملا۔ اس صوبے میں ریڈیو کے قیام سے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کےکار نامے منظرعام پرآئے ۔ریڈیو کشمیر جموں اورسری نگرکو اُردو کے نامور ادیبوں کی سرپرستی بھی حاصل رہی ہے ۔جن میں ٹھاکر پونچھی،راجندر سنگھ بیدیؔ، پریم ناتھ در ،موہن لال ایمہ ،کمال احمد صدیقی ،قیصر قلندر،غلام رسول نازکی ، پرون کشور ،علی محمد لون،جیتندر اُودھم پوری ،عبدالغنی شیخ،سوم ناتھ سادھو ،زبیر رضوی ، کے کے نئیر اورمیکش کاشمیری کا نام قابل ذکر ہیں ۔ریڈیو کی ملازمت کے دوران ان ادیبوں نے یہاں اُردو زبان وادب کوفروغ دینے میں اپنا خون جگر صرف کیا ہے ۔صوبہ جموں کے

علاوہ صوبہ کشمیر میں ڈرامے کی صنف کو مقبول عام بنانے میں ریڈیو کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے ۔اب تک سینکڑوں ڈرامے نشر ہو چکے ہیں ۔ریڈیو کشمیر جموں سے ادبی پروگرام بھی ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہوئے رہے ہیں ۔اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ان ادبی پروگراموں کا نعقاد ''محفل'' کے تحت ہوتا ہے جس کا ذکر جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کی ترقی میں اس طرح کیا گیا ہے۔

> ''۱۹۷۳ء تک ریڈیو کشمیر جموں سے ''محفل'' پروگرام کے تحت
> قریباً چار سو ادبی پروگراموں کا انعقاد ہو چکا ہے اب اس
> کی تعداد ہزاروں میں ہوگئی ہے ۔'' [۱]

ان پروگراموں کے تحت یہاں اُردو زبان وادب کو کافی ترقی ملی۔گویا اُردو کی ترقی کے ئیں ترسیل و ابلاغ کے اس ذریعہ نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

جموں صوبے میں مزید تخلیقی کاوشوں کا سلسلہ ریڈیو کشمیر جموں کے ذریعے ازسرِ نو شروع ہُوا۔اور ملک کی آزادی سے قبل اس صوبے سے اُردو زبان

۱۔ جموں و کشمیر میں اُردو زبان وادب کی ترقی، ڈائرکٹوریٹ آف
ڈسٹینس ایجوکیشن، یونی ورسٹی آف جموں ص ۳۰۰

کے اخبارات کی تعداد قلیل ہوتی گئی ۔تاہم انتشار کے زمانے میں ۱۹۴۸ء میں ریڈیو کشمیر جموں کے قیام نے تخلیقی کاوشوں کا سلسلہ مزید آگے بڑھایا ۔اس صوبے میں ریڈیو کشمیر جموں ہی ادبی اسکول تھا اور ایک ادبی مرکز بھی ۔اس ادبی ایسی شمع روشن کی جس کے تخلیقی کوششوں اور کاوشوں کا سلسل از سرِ روشن ہونے لگا۔

جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کی مقامی زبانوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں ان ذرئع نے مقامی زبانوں کے ادب کی ترقی کے راستے کھول دیے وہاں اُردو زبان کو بھی اس کا بہت بڑا فاییدہ ہُوا اور اُردو کی مختلف اصناف کو بھی اس کا بہت پروگراموں کی وساطت سے پیش کیا جائے گا ۔ریاست میں اگر ڈرامے کے سلسلے سے متعلق بات کریں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی یہاں اُردو ڈرامے کا ارتقا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۴۸۔۱۹۴۷ء سے جموں اور سری نگر دونوں خطوں میں ریڈیو اسٹیشن کے قیام نے اُردو ڈرامے کے فروغ کی راہیں کھول دیں۔ان دونوں اسٹیشنوں سے وقتاً فوقتاً اُردو ڈرامے پیش کیے جانے لگے ۔۴۸۔۱۹۴۷ء کے بعد اب تک دونوں اسٹیشنوں سے ایک ہزار سے زیادہ ڈرامے پیش کیے جاسکتے

ہیں۔ریڈیو کشمیر جموں، سے وابستہ رہ کر اُردو کے جن ادیبوں نے دوسری اصناف کے علاوہ ڈرامے کی صنف کو ترقی دیتے ہُوئے اُردو ڈرامے تخلیق کر کے پیش کرائے اُن میں ٹھاکر پونچھی، پشکر ناتھ ،رام کمار ابرول ،سکیل الرحمٰن ،مہیش شرما ، علی محمد لون وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ریڈیائی ڈراموں کا جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جموں صوبے کے علاوہ کشمیر صوبے میں بھی ریڈیو ڈرامے کے فن نے کافی حد تک ترقی کی،اس سلسلے میں پشکر ناتھ کے ڈرامے زیادہ تر اسی نوعیت کے ہیں جو ریڈیو کے لیے ہی لکھے گئے ہیں۔ پشکر ناتھ نے تین سو سے زائد ڈرامے صرفد ریڈیو کے لیے لکھے۔''آپ کا پہلا ڈرامہ ہے ۔آپ کے کئی ڈرامے ملک کے دوسرے ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی وقتاً فوقتاً نشر ہوتے رہے ہیں۔اُن کا ایک مشہور ریڈیو ڈرامہ'' ساون جلے بھادوں جلے'' ہے جس پر اُنھیں آکاش وانی سے انعام سے نوازہ گیا ہے ۔اس ڈرامے میں روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے واقع کو جس فن کاری سے پیش کیا گیا ہے وہ واقعہ قابل توجہ ہے ۔

۲:۔ ٹیلی ویژن

ریڈیو کے ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن نے بھی جموں سوبے میں اُردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریاست جموں و کشمیر میں کشمیر دور درشن کا قیام ۱۹۷۳ء میں عمل میں آیا۔ اس کے مقابلے میں دور درشن جموں کی عمر بہت کم ہے مگر یہاں سے خالص اُردو کا ادبی پروگرام ''آبشار'' مسلسل ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے اس پروگرام کے تحت ریاست سے تعلق رکھنے والے اُردو ادیبوں کے انٹرویوز کے علاوہ غزلوں کے پروگرام ہوتے ہیں۔ غزلوں کے علاوہ کبھی کبھار مشاعرے بھی کے بعد اُردو کے پروگرام زیادہ نشر ہوتے ہیں ۔ جن میں خبریں ، فیچر، ڈرامے ، بحث و مباحثہ وغیرہ شامل ہیں۔ ہر ماہ ''دھنک'' کے نام سے اُردو پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے۔ جو خالص علمی و ادبی نوعیت کا ہوتا ہے۔ نوجوانوں کے لیے'' عکس و آہنگ'' جیسے اُردو کے پروگرام کافی عرصے سے ٹیلی کاسٹ ہو رہے ہیں۔ اُردو میں ڈرامے بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ جو عوام و خواص میں بے حد مقبول بھی ہوئے ۔ دور درشن سری نگر کے اُردو پروگراموں کے ناظرین کا حلقہ کافی وسیع ہے اور اس کے اسٹیشن ڈائریکٹر اُردو کے اچھے ادیب رہے

ہیں جن میں مظہر امام ،فاروق نازکی ،انیس الحق ،رفیق مسعودی اوراشرف ساحل وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔انہوں نے ٹیلی ویژن سے وابستہ رہ کر ریاست بھر میں اُردو زبان وادب میں ذاتی دل چسپی لے کر بہت خدمات انجام دی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیلی ویژن کے قیام نے جموں صوبے میں اس شیرین زبان کے فروغ وارتقا میں ایک اہم رول ادا کیا ہے ۔ٹیلی ویژن کے قیام نے اُردو زبان کی مختلف اصناف سخن کے فروغ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔ڈرامہ بھی اُن میں سے ایک ہے ۔صرف آزاد کے سہارے ہی نہیں بلکہ ادا کاری کے سہارے بھی ٹیلی ویژن نے ڈرامہ کی خدمات انجام دیں۔

ٹیلی ویژن ہماری ریاست میں ایک اہم ثقافتی ادارہ ہے یہ ادارہ ریاست جموں وکشمیر کے تینوں صوبوں میں اُردو زبان میں خبریں ،فلمیں اور ڈرامے اوردیگر پروگرام پیش کرتا ہے۔ اور یہ پروگرام صرف ریاست میں ہی نہیں بلکہ بیرون ریاست بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ٹیلی ویژن کے قیام سے اُردو زبان و ادب کو بے حد مقبولیت اورفروغ ملا۔

المختصر یہ کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو جیسے ترسیل وابلاغ کے ذرایعے نے صوبہ جموں میں اُرو کی تشہیر میں اہم رول ادا کیا

”صوبہ جموں میں اُردو زُبان و ادب کا ارتقا
(۱۸۵۰ء۔۱۹۴۷ء)“

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

نگران: پروفیسر برکت علی مقالہ نگار: نجم دین

شُعبہ اُردو و فارسی

گورونانک دیو یونیورسٹی، امرت سر (پنجاب)

سنہ ۲۰۱۰ء

فہرست

Thesis for Ph.D.

"DEVELOPMENT OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE IN JAMMU REGION (1850 -1947)"

Submitted by

Najam Din

Supervisor

Prof. Barkat Ali

Department of Urdu and Persian

Guru Nanak Dev University , Amritsar (PUNJAB)

2010 A.D.

باب ہفتم

جموں یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کی ادبی خدمات

اُنیسویں صدی کے نصب آخر میں کہ جب ریاست جموں و کشمیر میں ڈوگرہ حکمرانوں کا راج تھا ۔جموں میں اُردو زبان اور ادب کا فروغ ہوا ۔ ڈوگرہ حکمرانوں ، شاعروں ،ادیبوں،نقادوں تحریکوں، ادبی انجمنوں ،محرم کی مجلسوں ، مشاعروں ،ناٹک کمپنی، نظیر اکبرآبادی کی نظموں ،عیسائیوں کی آمد ، ہندوستان سے آنے والے نقیبوں، بیرون ریاست سے آنے والے سیاحوں اور ریاست سے باہر کے مشاہیروں نے اُردو کے فروغ کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا ہے۔آزادی کے بعد یونی ورسٹی اور کالجوں کے اُردو شعبوں اور ذرائع ابلاغ نے بھی اس زبان کی مقبولیت کو بام عروج تک پُہنچایا ۔تحقیق و تنقید کے شعبوں میں ریاست کی دونوں یونی ورسٹیوں یعنی کشمیر یونی ورسٹی اور جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے کارناموں کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

ریاست میں پہلے پہل ’’ جموں وکشمیر یونی ورسٹی‘‘ نام کی ایک ہی یونی ورسٹی تھی بعد میں کشمیر یونی ورسٹی اور جموں یونی ورسٹی کے

نام سے الگ الگ یونی ورسٹیاں قائم ہُوئیں۔کشمیر یونی ورسٹی کے شُعبہ اُردو کا قیام ۱۹۵۸ء میں ہُوا۔اس شُعبے کو ملک کے نامور ادیب ملے ہیں ۔جنہوں نے یہاں رہ کراُردو کے فروغ میں ایسے کارنامے انجام دیے ہیں جنہیں ہمیشہ سراہا جاتا رہا ہے ۔ بیرونِ ریاست سے تعلق رکھنے والے حضرات جنہوں نے اس شعبےکو چار چاند لگائے اُن میں ڈاکٹرمحی الدین قادری زورؔ، پروفیسرآل احمدسرورؔ عبدالقادرسروری ،پروفیسرشکیل الرحمان اورجعفری رضا کے اسمائے گرامی نہایت ہی احترام کےساتھ لیے جا سکتے ہیں۔یہ وہ شخصیات ہیں جنہوں نے کئی تحقیقی اور تنقیدی کا رہائے نمایاں انجام دیے ہیں ، ''کشمیر میں اُردو '' عبدالقادر سروریؔ کا وہ کارنامہ ہے جسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔کشمیر یونی ورسٹی کے اس شعبے نے اب تک ہزاروں کی تعداد میں طالب علموں کو مستفید کیا ہے۔ اس شُعبے نے شاعر ، افسانہ نگار،ناول نگار انشاپرداز ،نقاد،صحافی ،ڈرامہ نگار وغیرہ دیے اورسینکڑوں موضوعات پر تحقیقی کام کروا کر ایم فل اورپی ایچ ڈی کی اسناد عطا کی ہیں۔ اس شُعبے سے تعلق رکھنے والے کئی طالب علموں نے اپنے

تحقیقی کارناموں کوکتابی شکل میں شائع کیا۔جس سے صرف کسی
مخصوص خطے ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر میں اُردو کُتب کے
ذخیرے میں اضافہ ہُوا ہے ۔اس کے علاوہ اس شُعبے نے توسیعی
خطبات بھی منعقد کروائے ۔

ان سب کے علاوہ یہ شُعبہ وقتاً فوقتاً مشاعروں کا اہتمام
بھی کرتا ہے ۔ سیمینار کرواتا ہے۔ یہ شُعبہ صرف جموں وکشمیر
ہی میں نہیں بلکہ ملک بھرمیں اپنی شناخت بنا چکا ہےشُعبے کی جانب سے
سالنامہ ''بازیافت''اس کی ایک کڑی۔اس رسالے میں ریاست کے
ادیبوں کے علاوہ بیرونِ ریاست سےتعلق رکھنے وال ادیب بھی اپنے
مضامین بازیافت کےلیے بھیج کر اس کی رونق کو دوبالا کرتے
ہی نہیں کرتے بلکہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیےمشعل راہ ثابت
ہوتے ہیں ۔اس شعبے سے جن اساتذہ کرام کا تعلق رہا ہے اُن
میں پروفیسر حامدی کاشمیری ہیں جن کی بُہت سی تصنیفات شائع ہو
چکی ہیں ''ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ادب '' اُن میں سے
ایک ہے ۔ پروفیسر محمد زمان آزردہؔ، پروفیسر قدوس جاوید ،پروفیسر
نذیر احمد ملک، ڈاکٹر برج پریمی ('' جموں و کشمیر میں اُردو کی نشو و
نما'' کے مصنف)،پروفیسر مجید مضمر،ڈاکٹر سُجان کور،ڈاکٹر منصور احمد منصورؔ

کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔

جموں یونی ورسٹی کے شُعبہ اُردو کا قیام ۱۹۶۵ء میں عمل میں لایا گیا۔ابتدا میں یہ شُعبہ بالکل ہی چھوٹا تھا لیکن بعد میں آہستہ آہستہ اس نے اپنا نام بام عروج تک پُہنچایا ۔ اب اس شُعبے کا شمار محض اس کے کارناموں کی وجہ سے ملک کے اہم ترین اُردو شعبوں میں ہوتا ہے ۔پروفیسر گیان چندجین کو اس یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو کے پہلے صدر ہونا کا شرف حاصل ہُوا۔ اس شعبے کے قائم ہونے پر اس میں صرف دو ہی طالب علموں نے داخلہ لیا تھا لیکن بعد میں طالب علموں کی تعداد میں یکے بعد دیگرے اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ اور آج کی تاریخ میں اس شعبے میں ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں طالب علم آتے ہیں ۔اور علم کے نور سے مستفید ہوتے ہیں ۔اور اسی چیز کی بدولت یہ شُعبہ ہندوستان بھر کے اُردو شعبوں میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے ۔

شعبہ اُردو کا تحقیق و تنقید کا کارنامہ ہو یا ادیبوں کی یاد میں مشاعرے کرانا ہو ۔ سیمیناروں کا اہتمام ہو یا کسی اور ادبی سرگرمی کا معاملہ ہو ۔ہر صورت میں اس شُعبے نے وہ کام

انجام دیے جنہیں اہل علم نے ہمیشہ سراہا ہے۔تحقیق و تنقید کے سِلسِلے میں اس شُعبے کے کارناموں کو سنہری حروف میں لکھا جا سکتا ہے ۔ اس شعبہ میں ایم فِل اور پی ۔ایچ ۔ڈی کے کئی بہترین مقالے لکھے گئے ہیں ۔ جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اس شعبے میں اجتماعی کاموں کے علاوہ انفرادی کام بھی ہُوئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ ایم فِل اور پی ۔ ایچ۔ڈی کے کئی بہترین مقالوں کو کتابی صورت میں شائع بھی کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شُعبے کے اساتذۂ کرام نے کتابیں بھی لکھی ہیں جن کو ملک بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور سراہا بھی گیا ۔ بعض اساتذہ کی کُتب پر ملک کی اکادمیوں نے اُنھیں انعام عطا کیے پروفیسر منظر اعظمی کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ ’’ اُردو میں تمثیل نگاری اور سب رس کا تنقیدی جائزہ‘‘ اُن کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس کو ملک کی بُہت سی یونی ورسٹیوں کے شعبۂ ہائے اُردو نے اپنے نصاف میں شامل کیا ہے اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے۔ڈاکٹر ظہورالدین کا تحقیقی مقالہ ’’بیسویں صدی کے اُردو ادب میں انگریزی کے رجحانات ‘‘ اور اس کے علاوہ اُن

کی کتاب

"Development of Urdu Language and Literature in Jammu Region"

ایک اور مثال ہے۔پروفیسر شیام لال کالرا عابدؔ پیشاوری کے نام کو نظر انداز کرنا کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا اُن کی مشہور کُتب میں ''انشااللہ خان انشاؔ ''انشاؔ کے حریف و حلیف'' اور '' نقطے اور شوشے '' ہیں ۔ان اُساتذہ کے کارناموں نے اس شُعبے کو عروج تک پہنچنے میں بُہت مدد کی ہے ۔

شُعبہ اُردو ۱۹۹۸ء سے'' تسلسل ''کے نام سے ایک مجلّہ بھی شائع کرتا چلا آرہا ہے ۔اس مجلّہ میں خالص تحقیقی و تنقیدی مضامین شائع ہو رہے ہیں ۔ ریاست کے ادیبوں کے علاوہ بیرون ریاست کے ادیب بھی اپنے مضامین اس مجلّہ کے لیے بھیجتے ہیں۔ شعبہ اُردو کا یہ شش ماہی مجلّہ ہے۔اُن طالب علموں کی پیاس اس مجلّہ کے مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد بجھتی ہے۔جو تحقیق کے کاموں میں جُڑے ہُوئے ہیں۔پروفیسر ظہور الدین کی نگرانی میں اس نے اپنی آنکھیں کھولیں ۔ ۱۹۹۸ء میں تسلسل کے پہلے شمارے کے جاری ہونے سے متعلق ریاست کے گورنر

جناب گریس چندر سکسینہ ۳۰ جولائی ۱۹۹۸ء کوسری نگر سے ایک پیغام میں اس طرح لکھا۔

"مجھے یہ جان کر مسرت ہُوئی ہے کہ اُردو زُبان کے فروغ کے لیے جموں یونی ورسٹی کا شُعبہ اُردو، مولانا الکلام آزاد کے یوم ولادت پر ایک شش ماہی اسالہ جاری کر رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ ایک اہم رول ادا کرنے میں کامیاب ہوگا۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ مذکورہ رسالہ جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کے تعلق سے ہو رہے معیاری تحقیقی و تنقیدی کام کو ریاست سے باہر متعارف کرانے میں بھی مددگار ثابت ہوگا۔

میں اس موقعہ پر شُعبہ اُردو کے صدر اور فیکلٹی کے دیگر ممبران کو مبارک باد دیتا ہُوں"[1]

گریس چندر سکسینہ
گونر جموں و کشمیر

---

[1] تسلسل (شش ماہی) جلد اول، شمارہ ا: شعبہ اُردو، جموں یونی ورسٹی ص ۲

ریاست کے گونر کے علاوہ اس وقت وزیر اعلیٰ ریاست جموں و کشمیر عزت مآب ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے بھی شعبہ اُردو کی کوشش کو سراہتے ہُوئے ۱۳ مارچ ۱۹۹۸ء کو جموں سے اپنے پیغام میں اس طرح لکھا۔

''مجھے یہ جان کر مسرت ہُوئی کہ شُعبۂ اُردو، دانش کدہ جموں ایک شش ماہی اُردو رسالہ جاری کر رہا ہے۔ اُردو ہماری ریاست کی سرکاری زبان ہے اور اس چھوٹے ہندوستان (ریاست جموں و کشمیر) میں جہاں مختلف بولیاں، مذہبوں، تہذیبوں اور رسم و رواج اپنانے والے لوگ بستے ہیں، اُردو آپسی اشتراک اور بھائی چارہ بڑھانے میں ایک اہم رول ادا کرتی آئی ہے۔ گو کہ حکومتی سطح پر اس زبان کو فروغ دینے کے لیے قابل قدر کام انجام دے جا رہے ہیں۔ یہ بُنیادی طور پر ہمارے ادیبوں، دانشوروں، شاعروں اور فنکاروں کا فرض ہے کہ وہ اس زبان کو نئی وُسعت اور ایک نئی جہت دیں۔ تا کہ یہ قومی سطح پر ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا رول ادا کر سکے۔ قومیں جرنیلوں اور سیاست دانوں سے نہیں، ادیبوں، دانشوروں، شاعروں، مفکروں اور فنکاروں سے نشو نما پاتی ہیں اور یہی لوگ اس بڑھتے ہُوئے

اندھیرے میں ہمارے لیے چراغ راہ گذر ہیں۔

اُردو زبان کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اس موقعہ پر میں آپ کی توجہ اقبال کے اس شعر کی طرف دلاتا ہوں

؎ گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزئی پروانہ ہے'' [1]

دستخط بزبان اُردو

فاروق عبداللہ

جولائی۔دسمبر ۲۰۰۶ء تک ''تسلسل'' کے اٹھارہ شمارے شائع ہو چکے ہیں اس کا تیرھواں شمارہ ''رسا جاودانی نمبر'' کے نام سے چھپا ہے اس کے سترہ شمارے پروفیسر ظہورالدین کی نگرانی میں منظرعام پر آئے جب کہ اٹھارواں شمارہ پروفیسر (ڈاکٹر) خورشید احمد صدیقی کی نگرانی میں شائع ہُوا۔

شُعبۂ اُردو ، ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا ہے اس نے اب تک کُل ہند اور ریاستی سطح کے کافی

---

[1] تسلسل (شش ماہی) جلد۔شمارہ:۱۔شُعبۂ اُردو، جموں یونی ورسٹی ص۳

مشاعرے منعقد کروا چکا ہے اس شعبے نے عالمی سیمنیار بھی مُنعقد کروائے۔'' اُردو کی نئی بستیاں '' اُن کی ایک مثال ہے۔ چوں کہ اس سمینیار میں ملک کے نامور ادیبوں ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ بیرون ملک (جاپان) کے ایک پروفیسر ہیروشی کانا گایکا نے بھی اس سیمنیار میں شمولیت کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ اس قسم کا سیمنیار تھا کہ جس میں دُنیا بھر میں اُردو کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا تھا اور اس حوالے سے مقالہ نگاروں نے مقالے پیش کیے تھے ۔شُعبۂ اُردو ملکی سطح پر ہر سال کسی نئے موضوع پر سیمی نار مُنعقد کرانے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ جن موضوعات کو لے کر اب تک ملکی سطح کے شعبہ اُردو کی جانب سے سیمی نار مُنعقد کرائے جا چکے ہیں ۔اُس میں سے کچھ موضوعات اس طرح سے ہیں:

تخلیقی ادب سیمی نار

اُردو کا رِشتہ علاقائی زبانوں کے ساتھ

ریاست میں اُردو ،ماضی، حال اور مستقبل

کل ہند اُردو رائٹرس کانفرنس

ڈرامہ سیمی نار

اس کے علاوہ یہ شُعبہ ریاست جموں و کشمیر کے بڑے
بڑے ادباءکی یاد میں سیمی نار یاپھر مشاعرے بھی کرواتا ہے
یہ شُعبئہ سال بھر میں سو سے بھی زیادہ ادبی تقاریب کااہتمام
کرتا ہے۔ اور باہر سے مہمانوں کوبلاتا ہےاس طرح جموں صوبے
ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھر کے تینوں خطوں (جموں،کشمیر،اورلداخ)
میں اُردو کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

جموں یونی ورسٹی کے شُعبۂ اُردو کی سرگرمیاں

جموں یونی ورسٹی کا شُعبۂ اُردو ہندوستان بھر میں اپنی پہچان بنائے ہُوئے ہے۔ اکثر و بیشتر یہ شُعبۂ ادبی محفلوں کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ریاست اور بیرون ریاست سے اہل علم کو اِن ادبی سرگرمیوں میں مدعو بھی کرتا ہے۔ قومی سطح اور بین الاقومی سطح کے سیمینار بھی اس شعبے کی زینت بنتے رہے ہیں ۔ اور ادبی مذاکرے بھی اس شُعبے نے منعقد کرائے جن میں ملک اور بیرون ملک سے شُعرا،دانشور ،محققین ،نقاد اور ماہر لسانیات شرکت کرتے رہے اور نئے نئے گوشے اُبھر کر سامنے آتے رہے۔جن نئے گوشوں کی طرف کبھی توجّہ ہی نہیں کی گئی ۔

شُعبۂ اُردو نے ۱۹۹۴ء میں آل اِنڈیا اُردو کانفرنس کا اِنعقاد کیا ۔یہ کانفرنس ۱۰اور ۱۱ فروری منعقد کی گئی اس میں ہندوستان بھر سے بڑے بڑے ماہرین زبان اوردانشور حضرات نے شرکت کی۔نئے نئے مسائل اُبھرے اور ان مسائل سے متعلق غور کیا جانے لگا کہ اُردو کو موجودہ حالات سے کس طرح مقابلہ کرنا ہوگا

ہندوستان کی بڑی بڑی یونی ورسٹیوں کے شُعبۂ اُردو سے تعلق رکھنے والے پروفیسروں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔جواہرلال نہرو یونی ورسٹی سے پروفیسر محمد حسن تشریف لائے ۔دہلی یونی ورسٹی سے پروفیسر ظہیراحمد صدیقی،کشمیر یونیورسٹی سے پروفیسر محمد زماں آزردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے پروفیسر عظیم الشان صدیقی اور چندی گڑھ یونی ورسٹی سے ڈاکٹر اخلاق اثر تشریف لائے ۔ ادبی سرگرمیوں، کلچرل پروگراموں جن میں اعزازی پروگرام بھی شامل ہیں اور سیمیناروں وغیرہ کے اعتبار سے ۱۹۹۵ء کا سال بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔اس لحاظ سے بھی کہ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۵ء تک تیس سال کا عرصہ ہُوا یعنی اس شُعبے نے تیس سال کا عرصہ پورا کیا۔اس شُعبے کے لیے یہ سال بڑا ہی سعادت مند ثابت ہُوا ۔ ۱۰ جون کو اس سِلسلے کا افتتاحی پروگرام مُنعقد کیا گیا ۔ گورنر کے مشیر آر کے سعید نے اس پروگرام کا اِفتتاح کیا۔ اور شُعبے کی تیس سالہ کارکردگی پر روشنی ڈالی گئی یہ تقریب شامِ غزل کے طور پر سنائیں ۔ ۱۹۹۵ء کے سال کو شُعبۂ اُردو کی طرف سے جشنِ گوہرین کے طور پر منایا گیا ۔سال بھر میں تیس کے لگ بھگ پروگرام مُنعقد

کیے گئے ۔ اُن میں سے چند اہم پروگرام کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ قومی مشاعرہ
۲۔ اُردو ڈرامہ سیمینار
۳۔ توسیعی خطبات
۴۔ مرکز لُغت کا قیام
۵۔ اعزازی پروگرام
۶۔ یوم اُردو کا نعقاد
۷۔ عشرت کشمیری سیمینار
۸۔ عابدمناوری پر سیمینار
۹۔ کتابوں کی نمائش اور
۱۰۔ ویدبھسین کی اُردو سے ہمدری کے تئیں اعزازی پروگرام۔

مندرجہ بالا پروگراموں کی تفصیل کچھ اس طرح سے تیار کی گئی ہے :

۱۔ قومی مشاعرہ :۔ اسی سال ۱۹۹۵ء کے فروری ماہ کی ۲۳ اور

۲۴ تاریخوں کو شُعبۂ اُردو نے قومی سطح کے ایک مشاعرے کا اہتمام کیا۔ اس مشاعرے میں صرف جموں خطّے ہی سے نہیں بلکہ وادی کے علاوہ ملک بھر سے نامی شُعرا نے شرکت کی جہاں لکھنؤ سے ملک زادہ منظور احمد نے اس مشاعرے میں شرکت کر کے اِسے کامیاب بنایا وہاں محترمہ شاہ جہان بانو یاؔد اور محترمہ بانو داراب وفاؔ نے اپنی اپنی غزلیں پڑھ کر حاضرین وناظرین کے دِلوں میں مسرت پیدا کی ۔

۲۔ اُردو ڈرامہ سیمینار:۔ شُعبۂ اُردو نے اسی سال تین روزہ قومی سیمینار منعقد کیا۔ مارچ ۱۹۹۵ء کی ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ تاریخوں کو یہ سہ روزہ سیمینار اُردو ڈرامہ کے موضوع پر ہی مُنعقد ہُوا ۔اس سیمینار کا افتتاح گورنر کے مشیر بی کے گوسوامی نے کیا۔ یونی ورسٹی آف جموں کے شیخ الجامعہ پروفیسر وائی آر ملہوترا نے اس پروگرام کی صدارت کے فرائض انجام دیے ۔ مُلک بھر سے اسکالروں نے اس سیمینار میں شرکت کی اور تیس اسکالروں نے اپنے اپنے مقالے پڑھے ۔ جن اسکالروں نے اس سیمینار میں

مقالے پڑھنے کا شرف حاصل کیا اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ پروفیسر شمیم حنفی ۔	جامعہ ملیہ اسلامیہ
۲۔ ڈاکٹر اسلم پرویز ۔	جواہرلال نہرو یونی ورسٹی
۳۔ پروفیسر محمد زمان آزردہؔ ۔	کشمیر یونی ورسٹی، سری نگر
۴۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی۔	دہلی یونی ورسٹی
۵۔ پروفیسر عظیم الشان ۔	جامعہ ملیہ اسلامیہ
۶۔ ڈاکٹر قمر جہاں۔	بنارس ہندو یونی ورسٹی
۷۔ پروفیسر شارب ردولوی ۔	جواہرلال نہرو یونی ورسٹی
۸۔ ڈاکٹر شہناز انجم ۔	جامعہ ملیہ اسلامیہ
۹۔ ڈاکٹر ہارون ایوب۔	پنجاب یونی ورسٹی
۱۰۔ اور ڈاکٹر توقیر عالم۔	دہلی سے تشریف لائے۔

ان پروفیسروں نے اپنے اپنے مقالے پڑھ کر حاضرین کو بُہت متاثر کیا۔ اور نئے نئے گوشے سامنے آئے۔

۳۔ توسیعی خُطبات :۔ اس خُطبہ کا سلسلہ پورے ایک مہینے تک چلا ۔یہ خُطبات جناب رشید حسن خاں نے یہاں دیے۔رشید حسن خاں ایک محقق اور اسکالر ہیں ۔ شُعبۂ اُردو نے انہیں خصوصی دعوت دی اور وہ یہاں تشریف لائے۔ستمبر ۱۹۹۵ء میں مہینہ بھر کے لیے رشید صاحب نے یہاں ہی قیام کیا اور توسیعی خُطبات کا سلسلہ شروع کیا ۔اُن کا یہاں تشریف لاکر توسیعی خُطبات کے سِلسِلے کی بسم اللہ کرنا ،نہ صرف یونی ورسٹی کے شُعبۂ اُردو کے لیے فعال ثابت ہُوا بلکہ ریاست بھر سے علم کی پیاس بجھانے والوں نے یہاں شرکت کی۔ اُن کے خُطبات اُردو اِملا اور گرائمر سے متعلق تھے اُن کے توسیعی خُطبات اُن لوگوں کے لیے مُفید ہُوئے جو اُردو اِملا کے بارے میں واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

۴۔ مرکزِ لُغت کا قیام:۔ بین الاقوامی شہُرت یافتہ محقق جناب رشید حسن خاں نے اِس مرکز کا ۳۰ ستمبر ۱۹۹۵ء کو افتتاح کیا۔ شُعبۂ اُردو نے اپنے طلبہ وطالبات کی مشکلات دور کرنے سے متعلق اس مرکز کا قیام عمل میں لایا اور اِس مرکز کے قیام کے

بعدطلبہ و طالبات کوکافی آسانیاں ہُوئیں۔اُن کی مشکلات کا ازالہ ہُوا۔

۵۔ اعزازی پروگرام :۔اس پروگرام کا انعقاد جناب بلراج پوری کی اُردو کی ادبی خدمات کے تیئں عمل میں لایا گیا ۔اُن کی اُردو میں خدمات کو دیکھتے ہُوئے ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء کوایک ادبی محفل مُنعقد کی گئی۔مُقررین نے بلراج پُوری کی اُردو کے تیئں خدمات پر روشنی ڈالی اور اُنہیں سراہا گیا ۔اس ادبی محفل کی صدارت سردار تیجا سنگھ نے کی۔اس پروگرام میں دور دور سے لوگوں نے شرکت کی اوراس پروگرام کوموثر بنایا ۔

٦۔ یوم اُردو کا اِنعقاد :۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ۱۱نومبر کو آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابو الکلام آزادؔ کا یومِ پیدائش ہے ۔اُن کی ادبی خدمات کے مدنظر رکھتے ہُوئے اہل اُردو نے اُن کے یوم پیدائش کو ''یوم اُردو ''(Urdu Day) کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ۔ اور اب ہر سال اِس دن

کو ''یومِ اُردو'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ۱۱ نومبر ۱۹۹۵ءکو شُعبۂ اُردو نے ایک ادبی محفل کا انعقاد کیا ۔ اور اس ادبی محفل کی صدارت جناب وید بھسین نے کی۔شُعبے کے اُساتذہ نے اپنے اپنے مقالے پڑھے ۔ڈاکٹر خورشید حمرا صدیقی ،ڈاکٹر شُہاب عنایت ملک، ڈاکٹر نُصرت چوہدری اور ڈاکٹر ضیاءالدین نے یوم اُردو کی اس تقریب میں اپنے اپنے مقالے پڑھےاورحاضرین نے ان مقالوں سے استفادہ حاصل کیا اور انہیں کافی سراہا۔

۷۔ عشرت کشمیری سیمینار :۔ عشرت کشمیری اُردو کےمشہور شاعر ہُوئے۔ یہ سیمینار اُن کی یاد میں مُنعقد کیا گیا ۔اس سیمینار کی صدارت کےفرائض جناب بلراج پوری نے انجام دیے۔ڈاکٹر شُہاب عنایت ملک اور ڈاکٹر محمد اسداللہ وانی نے مقالے پیش کیے ۔ مقالوں کے علاوہ تقاریر کا سلسلہ بھی چلا۔ مقررین میں ڈاکٹر ظہورالدین ،جناب وید بھسین ڈاکٹرخورشید حمرا صدیقی ، ڈاکٹر نُصرت چوہدری ،ڈاکٹر ضیاالدین اور مرزا عبدالحق نعیمیؔ نےعشرت کشمیری کی حیات اور ادبی خدمات کا جائزہ لیا۔

۸۔ عابدمناوری پرسیمینار:۔ عابدمناوری کی ادبی خدمات پر ۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ایک سیمینار کا اہتمام کیا گیا ۔ جس کی صدارت شیخ الجامعہ پروفیسر وائی آر ملہوترا نے کی ۔ مقالوں کے علاوہ تقاریر بھی کی گئیں۔ مقالے پڑھنے والوں میں پروفیسر منظر اعظمی اورمرزا محمد یٰسین بیگ تھے جب کہ مقررین میں ڈاکٹر ظہورالدین ، سردار تیجا سنگھ ، پدم شری رام ناتھ شاستری نے عابد مناوری کے بارے میں اُن کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ۔ ڈاکٹر خورشید حمراصدیقی ، ڈاکٹر نصرت چوہدری اور ڈاکٹر ضیاالدین نے بھی اپنی تقاریر میں اُن کی ادبی خدمات کو سراہا۔

۹۔ سہ روزہ نمائش :۔ شُعبے کی طرف سے کتابوں کی تین روزہ نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ ۲۵ تا ۲۷ دسمبر ۱۹۹۵ء تک یہ نمائش ہوئی۔ ہندوستان کے مشہور اُردو پبلیشرز ؛انجمن ترقی اُردو (ہند) اورسیمانت پرکاش دہلی نے شرکت کی۔ شیخ الجامعہ پروفیسر وائی آر ملہوترا نے اس سہ روزہ نمائش کاافتتاح کیا۔

۱۰۔ وید بھسین کی اُردوزبان کے تیئں اعزازی پروگرام :۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۵ء کوشُعبۂ اُردو نے شری وید بھسین (چیف ایڈیٹر کشمیر ٹائمز) کی اُردوزبان سے ہمدری اور خدمات کے بیش نظر ایک اعزازی جلسے کا انعقاد کیا ۔ ڈاکٹر ظہورالدین ،ڈاکٹر شُہاب عنایت ملک اور امین بنجارا نے بھسین صاحب کی حیات اور اُن کی اُردو خدمات پر مقالے پڑھے۔ اور دوسرے مقررین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شُعبے کی طرف سے ۱۹۹۶ء کی سرگرمیاں

سال ۱۹۹۶ء میں اقبالیات پر قومی سیمینار اور کل ہند ادبی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

۱۔ اقبالیات پر قومی سیمینار :۔ شُعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی نے اقبال انسٹی ٹیوٹ ،کشمیر یونی ورسٹی کے اشتراک سے اقبالیات پر تین روزہ قومی سیمینار مُنعقد کیا۔اس سیمینار میں مقامی اسکالروں کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں سے آئے ہُوئے اسکالروں نے اپنے مقالے

پڑھے مقالہ نگاروں نے اقبالیات کے مختلف اوراہم پہلوکو پیش کیا۔

۲۔ کُل ہند ادبی کانفرنس :۔ شُعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی نے ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۶ء کو کُل ہند کانفرنس منُعقد کی۔اس کانفرنس میں ملک کے نامور ادباء محققین اور نقادوں نے شرکت کی۔ اُردو کے مسائل پر غور و خوذ کیا گیا۔ بیرون ریاست سے پروفیسر شمیم حنفی پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، پروفیسر آفاق احمد، ڈاکٹر اثرؔ، ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی جب کہ مقامی اسکالروں میں ڈاکٹر ظہور الدین، ڈاکٹر خورشید حمرا صدیقی، ڈاکٹر نصرت چوہدری، پروفیسر شہابؔ عنایت ملک اور ڈاکٹر ضیاء الدین نے مقالے پڑھے۔

شُعبے کی طرف سے ۱۹۹۷ء میں کی جانے والی سرگرمیاں

۱۔ مشہور شاعر ویدپال دیپ کی برسی پر ایک ادبی نشست منعقد کی گئی

۲۔ ۷ مارچ تا ۹ مارچ ۱۹۹۷ء کو تین روزہ تخلیقی ادب سیمینار منعقد کیا گیا۔اس سیمینار میں بیرون ریاست سے اسکالروں

نے حصہ لیا جب کہ مقامی اسکالروں نے بھی اپنے مقالے پڑھے سیمینار میں محفل افسانہ اور قومی مشاعرے کا اہتمام بھی کیا گیا۔

۳۔ پروفیسر منظر اعظمی کی یاد میں ایک روزہ سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس میں پروفیسر مرحوم کی ادبی خدمات کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا۔

۴۔ محفل افسانہ کا اہتمام بھی شعبے نے اسی سال منعقد کیا۔ مقامی افسانہ نگاروں نے اپنے مقالے پڑھے۔

۵۔ ۲۳ اگست کو اسی سال شامِ رسا منائی گئی مقامی حضرات نے مشاعرے میں حصہ لیا۔

۶۔ ۲۲ نومبر کو جناب محمد یوسف ٹینگ کے اعزاز میں ایک ادبی پروگرام منعقد کیا گیا۔

۷۔ ۱۰ دسمبر کو مرغوب نانہالی کے اعزاز مین ایک ادبی پروگرام اور مشاعرے کا انعقاد ہُوا۔ جس میں موصوف کی اُردو اور کشمیری زبان کے تئیں ادبی خدمات کو سراہا گیا۔ مشاعرے میں ریاستی شُعرا کی خاصی تعداد نے حصہ لیا۔

شعبہ اُردو ان دنوں آئے دن کوئی نہ کوئی پروگرام کرواتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شعبئہ روز بروز ترقی کرتا چلا جا رہا ہے اور ملک بھر کے اُردو شُعبوں میں اپنی الگ پہچان بنا رہاہے۔ گذشتہ

دنوں شعبہ اُردو میں مشہور محقق پروفیسر گیان چند کے نام پر ایک سیمنار ہال قیام عمل میں لایا گیا۔ اس ہال کا نام ہی گیان چند ہال ہے۔ اس ہال کا افتتاح جموں یونیورسٹی کے حالیہ وائس چانسلر پروفیسر اروِن سا نہی نے کیا۔ اس کے مہمان خصوصی ریاست کے مشہور صحافی اور کشمیر ٹائمز کے مدیر جناب وید بھسین تھے۔

شعبہ اُردو گذشتہ کچھ عرصہ سے ''بازیافت'' کے عنوان سے توسیعی خطبات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر حامدی کاشمیری، پروفیسر قدوس جاوید، پروفیسر شاہد حسین، ڈاکٹر انور پاشا، ڈاکٹر علی جاوید وغیرہ کے خطبات ہو چکے ہیں۔

شعبہ اُردو کی جانب سے ریفرشر کورسز بھی کروائے جا رہے ہیں۔ اور صحافت اور ماس میڈیا کے کوسیز بھی شروع کرنے کے بارے میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ شعبہ اُردو کا شش ماہی رسالہ ''تسلسل'' پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ جس میں شعبہ اُردو کے اساتذہ کے علاوہ ملک کے معتبر دانشوروں کی تخلیقات شائع ہو رہی ہیں۔

بحیثیت مجموعی شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی کی کارکردگی نہ صرف تسلی بخش ہے بلکہ شعبہ اُردو کی سرگرمیوں کی وجہ سے جموں صوبہ میں اُردو زبان و ادب کے فروغ میں مدد مل رہی ہے۔

جموں یونی ورسٹی میں ''اُردو سیکھو'' کا نیا کورس

اُردو زبان سے ناواقف طلبہ کے لیے جموں یونی ورسٹی کے شعبہ اُردو کے پروفیشنل اسٹڈیز سینٹر نے ۲۰۰۷ء میں ایک نئے کورس کا آغاز کیا۔ جس کا نام '' اُردو سیکھو'' رکھا گیا۔ اُس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر امیتابھ مٹو نے اس کورس کا افتتاح کیا اس پر لطف کی بات یہ کہ مٹو صاحب ہی اس چھ ماہی کورس میں داخلہ لینے والے پہلے اُمیدوار بنے۔ ریاست جموں کشمیر میں اُردو سے نابلد لوگ بھی رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کثیر تعداد ہے اور وہ لوگ اُردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اُن کی دیرینہ مانگ بھی رہی ہے کہ اُنھیں اُردو زبان سے روشناس کرایا جائے۔ ۲۰۰۷ء میں مٹو صاحب نے اس کورس کا آغاز کر کے اُن کی اس دیرینہ مانگ کو پورا کیا۔

''اُردو سیکھو'' چھ ماہی کورس میں داخلہ لینا مشکل نہیں ہے۔ اس کورس میں داخلہ لینے والا اُمیدوار کم سے کم بارہویں پاس ہو۔ باقی کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں رکھی گئی۔ شعبہ اُردو کے پروفیشنل اسٹڈیز سینٹر کے اشتراک سے یہ کورس شروع کیا گیا۔ اس سینٹر کے ڈائریکٹر پروفیسر شہاب عنایت ملک ہیں۔ جن کی انتھک کوششوں اور کاوشوں نے اسے ترقی کی منازل طے کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

شعبہ اُردو، جموں یونی ورسٹی کے صدور کی فہرست

۱: پروفیسر گیان چند جین ۱۹۷۶۔۱۰۔۰۵۔۔۔۱۹۶۵۔۱۰۔۱۵

۲: پروفیسر شام لال کالرا (عابد پشاوری) ۱۹۷۷۔۔۔۱۹۷۶۔۱۰۔۰۵

۳: پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ ۱۹۸۳۔۱۲۔۳۱۔۔۔۱۹۷۷۔۰۸۔۱۸

۴: پروفیسر شام لال کالر (عابد پشاوری) ۱۹۹۱۔۰۵۔۱۰۔۔۔۱۹۸۳۔۱۲۔۳۱

۵: پروفیسر منظر اعظمی ۱۹۹۳۔۱۲۔۲۴۔۔۔ ۱۹۹۱۔۰۵۔۱۰

۶: پروفیسر ظہور الدین ۲۰۰۱۔۰۸۔۰۶۔۔۔۱۹۹۳۔۱۲۔۲۴

۷: پروفیسر خورسید حمرا صدیقی ۲۰۰۴۔۰۸۔۲۱۔۔۔۲۰۰۱۔۰۸۔۰۶

۸: پروفیسر پوش چاڑک چوہان ۲۰۰۶۔۰۸۔۳۰۔۔۔۲۰۰۴۔۰۸۔۔۲۱

۹: پروفیسر نصرت آرا چوہدری ۲۰۰۹۔۰۷۔۳۱۔۔۔۲۰۰۶۔۰۹۔۰۱

۱۰: پروفیسر شہاب عنایت ملک Till Date ۲۰۰۹۔۰۷۔۳۱

شعبہ اُردو کے اساتذہ؛

۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک صدر شعبہ

۲) پروفیسر خورشید حمرا صدیقی

۳) پروفیسر نصرت چوہدری

۴) پروفیسر سکھ چین سنگھ

۵) پروفیسر ضیاءالدین

۶) پروفیسر محمد اسداللہ وانی

۷) ڈاکٹر محمد ریاض

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ شعبہ اُردو کشمیر یونی ورسٹی کے سابق صدر پروفیسر قدوس جاوید بھی گذشتہ مئی ۲۰۰۹ء سے شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ انھیں U.G. C نے ایمریٹس فیلوشپ کے اعزاز سے نوازا ہے۔ پروفیسر قدوس جاوید ریاست جموں وکشمیر میں اُردو نثر کے آغاز وارتقا کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ ترتیب دے رہے ہیں۔شعبہ اُردو کے اساتذہ، ریسرچ اسکالر اور طلبا ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

باب پنجم

اُردو شاعری کا ارتقاء

جموں میں اُردو شاعری

قدیم زمانے میں ریاست جموں و کشمیر میں سنسکرت زُبان رائج رہی ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہاں مسلمانوں کی آمد ہوئی۔ اُن کی عملداری کے نتیجے میں فارسی کو درباری زُبان کا درجہ ملا۔ تقریباً چھ سو سال تک فارسی نے یہاں اپنا سکہ جمائے رکھا اور اس دوران اس زبان میں شعر و ادب کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے۔ یہ ریاست میں اُنیسویں عیسوی کے نصف آخر میں متعارف ہُوئی تب یہاں ڈوگرہ راجاؤں کی حکومت تھی۔ اُس وقت ایسے حالات پیدا ہوئے جو ریاست میں اُردو کو روز بہ روز مقبولیت اور شہرت حاصل کرنے اور یہاں کی سماجی، سرکاری اور تہذیبی زندگی میں قدم جمانے میں ساز گار ثابت ہُوئے۔ فارسی کے سرکاری زبان ہونے کے نتیجے میں کشمیری زبان پر لسانی اور تہذیبی اعتبار سے گہرے اور دور رس اثرات مثبت ہُوئے۔ قدرتی طور پر جب اہل کشمیر اُردو سے متعارف ہوئے تو انہیں یہ زبان اپنانے میں دشواری نہیں ہوئی کیونکہ

لسانی اعتبار سے بھی فارسی سے متاثر ہے۔ اس زمانے میں ریاست کےلوگوں کے پنجاب اور یوپی نواحی علاقوں سےقریبی تعلقات تھے۔اور اُردو، پنجاب اور یوپی میں کافی مقبول تھی۔ اس لیےاُردو کے شعرا اورادبا کےریاست میں آنے سے اُردو کی مقبولیت میں اضافہ ہُوا۔اس کے علاوہ عام لوگ بھی یہاں تجارت کی غرض سےآتے ،سیاح اور دیگر سرکاری آفیسر بھی باہر سےآتے رہتے اوریہاں کےلوگوں سے اُردو میں ہی بات کرتے رہے۔اس طرح یہاں ریاست بھر میں اُردو کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔اس کی مقبولیت کے بارے میں طبقات الارض کے ماہرفریڈرک ڈریو کےحوالے سےحامدی کاشمیری نےلکھاہے۔

''ہندوستان سےآنے والےملازم لوگ بلاشبہ ہندوستانی (اُردو)بولتے ہیں اورمقامی لوگ اسے سمجھ لیتے ہیں''۔ [۱]

جیساکہ پہلے بتایا جاچکاہے کہ ۱۸۴۶ءسے لے کر ۱۸۸۹ءتک

۱۔ریاست جموں وکشمیر میں اُردوادب۔حامدی کاشمیری ص ۶۹

آتے آتے اُردو کو کافی مقبولیت حاصل ہوگئی ۔اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہُوئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ۱۸۸۹ء میں اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔اور یہ زبان دفاتر اور عدالتوں میں رائج ہو گئی اور تعلیمی اداروں میں بھی پڑھائی جانے لگی اس ب قبل مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور حکومت میں اُردو کے حق میں چند اقدامات کئے گئے ۔بعض کشمیری حضرات نے لاہور سے اخبارات جاری کئے ۔خیر خواہ، کشمیر مراسلہ کشمیر ''اخبار عام'' اور ''بہار کشمیر'' اُن میں خاص اخبارات ہیں۔ محمد الدین فوقؔ نے پنجۂ فولاد اور کشمیر میگزین شائع کیا ۱۹۳۰ء میں انقلاب جاری ہُوا اور اس میں کشمیریوں کے استحصال اور بے چارگی کی آواز بلند ہونے لگی۔اُنیسویں صدی کے آواخر میں ''بدیابلاس سبھا'' قائم ہُوئی ۔اور اس کے اہتمام سے اُردو میں نئ کُتب ترجمہ کی گئیں بدیا بلاس کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا گیا۔ جو دو زبانوں (اُردو اور ہندی) میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۸۷۳ء میں ہرگوپال کول خستہؔ کی پہلی اُردو تاریخ ''گلدستہ کشمیر'' شائع ہُوئی وہ ''تحفہ کشمیر'' کے نام سے اخبار بھی نکالتے تھے

بیسویں صدی کے آغاز سے جموں و کشمیر میں اُردو شعر و ادب کے لیے فضا مزید سازگار ہُوئی اور ریاست کے بشیتر شعرا نے اُردو کو اپنا وسیلہ اظہار بنایا اور اُن کی منظومات اور مضامین اخباروں کے ادبی ایڈیشنوں میں چھپنے لگے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے شروع ہی سے جموں صوبے میں ادبی سرگرمیوں کا آغاز ہُوا۔ ملک کے نامور شاعر اور ادیب یہاں موجود تھے اس ادبی ماحول کی وجہ سے ۱۹۱۲ء میں ''بزمِ ادب'' نام کی تنظیم وجود میں آئی۔ جس کی وجہ سے یہاں باقاعدہ طور پر مشاعروں کا آغاز ہُوا۔ ملک کے نامور شُعرا ان مشاعروں میں شرکت کرنے لگے ۔ چونکہ یہاں شروع میں نشرو اشاعت پر کافی پابندیاں تھیں اس لیے یہاں کے مقامی ادیبوں کی تخلیقات ریاست سے باہر چھپنے والے رسالوں میں شائع ہوتی تھیں۔ لیکن جب ۱۹۲۴ء میں لالہ مُلک راج صراف نے اُردو کا پہلا اخبار ''رنبیر'' جاری کیا تو مقامی شاعروں کی تخلیقات اس میں چھپنے لگیں جس کی وجہ سے شعر کی حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ اس سے فائیدہ یہ ہُوا کہ شعر و شاعری کو زیادہ فروغ ملا

اُردو اب نہ صرف تخلیقی زبان بننے لگی بلکہ جلد ہی یہ ریاست کے تینوں خطوں میں رابطے کی زبان کا درجہ حاصل کر گئی۔ اس کے علاوہ باقی ملک کے ساتھ بھی اس نے رابطہ قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے ۔ تمام سرکاری دفاتر میں ہی نہیں بلکہ عدالتوں، اسکولوں اور کالجوں میں بھی اُردو آ گئی ۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ریاست میں عوامی حکومت کے بننے کے ساتھ ساتھ ہی اُردو کو یہاں کی سرکاری زبان تسلیم کیا گیا۔ جموں یونی ورسٹی اور کشمیر یونی روسٹی کے قیام کے ساتھ ہی پوسٹ گریجویشن شعبے قائم ہُوئے اور اُردو کی اعلا تعلیم اور تحقیق کے انتظامات کیے گئے۔ کلچرل اکادمی قائم کی گئی جس کے اہتمام سے اُردو کُتب کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔ اُردو کُتب پر انعام دیے جاتے ہیں اور مصنیفن کو کُتب کی اشاعت کے لیے مالی تعاون کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیلی ویژن ریڈیو اور شعبہ اطاعات (انفارمیشن) کی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی اُردو ادب کی مقبولیت میں اچھا خاصا اضافہ ہُوا اور رسائل جاری کیے گئے لہٰذا ان حالات میں شعر و ادب کی ترقی وترویج کے امکانات روشن ہُوئے۔ اُردو کے فروغ میں ریڈیو، ٹیلی ویژن

اور انفارمیشن کے کردار سے متعلق ایک الگ بات میں تفصیل سے ذکرکر دیا گیا ہے۔

ہندوستان کی آزادی سے قبل یہاں شُعرا کی خاصی تعداد سامنے آئی وہ برابر شعر گوئی میں مصروف رہے ۔اُن میں کشن سمیل پوری ،کشن لال حبیب ، ہدایت اللہ فوقؔ، قیس شروانی رساجاودانی،نرسنگھ داس نرگسؔ، میکش کاشمیری ، غلام رسول تنہاؔ، دینا ناتھ مستؔ، عشرت کاشمیری ، تنہا انصاری ،منوہرلال دل، اللہ رکھا ساغرؔ ،کیف اسرائیلی ،چراغ حسن حسرتؔ ، قمر قمرازی دینا ناتھ رفیقؔ، نند لال کول طالبؔ ،نندلال کول بے غرض،شہ زورکشمیری، میرغلام رسول نازکیؔ، مرزا کمال الدین شیداؔ، وشوا ناتھ درماہؔ غ۔م طاؤسؔ ،شیخ غلام علی بُلبُل کاشمیری، سرفرازحسین خان، تحسین جعفری ، رہبر پونچھی حکیم دوارکا ناتھ حاذقؔ ،سرون ناتھ آفتابؔ، حبیب کیفوی، لالہ منوہر لال شہیدؔ وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔یہ شعرا بالعموم وطن سے پہلے کے اہم شعری رجحانات مثلاً حسن و عشق ، آزادی، وطنیت وغیرہ کااظہارکرتے رہے ۔ان میں سے کئی شُعرا کے شعری مجموعے

منظر عام پر بھی آئے۔کشن سمیل پوری کا ''فردوس وطن'' دیناناتھ رفیق کا'' سبنل وریحان '' نندلال کول طالب کا ''رشحاتِ قلم'' غلام رسول نازکی کا ''دیدۂ تر'' قمر قمرازی کا ''ارمغان کشمیر'' رساجاودانی کا نیرنگ غزل'' اور نظم ثریا'' منوہرلال دل کا ''نقد دل '' نندلال کول بے غرض کا ''ترانہ بے غرض'' شیخ غلام علی بلبل کا''خندۂ گل '' غ، م طاؤس کا ''موج موج ''وغیرہ کے نام لے جا سکتے ہیں۔

جموں کے اُردو اُدبا وشعرا

۱:۔ منشی محمد دین فوقؔ

۲:۔ رساؔ جاودانی

۳:۔ کشن سمیل پوری

۴:۔ چراغ حسن حسرتؔ

۵:۔ دیناناتھ رفیقؔ

۶:۔ سرون ناتھ آفتابؔ

۷:۔ حبیب کیفوی

۸:۔ نشاط کشتواڑی

۹:۔ عرشؔ صہبائی

۱۰:۔ عابدؔ مناوری

۱۱:۔ حسام الدین بیتابؔ

۱۲:۔ مرزا محمد یسین بیگ

۱۳:۔خوشید یومینی

۱۴:۔ شورتن لال برقؔ

۱۵:۔ پرتپال سنگھ بیتاب

۱۶:۔ خورشید کرمانی

۱۷:۔ ڈاکٹر صابر مرزا

۱۸:۔ محمود حسن محمود

۱۹:۔ حکیم منظور

۲۰:۔ سجاد پوپچھی

۲۱:۔ پرویز مانوس

۲۲:۔ غلام نبی گونی

۲۳:۔ مسعود حسن مسعود

۲۴:۔ عبدالرحمٰن دیوانہ

۲۵:۔ شیخ عبدالغنی فقیر

۲۶:۔ وفا بھدرواہی

۲۷:۔ ودیالال ورد

۲۹:۔ غلام علی کیلو عاصی

۳۰:۔ شاذ شرقی

۳۱:۔ قاضی محمد اسداللہ

۳۲:۔ زائر بھدرواہی

۳۳:۔ محمد شفیع دلکشؔ

۳۴:۔ ساغرؔ صحرائی

۳۵:۔ رند بھدرواہی

۳۶:۔ غلام حسین شاہ عاصیؔ

۳۷:۔ بلراج کمار بخشی

۳۸:۔ عبدالرشید فداؔ

۳۹:۔ شہبازؔ راجوروی

۴۰:۔ ڈاکٹر امیر جعفری شادؔ

۴۱:۔ امتیاز نسیمؔ ہاشمی

۴۲:۔ ع۔ع۔ عارفؔ

۴۳:۔ راجیش گوہرؔ

۴۴:۔ محمد امین بانہالی

۴۵:۔ الطاف کشتواڑی

۴۶:۔ مہیش شرما

۴۷:۔ بال کرشن ساگر

۴۸:۔ رہبر جدید

۴۹:۔ گردھاری لال برق

۵۰:۔ ودیارتن عاصی

۵۱:۔ فاروق مضطر

۵۲:۔ مرغوب بانہالی

۵۳:۔ شورتن لال رینہ آزاد

۵۴:۔ غلام مصطفٰے عشرت کشتواڑی

۵۵:۔ رہبر پونچھی

۵۶:۔ پرتھوی لال خمار

۵۷:۔ حکیم دوارکا ناتھ حاذق

۵۸:۔ لالہ منوہر لال شہید

۵۹:۔ ہر بھگوان شاد

۶۰:۔ جاوید راہی

۶۱:۔ بشارت حسین جاذب

۶۲:۔ بشیر حسین بٹ

۶۳:۔ خورشید بسملؔ

۶۴:۔ علمدار حسین شاہ عدمؔ

۶۵:۔ راج کمار ابرولؔ

۶۶:۔ وجے سوسنؔ

۶۷:۔ گوہر بانہالی

۶۸:۔ عنایت تنوہرؔ

۶۹:۔ عبدالغنی جاگل

۷۰:۔ ڈاکٹر رفیق انجمؔ

۷۱:۔ عشاقؔ کشتواڑی

۷۲:۔ مستور احمد شادؔ

۷۳:۔ ڈاکٹر لیاقت علی جعفری

۷۴:۔ شیخ خالد کرارؔ

۷۵:۔ احتشام حسین بٹ

۷۶:۔ فاروق احمد مغل پروازؔ

۷۷:۔مختار الدین اعوان ظہیرؔ

۷۸:۔ لیاقت حسین شاہ نیّر
۷۹:۔ سرفراز حسین خاں تحسینؔ جعفری
۸۰:۔ محمد عُمر فرحتؔ
۸۱:۔ احمد شناسؔ
۸۲:۔ نثار راہیؔ
۸۳:۔ شام طالبؔ
۸۴:۔ ڈاکٹر پریمی رومانی

۱:۔ منشی محمد دین فوقؔ

کشمیر کی تاریخ اورادبی اورصحافتی سرگرمیوں کے ساتھ گہری وابستگی رکھنے والے فوقؔ کی پیدائش ۱۸۷۷ء میں ہُوئی ۔چھوٹی عمر میں ہی محکمہ پرمٹ میں سرکاری نوکری مل گئی لیکن جلد ہی اس ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور لاہور جابسے ۔صحافت سے اُن کو گہرا لگاؤ تھا۔لہٰذا وہاں پہنچتے ہی ''پیسہ اخبار ''کے دفتر میں ملازم ہوگئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنا اخبار ''پنجہ فولاذ'' کے نام سے جاری کیا ۔ تقریباً چھ سال یہ اخبار شائع ہوتا رہا کچھ عرصہ کے بعد اُنہوں نے ماہنامہ ''کشمیرمیگزین '' جاری کیا۔ بعد میں یہ ماہنامہ ہفت روز بن گیا اس طرح کشمیر میگزین سے سے یہ ''اخبار کشمیر'' ہو گیا۔ ماہنامہ ''طریقت '' اور کشمیری اخبار'' سے بھی فوقؔ مرحوم کا تعلق رہا ہے۔

فوقؔ ایک صحافی ہونے کے علاوہ مورخ اور سوانح نگار تو تھے ہی اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے ۔نظم اورغزل جیسی اصناف پر اُنہوں نے اپنا قلم اٹھایا ۔ اُن کی ایک

نظم ''کشمیر میں اُردو'' سے لیے گئے دو اشعار ملاخط فرمائیں

میرا کشمیر بھی ہندوستان بھر میں غنیمت ہے

جہاں علم و ہنر کے دیر تک چشمے رہے جاری

اس کشمیر میں بڈشاہ و شاہ معظم تھا

کہ جس کے دور میں تھی علم وفن کی گرم بازاری

فوقؔ کو نظم کے علاوہ غزل کہنے میں بھی کافی مہارت حاصل تھی اُن کی ایک غزل کے تین اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو ''کشمیر میں اُردو'' میں چھپی ہے۔

کس ہستی موہوم پہ غافل یہ تکبر ۔ اتنا تو سمجھو کوئی رہے گا نہ رہا ہے

میں وہ کہ ترے ظلم وستم پر بھی دُعا گو ۔ تو وہ کہ مرے عجز ووفا بھی خفا ہے

آ، اور میری چشم تصور میں سما جا ۔ آئینہ ترا دیر سے بے عکس پڑا ہے

جموں و کشمیر میں ذوق اور شعر و شاعری کو فروغ دینے میں فوقؔ کی مساعی کو دخل رہا ہے۔شعر و ادب کا ذوق پھیلانے

۱۔ کشمیر میں اُردو (جلد دوم) عبدالقادر سروری ص۲۰۹

۲۔ کشمیر میں اُردو (جلد دوم) عبدالقادر سروری ص۲۰۹

کی غرض سے وہ ادبی منعقد کیا کرتے تھے۔اپنا کلام سنانے
اور ساتھیوں سے کلام سننے کے لیے وہ اجتماع کا انتظام کیا کرتے تھے
اس کے ساتھ ساتھ محرم میں مراثی سنے کے لیے جو اجتماع ہوتے
تھے اُن میں فوقؔ مرحوم بھی اپنا کلام سُنایا کرتے تھے ۔فوقؔ کو
دیکھ کر بڑے بڑے رئیسوں نے بھی شعر و شاعری کی طرف
رغبت کی جن میں راجہ بشیر علی خاں بسملؔ کا نام لیا جا سکتا ہے
فوقؔ کے کلام کا مجموعہ ''کلام فوق'' کے عنوان سے شائع ہو
چکا ہے۔

۲۔ رسؔا جاودانی

عبدالقدوس نام رسؔا جاودانی تخلص۔ ۱۹۰۱ء میں بھدوراہ میں پیدا ہُوئے رسؔا کے گھر میں علمی و ادبی ماحول تھا جس کے اثر سے بچپن ہی سے وہ شعر و شاعری کی طرف راغب ہُوئے شعر کہنے کے ساتھ ساتھ اُنہیں گانے بجانے سے بھی دلچسپی تھی۔ جس نے اُن کی تخلیقی صلاحیت کو جلا بخشی گانے بجانے سے اُن کے دل میں ایک عجیب گداختگی پیدا ہُوئی اور آہستہ آہستہ شعر وشاعری میں خاصی دسترس حاصل کی۔ اُنہوں نے ہمیشہ اپنے ذوق کو ہی اپنا راہ بنایا اور خدا داد صلاحیت کے سہارے اُن کے کلام میں اس قدر پختگی پیدا ہُوئی کہ ریاست کے بڑے شعرا میں اُن کا شمار ہونے لگا ۔ اُن کے دو شعری مجموعے ''لالہء صحرا'' اور ''نظم ثریا'' بالترتیب ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۲ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں مجموعے اُردو دُنیا میں قدر کی نگاہوں دیکھے جاتے ہیں۔ رسؔا نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے چنانچہ اُن کے یہاں غزل ،نظم ،قطعات، رباعیات ، گیت، مسدس

وغیرہ ملتے ہیں ۔اُن کےکلام میں اُردو کے اساتذہ کارنگ ملتا ہے۔بنیادی طور پر وہ روایت پسند ہیں لیکن ان کی بعض غزلیں نئے انداز اور نئے اسلوب میں ملتی ہیں ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر رسؔا غزل کے شاعر تھے۔بعض اُردو کے ناقدین نے جن میں پروفیسر زورؔ بھی شامل ہیں اُن کی غزل گوئی کو اُن کی نظمیہ شاعری پر اولیت کا درجہ دیا ہے۔لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو نظم گوئی میں بھی اُن کا درجہ کچھ کم نہیں اُنھوں نے نظمیں بھی اُسی خون جگر کی آمیزش سے کہی ہیں جو اُن کی غزلوں کا طرہ امتیاز ہے۔جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں کہا جا چکا ہے کہ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں اور اسی صنف میں اُن کا جوہر نمایاں ہوتا ہے اُنھوں نے اپنی بیشتر غزلوں میں چھوٹی بحور کا استعمال کیا ہے جن میں موضوع کے اعتبار سے فکر اور سوچ کی گہرائیاں نظر آتی ہیں۔اُن کی غزلوں میں حزن و ملال کی ایک خاص کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔لیکن وہ اس ملال کو اپنی شاعری پر حاوی ہونے نہیں دیتے۔اُن کے اشعار میں ایک ہلکی ہلکی سلگتی ہُوئی آگ کا احساس ہوتا ہے۔ جس کا

اثر اُن کے قاری کو تڑپا دیتا ہے۔

رسؔا جاودانی نے غزلوں کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی طبع آزمائی کی اپنی نظموں میں اُنہوں نے انسانی فطرت اور مناظر قدرت کی خوب صورتی کو پیش کیا ہے۔ منظر نگاری میں تو وہ خاص قدرت رکھتے ہیں۔ وہ الفاظ کے مناسب استعمال سے معنی کی نئ جہتیں اُبھار کر پورے منظر کو ایک مصور کی تصویر بناتے ہیں۔ ایسے مناظر غیر محسوس طریقے سے قاری پر اثر انداز ہوتے ہیں اُن کی بعض غزلیں بھی نظم کا سا تسلسل رکھتی ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شاعری کے ایک اہم معمار کی حیثیت سے رسؔا کا نام لیا جاتا ہے۔ اُن کی قادر الکلامی نے اُنھیں ایسے باکمالوں کی صف میں کھڑا کیا ہے جنھوں نے ریاست میں اُردو کی بقا اور ترویج کے لیے قابل قدر کام کیا ہے۔ ارو ریاست کو اُردو کا ایک اہم مرکز بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے ۔ رسؔا نے ۱۹۷۹ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کیا۔ جموں میں رسؔا جاودانی میموریل سوسائٹی کے نام سے ایک ادبی انجمن بھی قائم ہے

۳۔کشن سمیلپوری

کشن سمیلپوری صوبہ جموں کے قصبے سمیل پور میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہُوئے ۔ بچپن ہی سے موسیقی سے دلچسپی تھی۔ رقص و نغمہ کے شوق کی وجہ سے اُن کا رجحان شاعری کی طرف ہُوا۔اُن کی جوانی کا جب آغاز ہُوا تب جموں میں شعرو شاعری کاماحول کافی گرم تھا۔یہاں مشاعروں کی روایت پروان چڑھ چکی تھی۔ ملک کے نامور شعر ان مشاعروں میں حصہ لیتے تھے۔ اور پھر یہاں کے شعرابھی ملک کے دوسرے حصوں میں مشاعروں میں حصہ لینے لگے ۔ جموں میں لوگ کافی تعداد میں شاعروں کا کلام سننے آتے تھے اور دل کھول کر داد بھی دیتے تھے۔کشن نے بھی جموں میں ایک مشاعرے میں اپنی پہلی غزل پڑھی۔اُن کی غزل کےاس شعر پر کافی داد ملی

ے فیصلہ کرزندگی کااورنفس کاتار توڑ
حشرمیں ملیں گےلکھاہے گرتقدیرمیں

اُنہوں نے غزل کے علاوہ نظمیں بھی کہی ہیں ۔دونوں اصناف

سخن پر اُنھیں دسترس حاصل رہی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں اُن کی نظموں کا مجموعہ ''فردوس وطن'' کے نام سے شائع ہُوا۔ اُنہوں نے روایتی انداز کی غزل کہی ہے۔ اُن کی غزلوں سے دو اشعار:

ترا وعدہ ستم ہی اگر استور ہوتا
مرا ہر اُداس لمحہ طرب آشکار ہوتا

مجھے مل گیا وہ نقش پا وہیں اے کشن پڑا پڑا رہا
سر راہ سینکڑوں کارواں میرے سامنے سے گذر گئے [1]

---

[1] جموں و کشمیر اُردو زبان و ادب کی ترقی۔ شعبہ اُردو یونیورسٹی ص ۲۸۶

۴۔ چراغ حسن حسرتؔ

چراغ حسن نام اور حسرتؔ تخلص کرتے تھے اصل میں ان کا تعلق کپور خاندان سے تھا جو کافی عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہُوا تھا ۲۲ جون ۱۹۰۳ء کو حسرتؔ اوڑی میں پیدا ہُوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبے میں ہُوئی ۔اسلامیہ اسکول پونچھ میں مدرس کے فرائض بھی انجام دیے۔اُن کی شاعری کا آغاز ایک ہجو سے ہوتا ہے۔ ریاست پونچھ کے سابقہ وزارت میاں نظام الدین کے صاحب زادے میاں مہتاب دین کی ہجو کہی ہے۔ہجو یہ ہے۔

ان کو مہتاب دین کہتے ہیں

سر پہ ہیں بال تین کہتے ہیں

راجہ بلدیو سنگھ کے عہد میں ریاست پونچھ کے درباری شاعر مقرر ہُوئے ۔ صحافت کا بھی شوق تھا الہلال اور پربھات اخبارات میں لکھتے رہے ۔بعد میں لاہور چلے گئے وہاں پر جا کر صحافت سے وابستہ ہو گئے ۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور اُن کے اخبار الہلال میں کچھ عرصہ کام

کیا۔حسرتؔ نے ۲۶ جنوری ۱۹۵۵ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

حسرتؔ کی شاعری کا چرچا اُس وقت ہر خاص و عام کی زبان تھا۔اُن شاعری کی شہرت کا اظہار ''کشمیر عُظمیٰ '' اُردو اخبار میں اس طرح کیا گیا ہے۔

''شاعری میں جب حسرتؔ کی دھوم مچی تو اُس وقت کے
کے روزنامہ زمیندار کے مدیر اعلیٰ ظفر خان نے
حسرتؔ کو زمیندار کا مدیر بنا دیا اور حسرتؔ نے کئی تنقیدی
مضامین سندباد جہازی کے نام سے بھی لکھے ہیں...[۱]

نمونے کے طور پر حسرتؔ کی ایک غزل سے چند اشعار:

اے عشق جنوں پرور اتنا کیا ہوتا　　جو ہاتھ جگر پر ہے وہ دستِ دُعا ہوتا
امید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی　　وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

۱۔ کشمیر عظمیٰ (روزنامہ) ۱۱ مارچ ۲۰۰۷ء ص ۱
۲۔ ادبیات پونچھ (حصہ اول) محمد ایوب شبنم ص ۲۶۷

۵۔ دینا ناتھ رفیقؔ

جھانجھل (پاکستانی مقبوضہ کشمیر) میں پیدا ہُوئے۔ان کے علاوہ بھی اس صوبہ (جموں) میں بالخصوص علاقہ پونچھ کی رنگوں بھری وادی میں کئی اہل علم نے جنم لیا۔ کرشن چندر، مولانا چراغ حسن حسرتؔ، آفتاب، مہندر سنگھ ٹھاکر پونچھی، ایم۔این۔قریشی، بیتابؔ صاحب کے اسماءگرامی کسی تعارف کے محتاز نہیں۔ان سب کے تخلیقی جوہر اسی خوب صورت وادی میں پروان چڑھے۔اس وادی نے ان کے لیے مہمیز کا کام کر کے ان کی تخلیقی صلاحتوں کو جلا بخشی۔شاعروں اور ادیبوں کے اس کارواں میں دینا ناتھ رفیقؔ بھی ایک ہیں۔رفیقؔ ابتدا ہی سے شعر وشاعری میں الچسپی لیتے تھے۔ اور ریاست پوست پونچھ (آزادی سے پہلے تک پونچھ ایک ریاست تھی) کے شُعرا میں اُنھیں اُستادی کا درجہ حاصل تھا۔ اُردو کے علاوہ دینا ناتھ رفیقؔ ہندی، پنجابی اور کشمیری زبان میں شعر کہہ لیتے تھے۔۱۹۴۷ء تک کا کلام فسادات کی نظر ہو گیا اور جو کلام بچ گیا یا فسادات کے بعد تخلیق ہُوا وہ

"سنبل وریحان" کے نام سے شائع ہُوا۔اُن کے اس مجموعہ کلام میں غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی شامل ہیں ۔ اُن کے کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا شعری انداز نہایت ہی منجھا ہوا ہے۔ شعری تکنیک پر اُنھیں کافی دسترس ہے طویل اور مختصر بحروں میں بہتر سے بہتر تکنیک کا استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"سنبل وریحان" میں مختلف موضوعات پر نظمیں قلمبند کی ہیں۔ان نظموں میں بھگوان شری کرشن سے خطاب، بھگوان رام ، حضرات محمد ﷺ گورونانک، گوتم بدھ، شہید اعظم حضرات امام حسینؓ گورو بندسنگھ، ڈاکٹر ذاکر حسین، سردار ولبھ بھائی پٹیل ، سبھاش چندر کے عنوانات سے نظمیں شامل ہیں ۔ "حضرات امام حسینؓ سے خطاب "کے عنوان کے تحت اُن کی نظم اس طرح ہے۔

" اے حسین ابن علی شاہ شہیدانِ جہاں
اے علم بردار حُریت، اے انیس بے کساں

اے جری ہمت کماندراسپاہِ قدسیاں

اے کرم فرمائے ملت چارۂ بے چارگاں

رہتی دُنیا تک رہے گی یاد قربانی تری

تیغ کے سائے میں حق کی زمرہ خوانی تیری'' ؎۱

دینا ناتھ رفیقؔ کی غزلوں میں مختلف جہتیں نمایاں حسن و عشق کی پیکر تراشی میں اُن کی شاعری کسی سے پیچھے نہیں۔ سارے کے سارے پیکرحُسن وعشق کے رنگوں میں نہائے لگتے ہیں۔ غزل میں اُنہوں نے وحدت پرستی ، حسن و عشق شیخ و واعظ ، غم دوراں اور داخلیت کے کرب کے اُجاگر کیا ہے وہاں غزل کو مزاحیہ رنگ بھی دیا ہے۔ وحدت حق سے متعلق اُن کے خیالات و جذبات قدرے علامتی لگتے ہیں لیکن متعلق وہ اپنے محبوب حقیقی کی جستجو سے متعلق اظہار خیال کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ اصل محبوب وہی ہے جس کا آج تک نہ

؎۱ ششماہی مجلّہ ''تسلسل'' شعبہ اُردو ،جموں یونی ورسٹی ص ۱۱۳

تو کوئی سراغ مل سکا ہے اور نہ ہی اس کے مکان کا کوئی پتہ چل سکا ہے ۔اس کی نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ ہی کوئی انتہا ۔ اس ضمن میں اُن کا ایک شعر:

اس کا سراغ کیا ملے اس کے مکان کا کیا پتہ
جس کی کچھ ابتدا نہیں جس کی کچھ انتہا نہیں

غزلوں اور نظموں کے علاوہ اُنہوں نے قصائد بھی کہے ہیں اُن کے مجموعے ''بادہ انگبیں ''میں چھوٹے بڑے لگ بھگ چالیس قصیدے بھی ہیں جو اُنہوں نے آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو ڈیفنس منسٹر آف انڈیا ،شیخ محمد عبد اللہ وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر بخشی غلام محمد صادق وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر کی شان میں کہے ہیں سنبل وریحان میں اُن کے کہے ہُوئے تقریباً چالیس قطعات بھی موجود ہیں۔

۶۔سرون ناتھ آفتابؔ

سرون ناتھ آفتابؔ ۷ جنوری ۱۹۰۸ء کونون میانی بھیرا،ضلع شاہ پور سر گودھا پنجاب (پاکستان) میں پیدا ہُوئے ۔ لیکن سرون ناتھ آفتابؔ کی نشونما پونچھ میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم یہاں ہی پائی۔بعد میں لاہور سے میٹرک کرنے کے بعد دہلی آئے اور آیور ویدک اور یونانی طبیہ کالج میں تعلیم پائی اور ۱۹۳۸ء میں فارغ التحصیل ہو کر پونچھ لوٹے۔دہلی میں قیام کے زمانے میں شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا مشاعروں میں غزل سناتے رہے۔سائل دہلوی سے اُنھیں تلمذ رہا۔ غزل کا انداز عاشقانہ رہا۔جس میں اخلاق اور تصوف کے نکات بھی باندھے ہیں۔اُن کی غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جہاں رنگ و بو میں حُسن و الفت کے سوا کیا ہے
کرشمہ ہے محبت کا ،محبت کے سوا کیا ہے؟
تم اپنے حُسن پہ اتنا نہ اُتراؤ نہ اُتراؤ
تمہارا حُسن میرے دل کی چاہت کے سوا کیا ہے؟
مروت ہے نہ اُلفت ہے نہ ہے پاس وفاداری

دلوں میں آج کل بغض وکدورت کے سوا کیا؟ [1]

غزلوں کے علاوہ آفتاؔب نے نظمیں اور کچھ نعتیں بھی کہی ہیں۔اُن کی ایک نعت سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پیامِ محمد نشان اخوت
ہے دُنیا میں راحت تو عُقبیٰ میں دولت
دیا درس تو حید دُنیا کو اس نے
اسی نے سکھائے رموزِ محبت
غریبوں کا مولیٰ یتیموں کا آقا
تھی ذات اُس کی سب کے لیے باب رحمت [2]

آفتاؔب کو شاعری کے علاوہ صحافت سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی جس کا ذکر تفصیل سے ''اُردو نثر کا ارتقا'' کے باب میں کر دیا گیا ہے۔

سرون ناتھ آفتاؔب نے ۷ ادسمبر ۱۹۷۹ء کو دُنیائے فانی سے کوچ کیا۔

---

[1] ۔ادبیات پونچھ محمد ایوب شبنؔم ص ۲۸۴

[2] ۔کشمیر میں اُردو (حصہ دوم) پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۴۱۳

۷۔ حبیب کیفوی

حبیب اللہ ،حبیب کیفوی ۱۹۱۰ء میں جموں میں پیدا ہُوئے علامہ کیفوی کا ۱۹۳۴ء میں ریاست جموں وکشمیر میں ملازمت کے سلسلے میں آنا،حبیب کیفوی کے لے فال نیک ثابت ہُوا۔ علامہ کیفیؔ کے آنے کے بعد یہاں شعر وسخن کی محفلوں میں جان آگئی اور ان محفلوں میں علامہ کیفیؔ کی شرکت اُن کے لیے چار چاند لگنے میں مُثبت ثابت ہُوئی۔حبیب کیفوی نے بھی اپنا کلام علامہ کیفی کے حضور میں پیش کیا۔ اصلاح کے بعد کیفی نے ایک شعر کا اضافہ کیا جس کا مفہوم اس طرح سے ہے کہ غزل میں کیا رکھا ہے کالج میں پڑھائی لکھائی کا کام کرو ۔شعر یہ ہے:

کام کالج کا کرو،خوب لکھو اور پڑھو
شعر کہنے میں غزل گوئی میں کیا رکھا ہے

یہ شعر سننے اور پڑھنے کے بعد بھی حبیب کیفوؔی شعر کہتے رہے اور علامہ کیفیؔ کی بار گاہ میں حاضر ہوتے رہے۔ اور باقاعدگی

سے شعر گوئی کی طرف مائل رہے۔عرصہ درازتک اُن کا کلام پرچوں میں شائع ہوتا رہا۔اور تقسیم وطن کے بعد اُن کی نظموں کا مجموعہ ''آتش چنار'' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں منظر عام پر آیا ۔ حبیب کیفوی شعر اور نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے اُن کا بینادی موضوع کشمیر ہے ۔اُن کے اشعار ہوں یا نثر اُن سے کشمیر کی مٹی کی خوشبو ملتی ہے ۔کشمیر کا جھلکتا ہوا درداُن کے شعر و نغمے ڈھل کر اُن کے جذبے کی لطافت کا احساس دلاتا ہے۔

حبیب کیفوی جموں کے ادیبوں کے اُس گروہ سے ہیں۔ جو آزادی اور تقسیم ملک سے پہلے منظر عام پر آیا۔ لیکن تقسیم وطن کے بعدکئی ادیبوں کی طرح پاکستان چلے گئے ۔ اُن کے قیام جموں کے زمانے میں پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی سے روابط ہوئے ۔حبیب اُن کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور نظم کے علاوہ غزل میں بھی مہارت بہم پُہنچائی ۔مشاعروں اور ادبی محفلوں کے حبیب روح رواں سمجھے جاتے تھے۔ کیفوی کی نظم کا ایک بند ملاحظ فرمائیں:

جہاں کی وُسعتیں مایوس کر چکی تھیں مجھے

تیرے کنارے پہ حاصل ہُوا سکوں مجھ کو

تو جس زمین سے گذر کر یہاں تک آیا ہے

اسی زمین پر پہنچے کا ہے جنون مجھ کو

نظم کے علاوہ کیفوؔی نے غزل بھی کہی ۔اُن کی ایک غزل سے چند اشعار:

دل میں کچھ ایسے رنگ سے وہ جلوہ گر رہے

سرشار جس کی کیف سے شام وسحر رہے

پھر بھی سراغِ منزل ہستی نہ پا سکے

گو مدتوں تلاش میں گرم سفر رہے

اُردو شعر و ادب میں شہرت یافتہ یہ شخصیت ۱۹۹۱ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئی۔

۸۔نشاؔط کشتواڑی

ریاست کے بزرگ شعرا میں نشاؔط کشتواڑی کا نام لیا جا سکتا ہے۔نشاؔط ۱۹۰۹ء میں کشتواڑ میں پیدا ہُوئے ۔دو سو سال قبل اُن کا خاندان اسلام آباد ، کشمیر سے ہجرت کر کے کشتواڑ آیا اور یہیں کا ہو کو رہ گیا ۔نشاؔط کو شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا ۔اُن کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۳ء میں اُس وقت ہُوا جب اُنہوں نے اپنے اُستاد مرحوم مولانا پونچھی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ۔اُس کے بعد غزل کی طرف آئے۔ غزل کے علاوہ دوسری اصناف پر بھی طبع آزمائی کی۔ ۱۹۳۵ء میں عشرت کاشمیری کے ساتھ مل کر بزم ادب کشتواڑ کا قیام عمل میں لایا (اس بزم کا ذکر تیسرے باب میں کیا جا چکا ہے) علامہ سیماؔب اکبر آبادی کی ایک نظم اخبار میں پڑھنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں نشاؔط نے ایک نظم کہی جس کا عنوان تھا۔’’ کشمیر کا مزدور ‘‘ اور یہ نظم سیماؔب کو بھیج کر درخواست کی کہ وہ اُن کے اُستاد بنیں ۔ پھر ان دونوں کے بیچ خط و

کتابت کا سلسلہ شروع ہُوا۔نشاؔط اُن کو غزلیں بھی بیجا کرتے تھے ۔ اُن کی شاگردی میں رہ کر نشاؔط نے شاعری کے فن سے خاصی واقفیت حاصل کر لی ۔ لہٰذا ۱۹۶۲ء ہی سے اُن کا کلام مختلف رسائل اور جرائد میں چھپنے لگا۔اور اسی سال اُن کی پہلی تصنیف شائع ہُوئی جس کا نام تھا ''مظلوم کربلاً''

نشاؔط نے نعتیں بھی کہی ہیں ۔ ۱۹۷۲ء میں نعتوں پر اُن کا ایک مجموعہ '' مناقب الاولیا '' کے نام سے منظرِعام پر آیا ۔اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں اُن کا ایک مجموعہ شائع ہُوا جس کا نام ''نعت سرکار دو عالم ''ہے ۔اس مجموعہ میں نعتوں کے علاوہ اصلاحی اورقومی نوعیت کی نظمیں بھی شامل ہیں۔

نشاؔط کا غزلوں اور نظموں پر مشتمل مجموعہ '' بادۂ وطن '' کے نام سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہُوا اس میں زیادہ تر نظمیں قومی یکجہتی سے متعلق ہیں۔ اُنہوں نے بچوں کے لیے بھی نظمیں لکھی ہیں ۔ '' تحفۂ اطفال '' کے نام سے بچوں کی نظموں پر یہ مجموعہ بھی ۱۹۸۴ء میں شائع ہُوا ۔اُن کا تمام اُردو کلام ''تصویرِ خیال' کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہُوا ۔منقبت نہیں ہیں۔تصویرِ خیال ایک ضخیم کتاب

ہے۔اس میں غزل، نظمیں، طنز ومزاح سب کچھ ہے۔ اس کتاب پر ۹۱-۱۹۹۰ء میں اُن کو ریاستی کلچرل اکادمی کی جانب سے انعام ملا اور ساتھ ہی خلعت فاخرہ سے بھی نوازہ گیا۔

جہاں تک نشاؔط کی شاعری کا تعلق ہے ۔ سادگی سلامت اور روانی اُن کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے۔اُنہوں نے کشمیری میں شاعری بھی شاعری کی ہے ۔کشمیری میں اُن کے دو مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں۔نشاؔط کی روایتی انداز کی ایک غزل کے چند اشعار :

جلوؤں کی تاب لا نہ سکے اس کے سامنے
آنکھیں ملانے آئے تھے شمس وقمر سے ہم

اک مختصر سا وقفہ جو ٹھہری یہ زندگی
پھر کیوں نہ شام غم کو بدل دیں سحر سے ہم

شرم وحیا ان کی جبیں عرق ریز ہے
دامن کو اپنے بھرتے ہیں لال و گہر سے ہم [۱]

۱۔ کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ۱۵۱

۹۔ عرشؔ صہبائی

دور حاضر میں جن شعرا و ادباء نے ملک بھر میں اُردو شاعری کے حوالے سے ہماری سر زمین کو ممتاز اور قابل رشک مقام بخشا ہے اُن میں ایک نام ہنس راج ابرول کا بھی ہے جنھیں ادبی دُنیا عرشؔ صہبائی کے نام سے جانتی ہے ۔عرشؔ صہبائی ۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اکھنور تحصیل کے ایک چھوٹے سے گاؤں سیری پلائی میں پیدا ہُوئے ۔ابتدائی تعلیم کچی چھاونی سے حاصل کی۔ ہائی اسکول کی تعلیم رنبیر ہائی اسکول (جواب ہائر اسکینڈری ہے) سے اور اعلا تعلیم کے لیے گاندھی میموریل کالج میں داخلہ لیا مگر تعلیم مکمل نہ کر سکے ۔ اور سرکاری نوکری میں چلے گئے ۔ دوران تعلیم اور دوران ملازمت عرشؔ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے تھے ۔جن میں ریڈیائی مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ عرشؔ صہبائی کو ان کے ذاتی ذوق و شوق اور قدرتی صلاحیت نے شاعر بنا دیا ۔کالج کے زمانے میں اُنہوں نے باقاعدہ طور پر مشاعروں میں شرکت کرنی شروع کر دی اور ریڈیو کشمیر جموں کے نشر

ہونے والے پروگراموں میں شرکت کرتے رہے۔اور اپنا کلام معیاری رسائل کو بھی بھیجنا شروع کیا۔ جس سے اُن کی شہرت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔۱۹۵۵ء میں جب اُن کے کلام کا پہلا مجموعہ '' شکستِ جام '' کے نام سے شائع ہُوا ۔ تو اُن کی صلاحیت اور قابلیت کو دیکھتے ہُوئے جوشؔ (عرشؔ صہبائی باقاعدگی سے شعر وشاعری شروع کرنے پر اپنا کلام اصلاح کے لیے جوشؔ ملنساری کو بھیجا کرتے تھے) کو یہ کہنا پڑا

'' شگفتہ زمین تلاش کرنے اور مشکل زمینوں میں بھی
اچھے اشعار نکالنے میں عرشؔ صہبائی کی کوششیں قابل
ستائش ہیں......''[۱]

عرشؔ نے تقریباً تمام موضوعات پر غزلیں کہی ہیں ۔غزل کے علاوہ اُنہوں نے نظم اور قطعہ بھی طبع آزمائی کی لیکن اُن کی زیادہ تر شعری تخلیقات غزلیات پر مشتمل ہیں۔

---

[۱] ۔ تسلسل (شش ماہی) جلد:۱۱ شمارہ :۲۱
شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی ص ۱۱۵

عرشؔ نے اُردو ادب جو خدمات انجام دیا وہ اُردو ادب کے لیے نا قابلِ فراموش ہیں ۔اس عرصے میں اُن کے سات شعری مجموعے شائع ہُوئے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱:۔شکستِ جام (۱۹۵۸ء)

۲:۔شگفتِ گل (۱۹۶۱ء)

۳:۔صلیب (۱۹۷۱ء)

۴:۔یہ جھونپڑے یہ لوگ (۱۹۷۶ء)

۵:۔اسلوب (۱۹۹۱ء)

۶:۔ریزہ ریزہ وجود (۱۹۹۵ء)

۷:۔اساس (۲۰۰۱ء)

نمونے کے طور پر اُن کی غزل سے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

؎ دل تو کیا چیز ہے ہم روح اُترے ہوتے
تم نے چاہا ہی نہیں چاہنے والوں کی طرح

۱۰۔عابد مناوری

عابد مناوری کا اصل نام گوری نندن سنگھ بالی ہے مگراُن کے اس نام سے کوئی واقف نہیں ۔۱۹۳۸ء میں اُن کی ولادت جموں میں ہوئی ۔مگر اُن کا آبائی وطن مناور ہے اس لحاظ سے اپنے تخلص کے ساتھ مناوری جوڑ دیا اور ادبی دُنیا میں عابد مناوری کے نام سے اپنی پہچان کرائی ۔ جموں کی فکرجواں کے نمائندہ شاعروں میں شاعری اور خاص کرغزل کی بدولت ممتاز مقام رکھتے ہیں ۔ بچپن سےہی شاعری کا شوق رکھتے تھے۔یہاں کے شعرا کی تربیت میں جوش ملسیانی کا خاص حصہ رہا ہے ۔ عابد بھی اُن کےآگے زانوئے شاگردی تہہ کیا اپنے اُستاد سے غزل کے فن پر بھر پور استفادہ کیا۔ اپنے اُستاد فیض کو ایک شعرمیں اس طرح پیش کیا ہے۔

دھوم ہے جو کلام عابد کی ۔جوش صاحب کا فیض پیہم ہے

عابد غزل کی روئت کے وفادار ہیں۔ مگر اپنے عہد کے نظرِ بصیرت رکھنے والے شاعروں کی طرح وہ نئی فکر، نئے اُفق

اور اسالیب کے اثر سے دور نہیں رہے۔ اس لحاظ سے اُن کی غزل ان دونوں رجحانات کا دلکش سنگم بن گئی۔ ان کی غزلوں میں حُسن و عشق کی وارداتوں کے رمزیہ انداز میں کا عرفان جھلکتا ہے۔

نمونے کے طور پر عابد کی ایک غزل سے چند اشعار:

آج دل کا عجیب عالم ہے   روح مضطر ہے، آنکھ پرنم ہے
پھر کسی آرزو کے مٹنے پر   خانہ دل میں شور ماتم ہے
غم ہستی دیا نوازش کی   یہ نوازش مگر بہُت کم ہے
ہم کو اپنا خیال ہو کہ نہ ہو   لیکن اُن کا خیال پہیم ہے [۱]

غزل کے علاوہ عابد نے نظمیں، چند قطعات اور رُباعیاں بھی کئی ہیں۔ مشاہیر شعرا بھی جموں و کشمیر کی خوب صورتی پر نظمیں لکھتے رہے ہیں۔ عابد نے اُن کی ایسی سب نظموں کو یکجا کیا اور ''اے جنتِ کشمیر'' کے نام سے چھپوا کر شائع کیا اُن کی اس کوشش کو بھی ادبی حلقوں میں سراہا گیا

۱۔ کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری   ص ۱۳۶

عابؔد مناوری کے شعری مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔اُن کا پہلا مجموعہ ’’ بہار غزل‘‘ اور دوسرا مجموعہ ’’شمیم گُل‘‘ ہے

۱۱۔حسام الدین بیتابؔ

حسام الدین بیتابؔ ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو بمقام سمہوٹ (سورن کوٹ)ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے ۔انٹر کے بعد علی گڑھ سے ادیب ، ادیب ماہر اور ادیب کامل کیا۔۱۹۴۹ء میں بحیثیت مدرس تعینات ہُوئے اس دوران تعلیمی شعبے میں بہترین خدمات کے عوض جموں و کشمیر حکومت نے ''بیٹ ٹیچرز جے اینڈ کے اسٹیٹ ایوارڈ ۱۹۶۸ء '' سے نوازا ۔ادبی سرگرمیوں کے علاوہ بیک ورڈ کلاسز یونا یئٹڈ فرنٹ سے منسلک ہیں ۔ ۲۰۰۴ء میں پندرہ روز ''دامن شب '' کے اجراء کے ساتھ صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ''دشت جنوں ''پہلا شعری مجموعہ ۲۰۰۷ء میں شائع ہُوا جس میں غزلیات کے علاوہ نظمیں بھی شامل ہیں۔

نثری تصانیف میں '' نقشہ راہ ''شامل ہے۔ اس کے علاوہ متعدد موضوعات پر مقالہ جات ، نظمیں ، غزلیں اور مضامین اخبارات ورسائل نیز کلچرل اکادمی مجلّہ '' شیرازہ '' اور ہمارا ادب ''میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔تصنیف و تالیف کا سلسلہ اب بھی جاری

ہے فسون شب اور آئینہ خار زیر ترتیب ہیں۔

نمونے کے طور پر ''دشت جنوں'' سے اُن کی ایک غزل سے چند اشعار:

وہ اکڑتے ہی رہے جھوٹے خُداؤں کی طرح

ہاتھ پھیلا نہ سکے ہم بھی گداؤں کی طرح

وہ ہمیں پہچاننے سے کر گئے انکار آج

ہم جنہیں ملتے رہے تھے شناؤں کی طرح [1]

---

[1] دشت جنوں (شعری مجموعہ) حسام الدین بیتابؔ ص ۱۳۲

۱۲۔مرزا محمد یٰسین بیگ

مرزا محمد یٰسین بیگ ۱۹۴۰ء میں جموں میں پیدا ہُوئے۔بی۔اے کرنے کے بعد جموں و کشمیر اکادمی آف آرٹ ،کلچراینڈ لینگویجز کی ملازمت اختیار کی اُن کوبچپن سے شعر وشاعری کا شوق رہا۔ شاعری کے علاوہ اُنہوں نے افسانےبھی لکھے مگر شعر و شاعری میں اُنہوں نےایک نمایاں مقام حاصل کیا۔نظم کےشاعر ہیں۔ ''شاخِ صنوبر کے تلے'' کے عنوان سے اُنہوں نے نظموں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس میں مختلف عنوانات پرلکھی گئی تئیس نظمیں شامل ہیں ۔ ان میں آزاد نظمیں بھی ہیں ان کی زیادہ ترنظموں کا موضوع کشمیر سے مُتعلق ہے۔

نمونے کے طور پراُن کی ایک نظم بعنوان''انقلاب'' سے چنداشعار:

یہ کل کی بات ہے۔جب دوستوں کی محفل میں
وہ انقلاب و تغیر کی بات کرتا تھا
سُکڑتی کانپتی سڑکوں کے تنگ دامن میں
ٹھِٹھر ٹھِٹھر کے بسر ساری رات کرتا تھا

پر آج جب اسے دولت کی سُرخروئی ملی
وہ انقلاب وتغیر کی بات بھول گیا [1]

---

[1] کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ص ۱۴۶۔۱۴۷

۱۳۔خوشدیو مینی

خوشدیو مینی پونچھ کےادبی حلقے میں روح کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔یکم جنوری ۱۹۴۷ء کوتحصیل سرنکوٹ کے فضل آباد گاؤں میں جنم ہُوا ۔مگر آج کل شہر پونچھ میں مقیم ہیں۔اپنی ادبی زندگی کا آغاز اُنہوں نے ایک غزل کی اشاعت سے کیا۔ ہفت روزہ ''ستاروں سے آگے'' میں اُنہوں نے سب سے پہلی غزل دی جس کی اشاعت ہُوئی اس سے اُن کے شوق میں مزید اضافہ ہُوا۔مینی صاحب کثیر الجُہت شخصیت کے مالک ہیں ۔شاعری کے علاوہ اُنہوں نے افسانہ نگاری کی حیثیت سے بھی شہرت پائی ہے ۔نثر اورنظم دونوں میں اُن کے کارناموں کو سراہا گیا ہے اُن کی تصانیف میں تاریخ پونچھ ، تاریخ شاہدرہ ، تاریخ راجوری ، پونچھ تاریخ و ثقافت کے آئینے میں پہاڑی قبائل تاریخ اور تشخص اور گپیں جواُردو طنزیہ و انشایئے ہیں۔ منظر عام پرآچکی ہیں ''چادر '' اُن کے اُردو افسانوں کا مجموعہ اور ''اُڈیکاں''اُن کے پہاڑی افسانوی کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا

ہے۔ ''رمراں ''پہاڑی لوگ ادب ''سنگن '' پہاڑی شاعری کا مجموعہ اور ''چاند کے ساتھ ساتھ '' اُن کی اُردو شاعری مجموعہ بھی چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے جسے کافی شہرت ملی ہے۔ مینی صاحب نے ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ سے حصہ لیا ہے اور نئے لوگوں کو اپنے تجربات سے عموماً نوازتے رہتے ہیں۔

اُن کی ایک اُردو غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دل مسافر سے لگائے رکھنا
رات بھر آگ جلائے رکھنا
دھوپ کے شہر میں چلنا ہو گا
خود کو چہروں میں چھپائے رکھنا

۱۴۔شورتن لال برقؔ

شورتن لال برقؔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو گاؤں درابہ تحصیل سرنکوٹ(ضلع پونچھ) میں پیدا ہُوئے ۔بچپن سے شعر کہنے لگے تھے۔۱۹۶۵ء میں برقؔ نے درآبہ سے ہجرت کی اوردہلی جا بسے اور وہاں پر ماہنامہ''برق'' کی اشاعت کرتے رہے ۔فنی اصلاحتیوں میں وہ یکتاہیں۔اُن کی چار تصانیف منظرعام پر آ چکی ہیں۔اُن کے شعری مجموعوں میں ''برق و شرر ''اور '' روح محبوب'' ہیں ۔''برقؔ گیتا '' اور'' برق رامائین '' کےنام سےتراجم بھی چھپ چکے ہیں ۔۱۹۶۵ء سے قبل یہاں کی ادبی محفلوں میں برقؔ روحِ کارواں کی حیثیت رکھتے تھے ۔برقؔ غزل کے اچھے شاعر مانے جاتے ہیں۔

نمونے کےطور پراُن کی ایک غزل سے چنداشعارملاحظہ فرمائیں:

تری قدرت کا کیاہے؟ وہ چاہےناگہاں کردے

فلک زیرزمیں کردے،زمیں برآسماں کر دے

بہاروں کو بدل ڈالے خزاں کے رنگ میں یکدم
جو وہ چاہے خزاؤں کو بہار بے خزاں کر دے

۱۵۔ پرتپال سنگھ بیتابؔ

سردار پرتپال سنگھ بیتابؔ کا نام پونچھ سے تعلق رکھنے والے شعرا میں سرِ فہرست ہے۔آپ آئی۔اے۔ایس رینک کے آفیسر رہے ہیں پونچھ سے ہجرت کر کے آج کل جنوں میں مقیم ہیں۔وہاں کی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور محفلوں کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔ بیتابؔ کی شہرت صرف جموں و کشمیر کے ادبی حلقوں میں ہی نہیں بلکہ برصغیر میں وہ اپنی پہچان بنا چکے ہیں ۔اُن کا کلام غزلوں اورنظموں پر مشتمل ہے۔اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے اُنہوں نے انسانی نفسیات کی نمائندگی کی ہے۔ اُن کے پانچ شعر مجموعے چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱:۔ پیش خیمہ (۱۹۸۱ء)

۲:۔ سراب در سراب (۱۹۸۴ء)

۳:۔ خودرنگ (۱۹۹۵ء)

۴:۔ موجِ ریگ (۲۰۰۴ء

۵:۔نظم اکیسویں صدی (۲۰۰۹ء)

''نظم اکیسویں صدی'' یہ مجموعہ نظمیات ہے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے

''موج ریگ'' سے اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ریت ہے اور بیکرانی ہے۔ اور صحرا کی کیا کہانی ہے

کھول کر دیکھو در مکانوں کے لامکانی ہی لا مکانی ہے

کسی دھرتی کے یہ نہیں ہوتے پانیوں کی یہی کہانی ہے [۱]

---

[۱] ۔موجِ ریگ (مجموعہ غزلیات) پرتپال سنگھ بیتاب ص ۴۶

۱۶۔ خورشید کرمانی

خورشید کرمانی کا اصل نام خورشید احمد کرمانی ہے ان کا تعلق پونچھ سے ہے ۔تعلیم بی۔اے آنرز ہے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت کرتے ہیں ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۸۰ء سے کیا۔اُردو کے علاوہ پہاڑی میں بھی شاعری کرتے ہیں۔''ہک مُٹھی زمین'' پہاڑی شعری مجموعہ ہے ۔ ''دُکھ کے موسم '' اُردو شعری مجموعہ ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آیا۔یہ شعری مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے میں غزلیات اور دوسرے حصے میں آزاد نظمیں شامل ہیں۔بنیادی طور پر کرمانی صاحب غزل کے شاعر ہیں۔اُن کی غزلوں میں خارجی حقیقتیں ہیں اور داخلی جذبے بھی۔اُن کی غزلیں عموماً چھوٹی بحروں میں ہیں۔

نمونے کے طور پر کرمانی کی ایک غزل

پتاپتا بکھرا ہو گا
موسم ایسے گزرا ہوگا

رویا ہو گا تڑپا ہوگا
ایسے میں بچھڑا ہوگا

اُس کے شہر میں پھول نہیں ہیں
خوشبو سے وہ ڈرتا ہو گا

کتنے سُکھ ہیں اور روتا ہے
میرے غم سے جلتا ہو گا

اس گاؤں سے کیسے گذریں
یہ گاؤں بھی اُجڑا ہو گا

وہ سایہ خورشید ہمارا
یاد ابھی تک کرتا ہوگا

اِ۔ دُکھ کے موسم خورشید کرمانی ص ص ۵۶۔۵۷

۱۷۔ ڈاکٹر صاؔبر مرزا

ڈاکٹر صابر مرزا ضلع راجوری کے گاؤں بہروٹ میں ۷مئی ۱۹۴۷ء کو پیدا ہُوئے ۔ایم۔اے اُردو ایم فل اور پی ایچ ڈی جموں یونی ورسٹی سے کی۔صاؔبر صاحب جموں صوبے کے ایک خوش فکر و خوش آہنگ شاعر اور نثرنگار ہیں۔ جنہوں نے شعر و ادب کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔صاؔبر صاحب پہلے محکمہ تعلیم میں با حیثیت ایک اُستاد اور بعد میں جموں اینڈ کشمیر اکادمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز میں با حیثیت سپیشل آفیسر گریڈ اول کے عُہد پر فائز رہے جہاں اُنہوں نے راجوری اور پونچھ اضلاع میں شعر و ادب وثقافت کے میدان میں انتھک کام کیا ۔اب ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی اپنی خُدا دادصلاحتیوں اور گونہ گوں دلچسپیوں کے پیش نظر شعر و ادبی تخلیقات میں ہمہ تن منمک ہیں ۔ صاؔبر مرزا اُردو میں غزل ،نظم اور نعت کہتے ہیں ۔ اور اُردو کے علاوہ پہاڑی اور گوجری زبان میں بھی اُن کی کئی کُتب چھپ چکی ہیں۔

جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا:۔خوشبونما (شعری مجموعہ۔اُردو)

۲:۔باغ بہاراں (شعری مجموعہ ۔پہاڑی)

۳:۔پہاڑی زبان نی ادبی تاریخ(پہاڑی)

۴:۔سانجھ کاشنگر(شعری مجموعہ ۔پہاڑی)

۵:۔رنگ رُتاں گلزاراں (شعری مجموعہ ۔ پہاڑی)

۶:۔پہاڑی زبان ناافسانوی ادب،اک مطالعہ (پہاڑی)

۷:۔صوبہ جموں کے علاقائی ادب پراُردو کے اثرات (پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع)

۸:۔تناظر(اُردو سہ ماہی ستمبر ۲۰۰۷ء سے جاری کیا ۔جس کے مدیر اعلیٰ خود ہیں)

۹:۔ ماسی بابی (پہاڑی سیریل)

صابر صاحب کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رنگوں کی سبز آگ سے خوشبو نکال کے

یہ کون دے گیا ہے مجھے دیکھ بھال کے

پھر سبز برف لکھ گئی منظر پہاڑ پر
رکھے ہیں پھر سیال نے پتھر اُچھال کے [1]

---

[1]۔ خوشبو نما ڈاکٹر صابر مرزا ص ۱۵۲

۱۸۔محمود حسن محمودؔ

محمود حسن محمودؔ ۷ جولائی ۱۹۳۷ء کو بمقام پونچھ پیدا ہُوئے تعلیم سے فراغت کے بعد محکمہ تعلیم میں مدرس ہو گئے ابھی چودہ برس کے ہی تھے تو شعر کہنے لگے۔سورۃ فاتحہ کے منظوم ترجمے کے ساتھ ۱۹۵۲ء سے پوری طرح شاعری کی جانب توجہ کی۔ پرُوفیسر مولوی عبدالرحیم جو گورنمنٹ ڈگری کالج پونچھ میں اُس وقت درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے،ان سے اصلاح سخن لینے لگے۔ان کے علاوہ چوہدری دینا ناتھ رفیقؔ اور ڈاکٹر سرون ناتھ آفتاب کو بھی اپنا کلام دکھانے لگے اس طرح سے یہاں کے اساتذہ سے وہ ہمیشہ مشورے لیتے رہے۔ اور اُن کا حوصلہ بڑھتا رہا۔ محمودؔ کا شمار روایت اور کلاسیکیت کے علمبردار شعرا میں ہوتا ہے۔اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اُنہوں نے روایتی غزل کی پاسداری میں صرف کیا۔

محمودؔ غزل اور نظم کے شاعر کی حیثیت سے شہرت پا چکے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں دورِ جدید کی حسیات بھی

کار فرما ہے۔ اور فکری اور فنی رویے میں وہ اقبال اوراُن کے اُستاد داغؔ دہلوی سے متاثر نظر آتے ہیں ۔''متاعِ خیال'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں اُن کا پہلا مجموعہ کلام چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے ۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے اس کے پہلے حصے میں غزلیں ہیں جو روایتی طرح داری سے مومور ہیں متاعِ خیال کا یہ پہلا حصہ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۱ء تک کے کلام پر محیط ہے ۔اس کے دوسرے حصے میں ۱۹۷۲ء کے بعد کی شاعری ہے ۔ جو غزلوں کے علاوہ نظموں ، قطعات اور متفرقات پر مشتمل ہے۔اُن کی نظموں میں قومی جذبے کی عکاسی نظر آتی ہے۔اُن کے دو شعری مجموعے '' فکر جمیل '' اور متاع حیات '' زیرِ طبع ہیں۔جو بہت جلد منظر عام پر آنے والے ہیں ۔متاعِ خیال کی ایک غزل سے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

جدھر بھی زمانے میں ہم دیکھتے ہیں
بشر کو گرفتارِ غم دیکھتے ہیں

جوحالات کے زیر و بم دیکھتے ہیں
وہ سوئے عراق و عجم دیکھتے ہیں
بنا کر پجاری کا ہم بھیس اکثر
رسوماتِ دیر و حرم دیکھتے ہیں۔[1]

---

[1] ۔متاع خیال محمود حسن محمودؔ ص ۷۸

۱۹۔ حکیم منظوؔر

حکیم منظوؔر کا جنم ۱۹۳۸ء میں ہُوا۔اپنے عہد کے اچھے غزل گو شعرا میں اُن کا شمار ہوتا ہے ۔ طالب وعلمی کے زمانے ہی سے شاعری سے لگاؤ تھا۔حکیم منظوؔر ایسی شخصیت کا نام ہے۔ جنھوں نے سری نگر اور جموں دونوں مقامات کی ادبی اور شعری سرگرمیوں میں حصہ لیا ۔وہ کسٹوڈین جنرل کے دفتر میں ملازم تھے۔لہٰذا ملازمت کے تعلق سے وہ چھ ماہ سری نگر اور چھ ماہ جموں گزارتے تھے ۔ جموں میں بزم ادب اُردو کے وہ صدر بھی رہے ہیں۔اُن کی غزل نئے عہد کی غزل ہے ۔ حکیم منظوؔر کے کلام کے شعری مجموعوں میں ''ناتمام '' ''خوشبو''''برف رتوں کی آگ '' ''لہولمس '' '' چنار '' ''شعرآسمان '' قابل ذکر ہیں۔حکیم منظوؔر نے ۲۰۰۷ء میں ۶۹ سال کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار جن رمزیت بھی ہے اور قافیوں کی نیرنگی بھی:

خُدا کے نام پہ چھوڑتے ہیں اپنی ناؤ

یہ دیکھتے نہیں دریا کا کس طرف ہے بہاؤ

ہر ایک راہ تیرے کوچہ میں ہُوئی ہے گُم

خُدا ہی جانے کہ ہے کیا راستوں کا گھماؤ

یہ راہِ غم کی بڑی سرد بھی، طویل بھی ہے

جلاؤ دوستو، خونِ جگر کا آج الاؤ

جنوں بھی مصلحت آمیز فی زمانہ ہے

سلاؤ گریباں کے یہ ہے میرا سجھاؤ

ازل سے جشنِ بہاراں مناتے آئے ہو

کبھی اے اہلِ خرد، تم خزاں کا جشن مناؤ

وفا مہر و محبت، خلوصِ دل منظورؔ

یہ کھو گئے ہیں کہاں آج کل کوئی تو بتاؤ [1]

حکیم منظورؔ ریاست کے صفِ اول کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔

---

[1] کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ص ۱۳۹-۱۴۰

۲۰۔ سجؔاد پونچھی

شیخ سجاد حسین نام اور سجؔاد پونچھی کے نام سے ادبی دُنیا میں شہرت حاصل ہے ۔سجؔاد پونچھی کا شمار ریاست جموں و کشمیر کے مقبول ومشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ شعر و شاعری کا ذوق اُنھیں بچپن سے رہا ہے ۔اُن کی غزلیں اکثر اخباروں کی زینت بنتی ہیں ۔ اُن کے کلام میں زندگی کے نئے تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں اُن کے اشعار زندگی کے عین قریب ہوتے ہیں جن میں زندگی کا مکمل عکس ملتا ہے۔نظمیں بھی کہتے ہیں لیکن غزل کی طرف اُن کا رجحان زیادہ ہے۔''فصلیں بولتی ہیں '' اُن کا پہلا شعری مجموعہ ۲۰۰۸ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا ۔ جس میں تین نظموں کے علاوہ سبھی غزلیں ہیں ۔اس طرح سے اُن کی غزلوں کو کافی سراہا گیا ہے۔ سجؔاد صاحب کی ادب سے لگن ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ ہر ادبی محفل میں ہمشیہ حصہ لیتے ہیں۔ ''سمندر آشنا '' اُن کا دوسرا شعری مجموعہ زیرِ طبع ہے۔

نمونے کے طور پر سجؔاد صاحب کی ایک غزل سے چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

بن کے بُو پھول میں میں سماؤں گا   ترے عارض کو چوم جاؤں گا

اُف یہ مخمور نگاہوں کا بھنور   آج میں اس میں ڈوب جاؤں گا

یں نے مانا عذاب تو ہو گا   پھر بھی ترا خیال لاؤں گا ۱؎

۱؎ فصیلیں بولتی ہیں۔سجاد پونچھی   درخشاں پبلی کیشنز، سری نگر   ص ص ۷۱ ۔۷۲

۲۱۔ پرویز مانوسؔ

پرویز احمد بٹ تخلص مانوسؔ۔ ۶ مارچ ۱۹۶۶ء کو پونچھ میں پیدا ہُوئے ۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملازمت میں چلے گئے۔پونچھ سے ہجرت کر کے سری نگر میں سکونت اختیار کی۔ ریاست کے شعرا کی صف میں ان کا شمار سرفہرست ہے۔ان کی شاعری میں ایک نیا پن ہے جو قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ ۱۹۸۵ء سے وہ شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہُوئے اور سات سال کے اندر ہی ۱۹۹۲ء میں اُن کا پہلا اُردو شعری مجموعہ ''بیتے لمحوں کی سوغاتیں'' چھپ کر منظر عام پر آیا ''موسم اُڑان کی'' اُن کا دوسرا شعری مجموعہ اور ''چاند،لمس،گلاب'' اُن کا تیسرا شعری مجموعہ ہے ۔ اس طرح سے مانوسؔ کے اُردو کے تین شعری مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔اُردو کے علاوہ پہاڑی زبان میں بھی شعر کہتے ہیں ''اگ نے پھمڑ'' اُن کا پہاڑی شعری مجموعہ ہے یہ بھی چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے ۔ شاعری کے علاوہ مانوسؔ افسانے بھی لکھتے ہیں

اُردو اور پہاڑی دونوں زبانوں میں اُنہوں نے افسانے لکھے ہیں ''شکارے کی موت ''اُن کے اُردو افسانوں کا مجموعہ اور پہاڑی میں ''چڑ ہیٹھاں '' کے نام سے اُن کا افسانوی مجموعہ بھی چھپ چکا ہے ۔''چن ماما '' کے نام سے کہانیوں کا مجموعہ اور فریادؔ اُن کا پہاڑی ناول ہے اُن کے یہ سبھی اُردو اور پہاڑی کے افسانوی مجموعے اور ناول بھی چھپ چکے ہیں۔اس طرح سے مانوسؔ نے اُردواور پہاڑی میں شاعری کے علاوہ فکشن میں بھی شہرت حاصل کی ہے ،اور اپنے ادبی سفر میں رواں دواں ہیں۔

نمونۂ کلام (غزل)

بحرِ ظلمات کو اک نورِ سحر، دے مولا
پھر اسیروں کو رہائی کی خبر، دے مولا
ایک مدت سے خرابوں میں بسر کرتے ہیں
ہم فقیروں کو بھی اِک چاندنگر، دے مولا [1]

---

[1] کشمیر عظمیٰ (روزانہ) ۳ جنوری ۲۰۱۰ء ص ۵

۲۲۔ غلام نبی گوہؔنی

بھدرواہ کےشعرامیں غلام نبی گوہؔنی ایک نمایاں آواز بن کر اُبھر ے ہیں ۔اس دور کے شعرامیں اُن کا نام کافی شہرت کا حامل ہے ۔اُن کے کلام میں جذبے ،فکر اور عمل کا پیغام ملتا ہے ۔ گوہؔنی کو زبان وبیان پر غیرمعمولی دسترس حاصل تھی کلام میں پختگی اور فکر وشعورکی گہرائی ہے۔مگر اُنکی بشتیرغزلوں میں خطابت کااندار پایا جاتا ہے اورکبھی کبھی ثقیل زبان کا استعمال بھی کرتے ہیں اُن کےسیدھےسادے انداز میں کہے گئےاشعار فوراً دل میں اُتر جاتے ہیں ۔اُن کے کلام کے مجموعوں میں ''ارمغانِ کاشمیر'' اور ''زم زم سےجہلم تک'' شامل ہیں جوچھپ کرمنظر عام پر آچکے ہیں۔اور جنھیں ادبی حلقوں میں کافی سراہا گیا ہے۔

۲۳۔ مسعود الحسن مسعودؔ

مسعودؔ مرحوم ، محمودؔ صاحب کے بھائی اور چراغ حسن حسرتؔ کے بھانجے تھے۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز اُنہوں نے تیرا سال کی عمر میں کیا ۔محکمہ پولیس میں ملازم ہونے کے باوجود شعرگوئی ترک نہ کی ۔روایتی غزل اور نظم میں شہرت پائی ۔۱۹۹۶ء میں اُنہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ ''متاعِ ذوق و شوق'' اُن کے کلام کا مجموعہ زیرِ طبع ہے۔جو بہت جلد چھپ کر منظر عام پر آنے والا ہے۔

اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دل کو سکون ہے نہ خوشی ترے بغیر
محفل تمام سونی پڑی ہے ترے بغیر
گلشن کے دلفریب مناظر پہ ان دنوں
اک مُردنی سی چھائی ہے ترے بغیر

۲۴۔عبدالرحمٰن دیوانہؔ

عبدالرحمٰن دیوانہؔ ۱۹۰۸ء میں بھدرواہ میں پیدا ہُوئے ۔مقامی سطح پر دیوانہؔ کو ایک انقلابی اور جو شیلا شاعر مانا جاتا ہے۔اُنہوں نے اپنی شاعری میں معاصر حالات و واقعات کواُبھارا ہے۔

۲۵۔شیخ عبدالغنی فقیرؔ

فقیرؔ کا شمار بھی بھدرواہ کے شعرا میں ہوتا ہے ۔یہ بے نیاز اورمنکسرالمزاج شاعر تھے ۔رساؔ جاودانی کے ہم عصر تھے۔ اُن کا کلام غیر مطبوعہ ہے۔یہ بھی معاصر حالات و واقعات سے کافی متاثر رہے اور اپنے ردِعمل کو نظم، غزل اور گیت میں ڈھالتے رہے ۔اُن کی غزلوں میں غمِ دوراں اور غمِ جاناں کی تصویریں ساتھ ساتھ اُبھرتی ہیں ۔

اس ضمن میں اُن کی غزل سے ایک شعر:

روزشب فکرِاُلفت وغم ہے
آنکھ برسوں میری پرنم ہے

۲۶۔وفاؔ بھدرواہی

وفاؔ بھدرواہی ، بھدرواہ کے اُردو شاعروں میں منفردمقام رکھتے ہیں۔یہ رساؔ جاودانی کےہم عصر تھے۔اُنہوں نے اپنی شاعری میں اپنے دلی جذبات اورکیفات کو سادہ زبان میں بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتاہے کہ وہ اُردو کےروایتی شعراسے متاثر تھے میرتقی میرؔ کی طرح وفاؔ بھدرواہی کے بیان بھی محرومی اوریاسیت کے عناصر ملتے ہیں۔ان کے اشعار سے ان کی دُنیا بیزای کا اندازہ لگایاجاسکتاہے

میرے دل کی دُبیا کو یاروں نے لوٹا
خزاں کا گلہ کیا، بہاروں نے لوٹا

وفاؔ کے کلام کا بیشتر حصہ جس میں غزلیات شامل ہیں،غیرمطبوعہ ہے ۔اب تک اُن کےکلام کاصرف ایک مجموعہ ''بوئے وفاؔ '' کے نام سے چھپ کےمنظر عام پرآیاہے۔

۲۷۔ودیا لال وردؔ

وردؔ غزل کے شاعر ہیں ۔اُن کی غزلوں میں طنز و مزاح کاعنصر غالب ہے ۔اُن کے اشعار میں شراب کا ذکر خوب ملتا ہے۔ اُن کا کلام امتداد زمانہ کی نذر ہو گیا ہے وردؔبھی رساؔ جاودانی کے ہمن عصر تھے۔

۲۸۔ محمد شفیع باؔلم

محمد شفیع باؔلم کا نام وادی بھدرواہ کے مقبول شعرا میں لیا جا سکتا ہے۔ رساؔجاودانی کےہم عصرتھے۔غزل کےشاعرتھے۔اپنی غزلوں میں اُنہوں نے حسرتوں، تمناؤوں اور آرزؤں کا رونا خوب رویا ہے ۔نمونے کے طور پر اُن کی غزل سے ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

آئےنہیں وہ جن سےتھی منسوب شاعری
دُنیاکو لاکھ شعر سنائے تو کیا کیا

۲۹۔غلام علی کیلو عاصیؔ

عاصیؔ کا تعلق بھدرواہ سے ہے۔ اور ایک دوریش صفت شاعر ہیں۔کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے نوجوانی کے عالم میں شاعری کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ اس ضمن میں ''ہمارا ادب''میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے ۔

''اُن کی بیاض کے معالعہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ نوجوانی سے ہی شاعری کی طرف مائل
ہُوئے[۱]

عاصیؔ کے کلام میں زبان کی نفاست خاص طور پر متوجہ کرتی ہے۔

۱۔ہمارا ادب (ڈوڈہ نمبر) جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز ص ٦٠

۳۰۔ شاذؔ شرقی

قاضی شبیر احمد نام اور شاذؔ تخلص۔ادبی دُنیا میں شاذؔ شرقی کے نام سے شہرت پائی ہے۔شاذؔ کا تعلق بھدرواہ سے ہے۔ شُعبہ جغرافیہ سے بطور پروفیسر سُبکدوش ہُوئے مگر اُردو سے ان کا بے حد لگاؤ رہا ہے۔قاضی محمد اسداللہ مرحوم کے فرزند ہیں۔جن کے شعری مجموعے ''نظم بریں'' پر M. Phill بھی ہوچکی ہے۔شاذؔ صاحب کے دوشعری مجموعے صدائے دل'' اور ''مہکتے گل '' منظر عام آچکے ہیں پہلے مجموعے میں غزلیات اور دوسرے میں نعتیہ کلام ہے۔ان دو مجموعوں کے علاوہ شاذؔ تنقیدی مجموعہ'' عرش صہبائی:شخصیت اور فن'' بھی چھپ چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر اُن کی ایک غزل سے دو اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

قائل ہُوں میں کہ حُسن تیرا لا جواب ہے

ایک کا گواہ یہ دل خانہ خراب ہے

ہم نے صعوبتیں جو اُٹھائی ہیں عمر بھر

کیا چیز اُن کے سامنے روز حساب ہے [۱]

۱۔ اُڑان (روزانہ) ص ۴

۳۱۔قاضی محمد اللہ

قاضی محمد اسد اللہ مرحوم کا تعلق بھدرواہ سے تھا۔اچھے شاعر ہُوئے ''نظم، بریں'' کے نام سے اُن کا مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے۔نمونے کے طور پر اُن کی غزل سے ایک شعر اخذ کیا گیا ہے۔

ے کیسے ہم اُن پہ اعتبار کریں
جور پیشہ جو اختیار کریں ۔

۳۲۔زائر بھدرواہی

زائر بھدرواہی کا تعلق بھدرواہ سے ہے۔ ان کا پہلا تخلص آثم تھا ۔زائر نے غزل کہی ہے ۔ زبان و بیان اور فن کے رموز کا اُنہوں نے پورا پورا خیال رکھا ہے۔ گہرائی کے ساتھ ساتھ اُن کے کلام میں گہری معنویت بھی ہے اُنہوں نے ہر بحر اور زمین میں شعر کہے ۔اُن کے اشعار پڑھنے کے بعد اُن کی اُستادانہ صلاحیت اور مہارت کا ندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

۴۳۔ محمد شفیع دِلکشؔ

قاضی محمد شفیع دِلکشؔ کا تعلق بھدرواہ سے ہے وہ ایک دور مند اور حساس دل شاعر ہیں۔ زبان صفائی ، سلامت اور بندش کی چستی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔عام طور پر وہ مختصر بحر میں اشعار کہتے ہیں ۔ہجر و وصال ،اُمیدویاس،درد و کرب،عصر حاضر کی بے حسی ، رواداری مفلسی اور زندگی کی بے ثباتی، یہ ساری باتیں اُن کی دِلکش غزلوں میں آسانی سے ملتی ہیں۔

اُن کا یہ شعر دور حاضر کی مکمل عکاسی کرتا ہے

چھا گئے ماحول پر زر دار لوگ
مضطرب ہیں مفلس و نادار لوگ

۴۴۔ساغرؔ صحرائی

عبدالقیوم ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو بھدرواہ ضلع ڈوڈہ میں پیدا ہُوئے عبدالقیوم نے ادبی دُنیا میں ساغرؔ صحرائی کے نام سے شہرت پائی۔ ساغرؔ اس خطے کے ہونہار شاعر ہیں۔ نظم اور غزل کہتے ہیں۔ مرغزاروں اور لالہ ساغرؔ صحرائی کی نظموں کا مجموعہ ''شعلہ صحرا''

کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے اس کے بعد اُن کا ایک اور کتابچہ ''جنگل کی فریاد ''کے نام سے بھی چھپا ہے۔اس میں بھی اُن کی چند نظمیں موجود ہیں۔اُن کی غزلوں کا مجموعہ اب تک شائع نہیں ہُوا۔ساؔغر کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے لہجے میں تبدیلی آتی رہی ہے کبھی نرم اور کبھی سخت۔ جذباتی قسم کے انسان ہیں۔ اُن کی طبیعت شعلہ و شبنم ہے اور اُن کا یہ رنگ اُن کے اشعار سے ٹپکتا ہے۔

ؔ پتھروں کے شہر میں احساس کا مارا ہُوا
ہو گیا ہے کوئی ساؔغر بے زبان کیسے کیسے

اُنہوں نے اچھے اچھے قطعات بھی کہے ہیں۔

اُس نے کہا ایسے چلوں
کہتا ہے یہ ویسے چلوں
اُلجھا گئے دونوں مجھے
میں کیا کروں کیسے چلوں

بہتر ہے آنکھیں موند کر
چلتا چلوں، جیسے چلوں ۱؎

۳۵۔ رندؔ بھدرواہی

رندؔ بھدرواہی کا تعلق بھدرواہ سے ہے ۔اور یہاں کے معروف شاعر ہیں۔کم کہتے ہیں مگر اس کے باوجود جو کہا خوب کہا ہے۔غزل کے شاعر ہیں۔لہجہ نرم ہے لیکن کبھی کبھی اُن کے لہجے میں تلخی آ جاتی ہے ۔پھر طنز کے تیر برسانے لگتے ہیں روایتی انداز میں شعر کہنے کے باوجود اُن کے اشعار میں ایک نئے رنگ و آہنگ کی نشان دہی کی جا سکتی ہے ۔ اُن کی غزلوں میں تازگی کا احساس جا بجا ملتا ہے۔ بیان میں سادگی اور صفائی ہے۔مترنم بحریں ،گنگناتے ہُوئے قوافی اور ردیف کی وجہ سے اُن کے اشعار کا خاصہ ہے۔

۱؎ اُڑان (روزانہ) ۹ جنوری ۲۰۱۰ء ص ۴

ے سبز موسم میں میرا ذکر کسی لب پہ نہ تھا
زرد پتوں پہ لکھی کس نے یہ کہانی میری

۳۶۔غلام حسین شاہ عاصیؔ

غلام حسین شاہ عاصی کا تعلق گاؤں سانگلہ تحصیل سرنکوٹ سے رہا۔ ۱۹۴۵ء میں ان کا جنم ہُوا۔اُردو میں اُنھوں نے نعت کہی اُن کی نعت سے دو اشعار ملاخطہ فرمائیں:

حبیب خُدا مصطفٰے آ رہے ہیں
شہنشاہِ ہر دوسرا آ رہے ہیں
مچایا ہے غُل عرش پر قدسیوں
مبارک حبیب خُدا آ رہے ہیں

۳۷۔بلراج کمار بخشی

بلراج کمار بخشی ۱۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جموں و کشمیر کے ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے۔مگر ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب حالات کی وجہ سے

یہاں سے ہجرت کر کے اُودھم پور میں سکونت اختیار کی۔ اُردو
زبان سے اُن کا گہرا لگاؤ رہا ہے۔ ادبی زندگی کا آغاز اُنہوں
نے ایک افسانے ''چاندنی کا دھواں'' کی اشاعت کے ساتھ کیا
اُن کا یہ افسانہ ماہنامہ ''شاعر ''ممبئی میں چھپا تھا۔ اس کے علاوہ
شاعری میں بھی اُنہیں گہری دلچسپی رہی۔ بخشی کا نمونہ کلام
ملاحظہ فرمائیں :

ہر کسی کو نہ آزمایا کرو
میں جو کہتا ہوں مان جایا کرو
دل میں کافی جگہ بچی ہے ابھی
تم نئے زخم ڈھونڈ لایا کرو
میں جلاؤں گا تم بجھایا کرو۔

۳۸۔ عبدالرشید فؔدا

فؔدا ۱۹۴۱ء میں گاؤں پوشانہ تحصیل سرنکوٹ میں پیدا ہُوئے
آپ شہباز راجوروی کے بھائی ہیں ۔آج کل راجوری میں مقیم ہیں
محکمہ تعلیم سے پرنسپل کے عُہدے سے سبکدوش ہُوئے ۔فؔدا نے

اپنی زندگی کا آغاز اپنے بھائی کی طرح دوران ملازمت ہی کیا۔ غزل کے شاعر ہیں ۔مضامین بھی لکھتے ہیں اُن کی غزل سے چند اشعار:

سراب زندگی ہے اور میں ہُوں
وہی اک تشنگی ہے اور میں ہُوں

اندھیرا چار جانب دور تک ہے
یہ کیسی روشنی ہے اور میں ہُوں

۳۹۔ شہبازؔ راجوروی

اصل نام غلام نبی نائیک ہے لیکن شہبازؔ راجوروی کے نام سے ادبی دُنیا میں مشہور ہیں محکمہ تعلیم سے اُردو لیکچرر کی حیثیت سے سبکدوش ہُوئے ۔ادبی زندگی کا آغاز اپنے بھائی فداؔ کی طرح ملازمت کے دوران ہی کیا۔شہباز بھی آج کل راجوی میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔اُردو کے علاوہ کشمیری اور پہاڑی زبان میں شاعری کرتے ہیں۔ کشمیری میں اُن کے شعری

مجموعے بھی چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔اُردو میں بھی اچھی شاعری کرتے ہیں ۔ادبی محفلوں میں یہاں شرکت کر کے رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔بچپن سے شعر کہتے چلے آئے ہیں۔کشمیری میں اُن کے چار شعری مجموعے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اُردو میں نظم کہتے ہیں ۔اُن کی ایک نظم سے ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

دور مزدوری کی خاطر گھر سے نکلا وہ گلاب
ڈھل گیا آنگن سے مجبوری کا مارا آفتاب

۴۰۔ڈاکٹر امیر جعفری شآد

امیر جعفری شآد کا تعلق سرنکوٹ (ضلع پونچھ) سے ہے۔علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی یو ایم ایس کی سند حاصل کی۔ شآد کا شمار جدید شعرا کی صف میں ہوتا ہے۔غزل کے شاعر ہیں ۲۰۰۷ء میں ''آہنی آواز ''کے نام سے اُن کا اُردو شعری مجموعہ چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔جو غزلیات پر بنی ہے۔اُن کے شعری مجموعے سے لیے

گئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

سرا رہ کوئی رہبر ڈھونڈتا ہے
کوئی منزل مسافر ڈھونڈتا ہے
کیا تھا گھر بدر بستی سے جس کو
محلے میں بڑا گھر ڈھونڈتا ہے
جو شاہین کرسگوں میں کھلتا تھا
وہ گویا اپنا شہ پر ڈھونڈتا ہے [1]

۱۴۱۔امتیاز نسیمؔ ہاشمی

امتیاز نسیمؔ ہاشمی ۱۲ جولائی ۱۹۶۹ء کو کھوریا (پاکستانی کشمیر) میں پیدا ہُوئے۔اب نڑول، چھتر ال تحصیل مہینڈر ضلع پونچھ (ہندوستان) میں مقیم ہیں۔محکمہ تعلیم میں لیکچرر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اُردو میں غزل کہتے ہیں۔ اُردو کے علاوہ

---

[1] ۔آہنی آواز ڈاکٹر جعفری شادؔ ص ۱۱۷

پہاڑی میں بھی شاعری کرتے ہیں۔پہاڑی میں اُن کا شعری مجموعہ ''چٹکارا''چھپ کر منظر عام پر آ چکاہے۔اس مجموعے اُنہیں ریاستی کلچرل اکیڈمی مے انعام سےنوازا ہے۔

نمونے کےطور پراُن کی ایک اُردوغزل سے چنداشعار ملاحظہ فرمائیں :

کوئی کہتاہےرات بھاری ہے
چارجانب سکوت طاری ہے
اک سمندر ہےاور پیاسا ہے
اک دریاہے،بیقراری ہے
ہم نے دیکھاہےآئینہ جتنا
ہم میں اتنی ہی خاکساری ہے [۱]

۴۲ ۔ع۔ع۔عارفؔ

عرفان علی عارفؔ پونچھ کے باشندے ہیں۔باباغلام بادشاہ یونی ورسٹی ،

---

[۱]۔ ادبیات پونچھ محمدایوب شبنم ص۱۸۱

راجوری میں لینگویج پروموشن سیل (اُردو) میں ملازمت کرتے ہیں۔عارفؔ جدید شعرا کی صف میں شمار ہوتے ہیں ۔غزل اورنظم کے علاوہ ہائکو بھی لکھتے ہیں ''دور اُفق کے پار'' اُن کا شعری مجموعہ چھپ کر منظرعام پر آ چکا ہے ۔

۴۳۔راجیش گوہر

راجیش گوہر ،میرپور کے متوسط گھرانے میں پید ہُوئے۔ تعلیم وہیں حاصل کی۔ ملک کی تقسیم کے بعد برپا ہونے والے فسادات کی وجہ سے یہ مع خاندان وہاں سے ہجرت کر کے جموں آگئے ۔یہاں آنے کے بعد وہ ادبی حلقوں میں جایا کرتے تھے ۔اس سے اُن کا شعر و ادب کا خوابیدہ ذوق جاگ اُٹھا۔ پہلے افسانے لکھتے رہے۔ اُن کے افسانے ریاست کے اور ریاست سے باہر کے رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں لیکن بہت جلد شعر کی دلکشیوں نے اُنھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ ساحرلدھیانوی سے غزل میں اصلاح لینے کے بعد اُن کی غزل، معیاری غزل

ہوگئی ۔اُنہوں نے غزل کے تکنیکی اوراظہاری لوازم کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ اُن کی غزل سے ایک شعر:

تیری تقریر کی تو بات کیا
تیری تصویر مُنہ بولتی ہے۔

۴۴۔محمد امین بانہالی

محمد امین بانہالی کا تعلق جموں صوبے کے بانہال علاقے سے ہے جدید شاعر ہیں۔نمونے کے طور پراُن کی غزل سے چنداشعار ملاخطہ فرمائیں:

وہ اس کا روانی چہرہ
رب کی کارستانی چہرہ
دل کش اور روحانی چہرہ
بہتوں کا دل جانی چہرہ
سُن لیتا ہے سب کی لیکن
کرتا ہے من مانی چہرہ

دُنیا بھر کے سب چہروں میں

اک چہرہ لاثانی چہرہ [1]

۴۵۔الطاف کشتواڑی

الطاف کشتواڑی کا تعلق ادبی سرزمین کشتواڑ سے ہے۔نظم اور غزل دونوں اصناف پر اُنہوں نے اپنا قلم اُٹھایا ۔شاعری کے ساتھ ساتھ اُنہوں افسانے بھی لکھے ہیں۔مگر وہ ایک مستند شاعر کی حیثیت سے شہرت پا چکے ہیں نمونے کے طور پر''ہمارا ادب'' سے اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اک اداس سرمئی غبار تھا یا سُلگتے لفظوں کا تھا دُھواں

وہ کیسی آتشیں راکھ تھی جو میری اُنگلیاں جلا گئی

کیسی نیلی جھیل کی اوٹ سے کوئی چمکا تھا رات بھر

کبھی بند آنکھیں جو ہوائیں نئی آس مجھ کو سلا گئی [2]

---

[1]۔کشمیر عُظمیٰ (روزانہ) ۱۵مارچ ۲۰۰۹ء

[2] ۔ہمارا ادب (ڈوڈہ نمبر) جموں اینڈ کشمیر آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز۔ص ۱۷۰

۴۶۔ مہیش شرما

مہیش شرما کے اجداد کا وطن میرپور سے تھا۔ جہاں ۱۹۳۹ء میں اُن کا جنم ہُوا۔ مگر ملک کی تقسیم کے بعد وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ جموں آ گئے ۔تعلیم جموں اور دہلی میں پائی۔ محکمہ تعلیم میں ملازمت کی ۔جموں کے ٹریننگ کالج میں رہے۔شعر کا پاکیزہ مزاق رکھتے تھے۔بچپن ہی سے شعرگوئی کی جانب متوجہ ہُوئے ۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ مزاحیہ شعر کہتے تھے لیکن بعد میں گیت کی طرف مائل ہُوا۔ اُن کے گیت کے بول ملاحظہ فرمائیں:

اپنے گیت سے فضاؤں کو نغمہ زن بناؤ نا
میرے ساتھ مل کے زندگی کا گیت گاؤ نا
کون ہے جو زندگی کے بوجھ سے دبا نہیں
کون سا ہے دِل غم کی آگ میں جلا نہیں
کون ہے جو اشک پی کے مسکرا رہا نہیں

اشک مُسکرا اُٹھے کچھ ایسے مسکراؤنا
میرے ساتھ مل کے زندگی کا گیت گاؤنا!

۴۷۔ بال کرشن ساگرؔ

بال کرشن ساگرؔ کا تعلق جموں سے تھا۔ یہاں ہی تعلیم حاصل کی محکمہ ڈاک وتار میں ملازم ہو گئے ۔کشتواڑ کے ایک شہرت یافتہ شاعر عشرتؔ کشتواڑی سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں غزل کے اس شاعر نے داعئ اجل کو لبیک کہہ دیا۔
نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہم اپنے ہونٹ سی لیتے ، ہم اپنے اشک پی لیتے
مگر تری نظر میں تھے، جو افسانے کدھر جاتے

کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدا قادر سروری ص ۱۴۳

چلو اچھا ہُوا، یہ راہ میں تھا میکدہ ورنہ
بھٹک کر دیر و حرم کعبہ سے خدا جانے کدھر جاتے
جفا کے پیچ و خم میں ہم اُلجھ کر رہ گئے ساگرؔ
اگر وہ باوفا ہوتے، خُدا جانے کدھر جاتے [1]

۴۸۔ رہبرؔ جدید

جگ دیپ بہادر سوری نام اور رہبرؔ جدید کے نام سے ادبی دُنیا میں شہرت پائی۔ جموں کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۳۸ء مین جنم ہُوا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر گوئی کا شوق رہا۔ اور ہر بھگوان شادؔ سے مشورہ کیتے رہے۔ جموں کی ادبی سرگرمیوں میں اُن کا بڑا ہاتھ رہا ہے شاعری میں غزل سے اُنہوں نے زیادہ لگاؤ رکھا اور نظم بھی کہی ہے ۔شعر کہنے کا اُن کا انداز منجھا ہُوا ہے ۔کشمیر میں اُردو میں اُن کی ایک نظم ''وہ راتیں''

---

[1] کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ۱۲۶، ۱۲۷

اقتباس اس طرح درج ہے۔

وہ راتیں آہ وہ رنگین راتیں یاد آتی ہیں!
میرے قلب وجگر کو آتش غم سے جلاتی ہیں
وہ راتیں، آہ، جب میری دُعاوں میں اثر آیا
وہ راتیں جب میرے نخلِ تمنا میں ثمر آیا
وہ راتیں جب میری دُنیا میں تو چھپ چھپ کے آتی تھی
وہ راتیں جب مری طبع حزیں تسکین پاتی تھی
وہ راتیں تا د آتی ہیں تو ہو جاتا ہوں دیوانہ
سکون وصبر سے آشنا، راحت سے بیگانہ

۴۹۔گردہاری لال برقؔ

گردہاری لال برقؔ ۱۹۲۴ء میں پونچھ میں پیدا ہُوئے۔شعر گوئی کا ذوق برقؔ لال اوایل عمر سے تھا۔مساعد حالات اور غیرادبی ماحول

ا۔کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص۱۴۱

کے ہوتے ہُوئے بھی شعر کہتے رہے ۔تحسینؔ جعفری اور سرون ناتھ آفتابؔ کے علاوہ دینا ناتھ رفیقؔ سے اصلاح سخن لیتے رہے ۔لکھنے سے زیادہ وہ دوسروں کے کلام سنتے تھے۔ شعرا کی صحبتوں میں بیٹھنے اُٹھنے کا ہمشیہ وہ اہتمام کرتے رہے۔ جس کا اثر اُن کے اندازِ گفتگو پر پڑا۔غزل کے علاوہ اُنہوں نے قطعات اور نظمیں بھی کہی ہیں ۔اُن کی نظمیں وطنی اور قومی ہیں۔اُن کی ایک نظم سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

صیاد کے ظالم ہاتھوں سے گلشن ہے میرا آزاد ہُوا
اے اہلِ چمن اب فرض ہے یہ تزئینِ گلستان ہو جائے
اے برقؔ تمنا اتنی ہے مُرجھائی کلیاں کھل جائیں
گلشن میں جلوہ طعر کا فردوس گلستان ہو جائے

۵۰۔ ودیا رتن عاصیؔ

ودیا رتن ۱۹۳۹ء میں جموں میں پیدا ہُوئے۔۱۷ سال کی عمر پار

کرنے کے بعد شاعری کا آغاز کیا ۔ اُن کا کلام جموں وکشمیر پاکستان اور ہندوستان کے رسالوں میں چھپتا رہا ہےغزل کے شاعر ہیں۔ غزل اپنے عہد کے فکروفن کوسمونے کی کوشش میں کامیاب ہُوئے۔

نمونے کےطور پراُن کی ایک غزل سے دواشعار ملاخطہ فرمائیں:

دل میں آرزو ہے کوئی اور نہ ولولہ
اک شمع جل رہی مگر روشنی نہیں
عاصیؔ زبان خاشی میں داستان شوق
ہم نے کہی ہے بارہا تم نے سنی نہیں [۱]

۵۱۔ فاروق مضطرؔ

فاروق مضطرؔ کا تعلق ضلع راجوری سے ہے۔محکمہ تعلیم میں اُردو لیکچرر کی حیثیت سےفوائض انجام دے رہے ہیں۔ اچھے شاعر ہیں

۱۔کشمیر میں اُردو (حصہ سوم)عبدالقادرسروری ص ۱۴۴

لیکن عرصہ دراز سے شاعری کی جانب توجہ کم کر دی ہے۔ضلع راجوری کے ادبی حلقوں میں کافی شہرت پا چکے ہیں۔اپنی شاعری کا آغاز اُنہوں نے روایتی اسلوب سے کیا۔مگر جلد ہی جدیدیت کی طرف آ گئے ۔اُن کا شعری سفر مختصر ہے۔لیکن جدیدیت کے اسلوب میں انفردیت کا حامل رہا۔مضطرؔ نے روایتی غزل کے ساتھ ساتھ آزاد غزل اور نثری شاعری کے تجربات بھی کیے ہیں۔ مُضطرؔ کی ایک غزل سے چند اشعار ملا حظہ ہوں جو سہ ماہی ''تناظر'' کے شمارے ستمبر ۲۰۰۷ء میں چھپی ہے۔

آنکھوں میں موج موج کوئی سوچنے لگا
پانی میں ثبات نگر ڈوبنے لگا
اک شاخ رنگ ہات سے موسم کی چھٹ گئی
خالی بدن رگوں میں کوئی ٹوٹنے لگا ؎۱

تناظر (شمارہ:۱)انجمن ترقی زبان و ادب ،راجوری ص ۲۰

۵۲۔مرغوب بانہالی

مرغوب بانہالی ۱۹۳۷ء میں بانہال کے موضع بنکوٹ میں پیدا ہُوئے۔ بچپن ہی سے شعر وشاعری کا شوق رکھتے تھے۔اسکول میں مدرس ہُوئے۔اور ۱۹۶۹ء میں شعبہ فارسی ،کشمیر یونی ورسٹی،سری نگر میں لیکچرر مقرر ہُوئے۔اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اُردو میں زیادہ تر غزلیں کہی ہیں۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے دو اشعار:

کب تک وفا کے زمرے گائے کسی کا دل
کب تک جفا کا درد چھپائے کسی کا دل
تا نانی خِرد سے سکون ہے گریز پا
ڈھونڈے پھر جنوں کے سائے کسی کا دل [۱]

۱۔ کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص۱۲۲

۵۳۔ شولال رینہ آزادؔ

شولال رینہ نام اور آزادؔ تخلص۔ پونچھ کے رہنے والے تھے اور بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ آزادؔ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہُوئے۔ محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی۔ آزادؔ کو جس زمانے میں شاعری کا شوق ہوا، پونچھ میں تحسین جعفری اپنی سخن فہمی اور شعرگوئی کے لیے شہرت رکھتے تھے۔ آزادؔ اپنا کلام تحسین جعفری کو دکھایا کرتے تھے۔ آزاد نے غزل اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی۔

اُن کی ایک غزل سے چند اشعار:

آپ کے سامنے بات کیسے کروں
یعنی اظہارِ جذبات کیسے کروں

لوگ تنگ آچکے ہیں رسومات سے
پیروئی رسومات کیسے کروں

ربط ملت سے قائم ہے ہستی مری
عزم ترکِ موالات کیسے کروں

آزاد کی نظم سے چند اشعار :

اس دورانقلاب سے گھبرا نہ اے ندیم
ہرفرد زیرگردش دوراں ہے آج کل
ہم کووفا پہ ناز ہے ،اُن کو جفا پہ ناز
اپنے پہ آپ ہرکوئی نازاں ہے آج کل
آزاد اک دِیانہ تھاجن کوکبھی نصیب
اُن کے بھی گھر میں جشن چراغاں آج کل

آزاد کے کہے ہُوئے قطعات میں سے ایک منتخب قطعہ

جہاں رنگ وبو ہے خوب لیکن
عجب دستور ہے یہ آسمانی
خوشی کے چند لمحے دے دیے ہیں
الم کو دی حیاتِ جاودانی

۵۴۔غلام مصطفےٰ عشرتؔ کشتواڑی

غلام مصطفےٰ نام اور عشرتؔ تخلص مگر عشرت کشتواڑی سے نام سے لکھا کرتے تھے۔کاسگنج ضلع ایٹہ ریاست اُتر پردیش میں پیدا ہُوئے۔اُن کے بزرگوں کا وطن کشمیر ہے۔مگر تجارت کے سلسلے میں اُن کے خاندان کی ایک شاخ کشتواڑ آگئے یہاں ہی اُن کی تعلیم و تربیت ہُوئی۔

عشرتؔ کو شعر و ادب سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔اسکول کی ملازمت کی وجہ سے بچوں کے ادب سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور تین کتابیں لکھ کر شائع کیں۔اُن کی دوسری اہم تالیفات میں ''تذکرہ فریدہ '' اور ''تاریخ کشتواڑ ''ہے

عشرتؔ غزل اور نظم دونوں کہتے تھے ۔ اُن کی غزل اساتذۂ قدیم کی سی پختگی ملتی ہے '' کشمیر میں اُردو ''میں اُن کی ایک غزل سے تین اشعار ملا حظہ فرمائیں:

ستم نصیب بُت طرحدار ہیں ہم لوگ
بُہت اُداس، بُہت دلفگار ہیں ہم لوگ
فرشتے نام ادب سے ہمارا لیتے ہیں
بہ عرف عام مگر بادہ خوار ہیں ہم لوگ
جفا، فریب ستم سے لڑے ہیں، لڑتے ہیں
وفا خلوص کے لیکن شکار ہیں ہم لوگ [1]

۵۵۔ رہبرؔ پونچھی

بلدیوراج دتہ رہبرؔ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کو موضع درآبہ تحصیل سورکوٹ ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے۔ادبی زندگی کا آغاز دوران ملازمت ہُوا۔رہبرؔ کو ادب ورثا میں ملا۔چوں کہ دوابہ وہ دھرتی ہے جس پر بخشی گنگارام دتہ، بخشی بشمبر داس دتہ ،ڈاکٹر شورتن لال برقؔ مہتا سنت رام سودن ، ایم این قریشی جیسی ادبی شخصیات نے جنم لیا دوران تعلیم رہبرؔ پر چراغ حسن حسرتؔ تحسین جعفری، دیانند کپور

ا۔ کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ۳۰

میاں فقیر دین ،اور دینا ناتھ آفتاؔب جیسی شخصیات کا اثر پڑا جس کی وجہ سے ایسے نکھرے کہ اُستاد فن ہو گئے۔ رہبؔر ایک غزل گو شاعر ہُوئے۔جب وہ اپنی غزل ترنم میں پڑھتے تھے تو سامعین جھوم اُٹھتے تھے اور تب تک محفل نہ چھوڑتے جب تک رہبؔر خود ہی چل دیتے ۔رہبؔر نے غزل کے علاوہ آزاد نظم بھی کہی ہے ۔۱۹ جون ۱۹۸۷ءکو رہبؔر اس دارالفانی سے چل بسے۔

اُن کی غزل سے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

کچھ شوق کے مارے پیتے ہیں، کچھ درد کے مارے پیتے ہیں
بدنام میں ہُوں لوگوں میں لیکن یہ سارے پیتے ہیں
جن کو تو میسر ہوتی وہ آنکھ بچا کے پیتے ہیں
ہم لوگ جو مستی پیتے ہیں دریا کے کنارے پیتے ہیں

۵۶۔ پرتھوی راج خماؔر

پرتھوی راج خمار کا وطن حافظ آباد ہے ۱۹۳۱ء میں خماؔر کا جنم ہُوا ملازمت کے سلسلے میں جموں آئے ۔شاعری کا بچپن سے شوق تھا۔

ہماچل پردیش کے محکمہ ٹرانسپورٹ میں ملازمت کی اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں کل ہند ریڈیو سے جُڑ گئے جالندھر میں اناونسر کی خدمت انجام دی پھر جموں آئے۔ خمارؔ ہندی میں بھی شعر کہتے تھے لیکن شاعری سے زیادہ دلبستگی تھی۔

نمونۂ کلام :

رہ عشق میں وہ مراحل بھی آئے
جہاں لب ہنسے دل نے آنسو بہائے
دھڑکتا ہی رہتا ہے شام و سحر دل
کبھی بھول کر بھی قرار اس کو آئے
نظر منتظر دل پریشان، جگر شق
خمارؔ اس طرح بھی طبیعت نہ آئے

۵۷۔ حکیم دوارناتھ حاذقؔ

حکیم دوارناتھ حاذقؔ کا تعلق پونچھ سے تھا۔ یہ چراغ حسن

۱۔ کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۱۲۰

حسرتؔ کے ہم عصر تھے ۔حازقؔ کی تعلیم جموں میں ہُوئی اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہ لاہور چلے گئے ۔ جہاں طبیہ کالج میں دوران تعلیم اُنہوں نے ادبی محفلوں میں حصہ لینا شروع کیا۔اس طرح سے اُن کے اندر کاشاعر بیدار ہوا اور شعر کہنے لگے ۔ حازقؔ شاعری میں اپنے ہم عصر چراغ حسن حسرتؔ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔نظموں کے ساتھ ساتھ وہ غزلیں بھی کہتے تھے۔

نمونۂ کلام:

رلایا ہے مجھے اس بے وفا کی یاد نے اب تک
جلایا ہے مجھے سوز دل ناشاد نے اب تک
ستایا ہے مجھے میرے ستم ایجاد نے اب تک

دیدار کوترساتے ہو معلوم نہیں کیوں
دل کو میرے تڑپاتے ہو معلوم نہیں کیوں
ہر شے نظر آتے ہو معلوم نہیں کیوں

۵۸۔لالہ منوہر لال شہیدؔ

لالہ منوہر لال شہیدؔ ،صوبہ جموں کے شعرا میں اُردو اور ہندی دونوں کے اسالیب پر قدرت رکھنے کی وجہ سے ممتاز رہے ہیں۔قومی اور اخلاقی نظموں کے علاوہ اُنہوں نے رومانی انداز کی نظمیں بھی کہی ہیں۔شاعری سے اُن کے غیر معمولی شغف کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ قانون کے طالب علم رہے اور جنوں میں ہی وکالت کرتے رہے ۔اُن کی ایک قومی نظم سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جئیں جوانام ملک وملت محافظ ننگ ونام ہوکر
نہ یہ کہ مظلوم قوم پر گرِ پڑیں وہ خونی نہنگ ہوکر
ہوعرش بالاتریں سے بالا تمہاری پروازی تخیل
مگر نہ غیروں کے ہاتھ میں تم اُڑو بسنتی پتنگ ہوکر
گناہ سے پاک نیک معصوم زندگی ہو شہیدؔ تری
مگر جھپٹ دُشمنوں کے اوپر وشیر و پلنگ ہوکر [1]

---

[1] کشمیر میں اُردو (حصہ دوم) پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۴۰۱

شہید کی یہ نظم اپریل ۱۹۳۸ء میں مارینڈ اخبار میں شائع ہُوئی۔ جو اس دور کے قومی انداز کی یاد تازہ کرتی ہے۔

۵۹۔ ہر بھگوان شآد

ہر بھگوان شآد جموں کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے تھے ۔ چینی حملے کے دوران ریاست کے شعرا نے کئی اچھی نظمیں قومی احساس کو بیدار کرنے کے مقصد سے کہی تھیں۔ جن میں سے چند منتخب نظموں کو ریاستی کلچرل اکادمی نے ''وطن کی پکار'' کے نام سے ۱۹۶۴ء میں شائع کیا اس میں شآد کی ایک نظم ''جھانسی کی تلوار جاگو'' بھی شامل ہے اُن کی اس نظم کا ایک بن ''کشمیر میں اُردو'' میں اس طرح درج ہے۔

جھانسی کی تلوار جاگو ،دُشمن سر پر آ پہنچا
بھارت کے سردار جاگو، دُشمن سر آ پہنچا
بھارت کے شعارو جاگو، دُشمن سر پر آ پہنچا
بھارت ماں کے پیارو جاگو دُشمن سر پر آ پہنچا

دیش کے پہرے دار جاگو، دُشمن سر پر آ پہنچا [1]

۶۰۔ جاوید راہیؔ

جاوید راہیؔ یکم ستمبر ۱۹۷۰ء کو موضع چنڈک (پونچھ) میں پیدا ہُوئے جموں یونی ورسٹی سے اُردو میں پی ایچ ڈی کی اور اب جموں وکشمیر کی ریاستی کلچرل اکیڈمی میں کلچرل آفیسر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ماہنامہ شیرازہ (گوجری) کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ڈاکٹر راہیؔ کی ادبی زندگی کا آغاز ہفت روزہ ''ستاروں سے آگے ''میں ایک اُردو غزل کی اشاعت سے ہُوا گوجری ادب پر اُن کی دو کتابیں''گوجری لوک ادب ''اور لوک ورثو'' چھپ چکی ہیں۔

راہیؔ کی اُردو غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] ۔کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ۱۲۰

اب کے مل جائیں کہیں ایسا بہانا بھی نہیں
ویسے حالات نہیں ویسا زمانہ بھی نہیں
جانے کیوں سانپ حفاظت کے لیے بیٹھے ہیں
میری دیوار کے نیچے تو خزانہ بھی نہیں

۶۱۔ بشارت حسین جاذبؔ

بشارت حسین جاذبؔ ۱۱ مئی ۱۹۴۷ء کو گاؤں پوٹھہ تحصیل سرنکوٹ ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے۔ محکمہ تعلیم میں ملازمت کرنے کے بعد سبکدوش ہُوئے مگر زندگی نے اُن کا ساتھ نہ دیا ۲۰۰۳ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اُن کی ادبی زندگی کا آغاز ملازمت کے دوران ہی ہُوا تھا۔ غزل کے ساتھ ساتھ قطعہ بھی کہتے تھے۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

شب کے سینے میں کوئی خنجر اُترتا ہی نہیں
اب ہمارے شہر میں سورج نکلتا ہی نہیں

دور تک پھیلے ہُوئے ہیں بے حسی کے دائرے
منجمد احساس کا پتھر پگھلتا ہی نہیں

۶۲۔بشیر حسین بٹ

بشیر حسین بٹ کا تعلق تھنڈی (ضلع پونچھ) سے تھا۔محکمہ تعلیم میں اُردو کے لیکچرر کی حیثیت سے سبکدوش ہُوئے۔ زندگی نے وفانہ کی اور آج دو سال قبل وفات پا گئے۔ادبی زندگی کا آغاز اُنھوں نے کشمیری شاعری سے کیا۔یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ حصہ لیتے رہے ہیں۔ غزل کے علاوہ مرثیہ پڑھنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

نمونے کے طور پر اُن کی غزل سے ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

؎ قریۂ جاں میں جسے ہم نے بسا رکھا ہے
دیکھو اُس کو کہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے

۶۳۔خورشید بسملؔ

خورشید احمد بسملؔ کا تعلق تھنہ منڈی ضلع راجوری سے ہے۔شاعری کا اچھا

شعور رکھتے ہیں۔محکمہ تعلیم سے سبکدوش ہونے کے بعد مختلف ادبی
سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ غزل کے علاوہ نظم بھی کہتے ہیں
اُنھوں نے اگرچہ شاعری مشق منقطع نہیں کی ہے۔مگر کم ضرور کر دی
ہے۔اُن کی غزلیں دور و غم میں ڈوبی ہونے کی وجہ سے اندو
ہناک خاکہ پیش کرتی ہیں۔اکثر وبشیتر زندگی کی شکست و ریخت
اُن کی غزلوں میں نمایاں نظر آتی ہے ،مایوسی اور لاحاصلی ، نابرابری
کا کرب اور المیاتی احساس اُن کی غزلوں کے نمایاں موضوعات
ہیں۔ غزل کے مقابلے میں آج کل زیادہ تر نظمیں لکھتے
ہیں اُن کی نظمیں اور غزلیں اکثر اخبارات کی زنیت بنتی رہی
ہیں۔ماں کے حضور میں اُن کی ایک مشہور نظم سے دو اشعار
ملاحظہ ہُوں جو کشمیر عظمیٰ میں چھپی ہے۔

اے میری ماں میرے خوابو کی حقیقت تو ہے
ہُوں اگر پھول تو اس پھول کی نکہت تو ہے
اے میری ماں میری سانسوں میں تیرے نغمے ہیں!
میں میری سمجھوں میرے لفظوں کی لطافت تو ہے [۱]

---

[۱] کشمیر عظمیٰ (روزانہ) یکم فروری ۲۰۰۹ء ص ۷

۶۴۔علمدار حسین شاہ عدؔم

علمدار حسین شاہ عدؔم ۱۹۷۶ء میں گاؤں قصبہ ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے جموں یونی ورسٹی سے اُردو میں پی،ایچ،ڈی کی سند لی۔آج کل ریاستی کلچرل اکادمی کی راجوری برانچ میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔جدید شاعر ہیں۔اورتنقیدی مضامین بھی لکھتے ہیں

نمونے کے طور پر اُن کی غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زمانے کا مقدر ہو گیا ہے
وہ صحرا تھا سمندر ہو گیا ہے
نگلتا جا رہا ہے آسماں بھی
جہاں والو وہ جگر ہو گیا ہے

۶۵۔راج کمار ابروؔل

راج کمار ابروؔل کا جنم ۱۹۳۹ء میں جموں میں ہُوا۔بچپن ہی سے شعر وادب کا ذوق و شوق رکھتے تھے۔غزل کے شاعری ہیں۔ اُنہوں

نے کلاسیکی انداز کی غزل کہی ہے۔اُن کی ایک غزل سے دو اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

ترے حضور کوئی التجا کریں نہ کریں
کشمکش شوق وا کریں نہ کریں
کبھی یقین کہ خُدا اوہم ہو نہیں سکتا
کبھی یہ یقین خدا کریں نہ کریں

۶۶۔وجے سوسن

وجے سوسن کا تعلق جموں سے ہے۔غزل کے شاعر ہیں۔ اور اچھی غزلیں کہی ہیں۔غزل میں اسالیب خود وضع کرنے کی وجہ سے اُن کی غزل میں تازگی ملتی ہے۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تم نے دل پر جو تیر مارے ہیں
وہی اب زیست کے سہارے ہیں

یہ جو کچھ لوگ پیارے پیارے ہیں
دل کی دُنیا کے چاند تارے ہیں

تم ہمارے نہیں تو کس کے ہو
ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں

تری نظروں کو کون دے الزام
ہم سب اپنی قضا کے مارے ہیں [1]

٦٧۔ گوہر بانہالی

گوہر بانہالی کا تعلق جموں صوبے کے علاقے کھار پورہ بانہال سے ہے۔غزل کے شاعر ہیں۔اچھی شاعری کرتے ہیں۔
نمونے کے طور پر اُن کی چھوٹی بحر کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں

لوگ جو با اصول ہوتے ہیں
جیسے کانٹوں میں پھول ہوتے ہیں

---

[1] کشمیر میں اُردو (حصہ سوم) عبدالقادر سروری ص ۱۵۲

جی جو لیتے ہیں اوروں کی خاطر
کام اُن کے قبول ہوتے ہیں
رسم اُلفت سے آشنا دلبر
کب کسی سے ملول ہوتے ہیں
ذکر جن کا نہ آئے محفل میں
آدمی وہ فضول ہوتے ہیں [1]

٦٨۔عنایت تنویرؔ

عنایت تنویرؔ ۲۴ مارچ ۱۹۵٦ء کو ڈھنک تحصیل سرنکوٹ ضلع پونچھ میں پیدا ہوئے۔زندگی نے اُن کا ساتھ نہ دیا اور ۲۰۰۱ء میں اُنہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ادبی زندگی کا آغاز تنویرؔ نے دورانِ تعلیم ہی کیا۔غزل کے شاعر تھے۔

-

---

[1] کشمیر عظمیٰ (روزانہ) ۲۹ مارچ ۲۰۰۹ء

اُن کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سر پہ جو اک سائباں تھا کیا ہُوا
جگمگاتا آسمان تھا کیا ہُوا
ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں ٹوٹ کر
حُسنِ ظن جو درمیان تھا کیا ہُوا

٦٩۔عبدالغنی جاگل

عبدالغنی جاگل ۱۲ اپریل ۱۹٦۲ء کو گاؤں گورسائی تحصیل مہینڈر ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے۔غنیؔ تخلص کرتے ہیں۔پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہیں۔مگر اُن کی مصروفیت نے گزل کہنے سے اُنھیں کبھی نہیں روکا۔غنیؔ کو شاعری ورثے میں ملی ۔اچھی غزل کہتے ہیں۔

اُن کی غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تری نظر دو نیم کر گئی　　　طفلِ مکتبی میں یتیم کر گئی
کسی سے چھین لی ہے صورت　　　کسی کو طور کا کلیم کر گئی

۷۰۔ڈاکٹر رفیق انجمؔ

رفیق انجمؔ یکم جنوری ۱۹۶۲ء میں گاؤں کلائی ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے شاعری کا شوق بچپن سے رہا ہے ۔ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔مگر اُن کے پیشے نے اُنھیں غزل کہنے سے کبھی نہیں روکا ''خواب جیرے '' اُن کا شعری مجموعہ چھپ کے منظر عام پر آ چکا ہے۔اور ادبی محفلوں کی رونق کو دوبالا کرنا اُن کا نصب العین ہے۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

تشنگی گئی نہ میری تنہائی گئی
دامن ہستی میں اُلفت کی کمی پائی گئی
ہم نے پوچھا کیا ہُوئی تھی جو جوانی آپ کی
بولے وہ رحمت خدا کی تھی جو آئی گئی

رفیق انجمؔ اُردو اور گوجری دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں شاعری کے علاوہ وہ ایک محقق ، مترجم، ناقد اور افسانہ نگار کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان رکھتے ہیں۔

۷۱۔ عُشاقؔ کشتواڑی

عُشاقؔ کشتواڑی کا تعلق جموں صوبے کے ضلع کشواڑ سے ہے اسی نسبت سے کشتواڑی کہلاتے ہیں جدید شُعرا کی صف میں ان کا شمار ہوتا ہے۔اُن کا کلام ہندوستان کے معیاری رسائل کی زینت بنتا رہتا ہے۔غزل کے ساتھ ساتھ نعت بھی کہتے ہیں۔ ''شاعر''،ممبئی کے ایک شمارے میں اُن کی ایک غزل سے لیے گئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

میرے در پر وہ عبارت لکھ گیا
جھونپڑے کو بھی عمارت لکھ گیا

شہر کے پُر امن چہرے پر کوئی
لوٹ، دہشت، قتل و غارت لکھ گیا

میرے دل کے سادہ کاغذ پر وہ بُت
شوخ نظروں سے شرارت لکھ گیا [۱]

۱۔شاعر (ممبئی) دسمبر ۲۰۰۸ء ص ۳۷

۷۲۔ مستوراحمد شاؔد

مستوراحمد شاؔد ۲۸ جنوری ۱۹۶۰ء کو گاؤں بفلیاز تحصیل سرنکوٹ ضلع پونچھ میں پیدا ہُوئے۔سرکاری نوکری کرتے ہیں۔کافی عرصے سے شعر کہتے ہیں چھوٹی ،بڑی بحروں میں اُن کی غزلیں ملتی ہیں۔ اُن کی ایک غزل سے دو اشعار نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

خالی کمرہ ڈر لگتا ہے۔ وحشت کا منظر لگتا ہے۔
اب کے کیسی فصل اُگی ہے۔ پھول بھی اب پتھر لگتا ہے۔

۷۳۔ڈاکٹر لیاقت علی جعفری

ڈاکٹر لیاقت علی جعفری ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء کو بمقام پونچھ پیدا ہُوئے۔ پیشے کے اعتبار سے کالج میں لیکچرر ہیں۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز اُنھوں نے ۱۹۹۰ء میں کیا۔ مواتر غزل کہتے ہیں۔ اور اچھی غزل کہنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ سے اُنھوں نے حصہ لیا ہے۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

میں خود تک لوٹ آؤں راستہ کوئی نہیں دے گا
مجھے اس شہر میں میرا پتہ کوئی نہیں دے گا
میری ویرانیو؟ کس نے تمہیں آباد کرنا ہے
میری خاموشیو؟ تم کو صدا کوئی نہیں دے گا [۱]

۴۷۔ شیخ خالد کرّار

شیخ خالد کرّار کا تعلق سرنکوٹ (ضلع پونچھ) سے ہے۔ ایک اچھے شاعر کے ساتھ ساتھ وہ افسانہ نگار بھی ہیں۔ کرار جدید شاعری کرتے ہیں اُن کی شاعری میں یاسیت اور فکر و فلسفہ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ زبان و بیان کی باریکیوں سے روشناس ہیں۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پھیلتی جسم کی زنجیر شرارے کی طرح
میں کہ تارا ہوں مگر ٹوٹتے تارے کی طرح

۱۔ اُڑان (روزانہ) ۱۱ جنوری ۲۰۱۰ء ص ۴

درمیان ایک سمندر ہے ازل سے موجود
کنارے کی طرح بھی کنارے کی طرح ا؎

۷۵۔ احتشام حسین بٹ

احتشام حسین بٹ یکم جون ۱۹۷۱ء کو بمقام منڈی (ضلع پونچھ) پیدا ہُوئے۔ بچپن سے ہی شاعری کرنے کا شوق تھا۔ متواتر شعر کہتے چلے آ رہے ہیں۔ یہاں کی ادبی محفلوں میں اکثر حصہ لے کر اپنا کلام سناتے ہیں اور داد لیتے ہیں۔ عموماً غزل کہتے ہیں۔ چھوٹی اور بڑی بحروں میں غزل کہتے ہیں۔

نمونے کے طور پر اُن کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وہ جو پلکوں کو کیے اشکوں سے تر رکھتے ہیں
کیا میری طرح کوئی دردِ جگر رکھتے ہیں
پہلے روتے تھے نہ تھا کوئی ٹھکانا اپنا
اب تو اس بات کا رونا ہے گھر رکھتے ہیں

ا؎۔ ادبیات پونچھ محمد ایوب شبنمؔ ص۲۷۲

۷۶۔ فاروق احمد مغل پرواز

فاروق احمد مغل پرواز ۲ِمئی ۱۹۷۱ءکو گاؤں ماہڑہ ضلع پونچھ پیدا ہُوئے مگر اُن کا خاندان آج کل پونچھ شہر میں آباد ہے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ،علی گڑھ سے ایم۔ایس سی اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔علی گڑھ میں دوران تعلیم شعبہ اُردو کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے جس سے اُن کے فن میں نکھار آیا۔پرواز All M S دہلی میں سرکاری نوکری کرتے ہیں اور غزل کہتے ہیں۔

نمونے کے طور پر اُن کی اُردو غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رات کے پچھلے پہر مجھ میں کوئی ڈر جاگے
جاگتا ہے تو میری جان مکرر جاگے
آنکھ کھل جائے تو بدلی ہُوئی دُنیا دیکھوں
بند آنکھوں میں وہی روز کا منظر جاگے

۷۷۔مختار الدین اعوان ظہیر

مختار الدین نام اور ظہیر تخلص ۱۰اپریل ۱۹۷۲ءکو بمقام سئی (ضلع پونچھ)

پیدا ہُوئے۔بچپن سے شعر کہنے کا شوق تھا۔محکمہ پولیس میں ملازمت کرتے ہیں اُن کی ادبی زندگی کا آغاز ملازمت کے دوران ہُوا۔ اُستاد کامل کی ضرورت ہے۔

۷۸۔ لیاقت حسین شاہ نیرؔ

لیاقت حسین شاہ نیرؔ ۶ اگست ۱۹۷۳ء کو بمقام ڈُھندک (ضلع پونچھ) پیدا ہُوئے۔اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں ۔غزل کے شاعر ہیں اُن کی غزلیں اکثر رسائل اور اخبارات کی زنیت بنتی ہیں۔

سہ ماہی تناظر سے اُن کی ایک غزل سے چنداشعار ملاحظہ فرمائیں:

میرے لہو کی کتاب لکھنا سرخ سارے ہی باب لکھنا
ہے خارزاروں سے کیا شکایت یہاں چھپے ہیں گلاب لکھنا
یہ جان جائے تو جائے نیرؔ نہ بزدلوں کو جناب لکھنا [۱]

---

[۱] تناظر (سہ ماہی) انجمن ترقی زبان ادب، راجوری، جموں وکشمیر ص ۳۱

۷۹۔ سرفراز حسین خان تحسینؔ جعفری

تحسینؔ جعفری کا شمار پونچھ کے ممتاز شعرا کی صف میں ہوتا ہے۔۲ جون ۱۸۰۸ء کو تحسینؔ منگناڑ (پونچھ) میں پیدا ہُوئے۔صحافت سے بھی لگاؤ رکھتے تھے۔اور شاعری بھی کرتے تھے۔

اُن کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عارض سیمیں پہ خم زُلف رسا ہونے تو دے
جس پہ سب مرتے ہیں پیدا وہ ادا ہونے تو دے
دل کے آیئنے میں آئے گی نظر سب کائینات
پاکبازی کی دُعا اس پر جلاِ ہونے تو دے [1]

۸۰۔ محمد عُمر فرحتؔ

محمد عمر نام اور فرحتؔ تخلص، یکم مارچ ۱۹۸۶ء کو راجوری شہر میں جنم ہُوا۔انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد شاعری کا شوق پیدا ہُوا۔غزل کہنے

---

[1] ادبیات پونچھ محمد ایوب شبنمؔ ص ۲۶۸

لگے۔جدید شاعر ہیں ۔اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں مگر نوک پلک سنوارنے کے لیے اُستاد کی ضرورت ہے۔ اگر کسی لائق فن شناس کی رہنمائی حاصل ہو گئی تو اچھی شاعری کر سکتے ہیں۔

اُن کی ایک غزل سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رہا کوئی راجہ نہ رانی رہی — نہ اُلفت کی کوئی کہانی رہی

نئے دور نے سب اُلٹ کر دیا — کوئی شے نہ گھر میں پُرانی رہی

۸۱۔ احمد شناسؔ

احمد شناسؔ کا تعلق شاہدرہ شریف ضلع راجوری سے ہے ۔کہی سال سے لکھ رہے ہیں ۔جدید شاعر ہیں۔اُن کے کلام میں نئی حسی کیفیات کے ساتھ نئے موسموں کی روداد رقم نظر آتی ہے۔اس دور کے انسان کا دور اُن کے اشعار میں رنگ بدل بدل کر رونما ہوتا ہے ۔

نمونۂ کلام

اک زمین تیرے آلام سات آسماں　　ایک میں تیرا احساس سات آئینہ

ایک ایسا بھی موسم مجھے یاد ہے　　زعفرانی زمین پات پات آئینہ

میرے چہرے، سوالات بے انتہا　　میرا حاصل شکستہ حیات آئینہ [1]

۸۲۔نثار راہیؔ

نثار راہیؔ کا تعلق ضلع راجوری سے ہے۔اُن کے ہاں فرد کر مسائل شعری لباس پہن کر اُبھرتے ہیں ۔تنہائی کا حساس اور انسان کی بے معنویت کا دکھ و درد اُن کی کل شعری کائینات ہے ۔ اسی احساس کی شدت نے اُن کے ہاں وہ دھوپ چھاؤں پیدا کردی ہے جو جدید سے منسوب ہے ۔

نموۂ کلام :

سارے انا کے خواب تو مٹی میں بس گئے
اگلی رتوں کا پیڑ پھر اونچائیوں میں تھا

---

[1] تسلسل (شش ماہی) جلد؛ا شمارا:ا، شعبہ اُردو، جموں یونی روسٹی　ص ۱۱۸

اتنے بڑے ہجوم میں اک آشیانہ تھا
اپنوں کا دُور دُور تک کوئی پتہ نہ تھا

اس دھوپ کے صحرا میں کیا رنگ تلاشو گے
نہ آس کا ہے سایہ نہ شوق کا منظر

شیشے کے مکانوں پر کچھ دیر نظر رکھو
ہر سمت شرارت ہے ہر ہاتھ میں پتھر ہے

۸۳۔شام طالبؔ

''ادبی کُنج جموں'' کے صدر ہیں۔ادیب نقاد ،صحافی اوراچھے غزل گو شاعر ہیں ۔ اُردو کے اخبارات میں ان کی غزلیں اکثر چھپی ہیں روزانہ ''اُڑان'' میں اُن کی چھپی ہُوئی ایک غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

روح کی تحریر دل آنسوؤں کا ہے بیاں
ہم نفس تُجھ کو سناؤں کربلائی داستان

پھول پتے شاخ شبنم تتلیاں ہیں چشم نم
حق پرستوں کی کہانی کہہ رہا ہے آسماں [1]

۸۴۔ڈاکٹر پریمی رومانی

ان کا اصل نام سبھاش چندر ایمہ ہے مگر ادبی دُنیا میں پریمی رومانی کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ڈاکٹر پریمی رومانی ،ڈاکٹر برج پریمی مرحوم کے فرزندار جمند ہیں۔رنگہ ٹینگ ،عالی کدل ،سری نگر میں پیدائش ہُوئی ۔مگر آج کل جموں میں سکونت پذیر ہیں ۔ریاست جموں وکشمیر کے بہترین نقادوں میں ان کا نام آتا ہے ۔اس میدان میں قدم رکھتے ہی درجنوں کیا بیں لکھ دیں اس کے علاوہ اُردو میں شاعری بھی کرتے ہیں ''سنگ میل'' کے نام سے ان کا ایک مجموعہ کلام منظر عام پر آ چکا ہے۔

---

[1] اُڑان (روزنہ)

اُردو زبان وادب کا جنم ہندوستان میں مغلوں کا دورِحکومت شروع
ہوتے ہی لشکری زبان کی صورت میں ہُوا تو اس نے بُہت کم
وقت میں اپنے آقاؤں کی سر پرستی میں دہلی اور جموں وکشمیر کا
درمیانی فاصلہ طے کیا۔اور یہاں ایک پُر فضا وادی کی حسین و
جمیل گود میں پل کر اپنے دائرۂ اثر کو وُسعت سے ہمکنار کر
دیا ۔اور ہر پہلے سے اپنے پھلنے پھولنے کے لائق آب وہوا پا کر پھیلنا
شروع کیا ۔ سو سواسو سال سے کچھ اوپر وقت گزار کر یہ
لاڈلی زبان بیرونی ہوتے ہُوئے بھی حکومت کے ایوانوں میں جگہ
پاکر پیار اور قدرو منزلت سے سرفراز ہُوئی ۔اور یہاں کی اصلی
زبان سے آنکھیں ملانے لگی ۔یوں تو عام طور پر ہر زبان نے
اپنا دفتر ادب ،شعر و شاعری ہی سے کھولا ہے مگر اُردو زبان نے
دہلی اور جموں و کشمیر میں بول چال کی زبان سے بسم اللہ کر کے نثر
سے اپنا دفتر ادن کھولا ہے اُردو زبان پہلے جموں صوبے اور پھر
کشمیر صوبے میں داخل ہو کر اپنی بُنیادیں استوار کر رہی تھی
کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دورِحکومت شروع ہُوا اور چونکہ یہ دور
پہلے زمانے کی نسبت امن کا دور تھا لہٰذا علم و ادب کی ترقی

کے لیے مناسب فضا قائم ہُوئی ۔مہاراجہ کے درباری فارسی زبان کے اُستاد تھے مگر فارسی کے ساتھ ساتھ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں کئی تحیری کام اُردو میں بھی ہُوئے۔مہاراجہ کے زمانے میں اگرچہ اُردو سرکاری زبان کا درجہ نہ پاسکی مگر قبولیت عام حاصل کرنے میں آگے ہی آگے بڑھتی رہی ۔اسی زمانے میں پہلا اُردو پریس بھی بدیابلاس پریس کے نام سے قائم ہُوا۔اس زمانے کے شُعرا میں ہرگوپال کول خستہؔ اعلیٰ پائے کے شاعر ہُوئے ۔

ملک کی آزادی تک صوبہ جموں میں اپنی اپنی بساط کے مطابق شعرا یہاں اُردو شعری سرمائے میں اضافہ کرتے رہے ۔ اور ۱۹۴۷ء تک ایک خاص رنگ غالب رہا۔جس میں غیر ملکی حکمرانوں اور شخصی حکومت کے ظلم وستم کی داستان اور اس حالت غلامی سے چھٹکارا پانے کی خواہشوں نے مختلف رنگ و روپ میں شعری تخلیقات میں جگہ پائی۔ یہاں ۱۹۴۷ء سے قبل شعرا کی ایک کثیر تعداد سامنے آئی۔اُن میں رسا جاودانی ، کشن سمیلپوری چراغ حسن حسرتؔ، دینا ناتھ رفیقؔ ،سرون ناتھ آفتابؔ، تحسین جعفری، حبیب کیفوی،نشاط کشتواڑی،غلام مصطفےٰ عشرتؔ کشتواڑی،رہبرؔ پونچھی

وغیرہ نے اُردو شاعری کے امکانات کی توسیع میں اہم رول ادا کیا ہے ۔یہ شعرا مجموعی طور پر اکیسویں صدی کی اس شعری روایات کی آبیاری کرتے رہے جسے آزادؔ اور حالیؔ نے جدید کی صورت میں متعارف کرایا۔ اس کی رو سے فطرت نگاری معاشرتی مسائل ،جذبات نگاری،حُسن و عشق اور رومانیت کو مدد ملی۔صوبے کے شعرا کے کلام میں ان ہی موضوعات کو پیش کیا جاتا رہا۔

۱۹۵۰ء کے بعد جموں صوبے میں کئی ناموراور باصلاحیت شعرا سامنے آئے ۔پرتھوی راج خمارؔ،حسام الدین بیتابؔ، حکیم دوارکاناتھ حاذقؔ،عرشؔ صہبائی ،لالہ منوہر لال شہیدؔ،ہر بھگوان شادؔ،شولال رینہ آزادؔ شورتن لال برقؔ،بشیر بٹ،گردھاری لال برقؔ،بلراج کمار بخشی،غلام حسین شاہ عاصیؔ،مہیش شرما،سجاد پونچھی،بشارت جاذبؔ،محمد امین بانہالی، گوہر بانہالی،عشاقؔ کشتواڑی،ساغرؔ صحرائی،عنایت تنویر،مستور شادؔ۔ رفیق انجمؔ عبدالغنی جاگل ،پرویز مانوسؔ،امتیاز نسیمؔ ہاشمی، جاوید راہیؔ، احیشام بٹ، فاروق مغل پرویزؔ،لیاقت جعفری،انور خان،مختار ظہیرؔ،لیاقت نیّرؔ، نصرت چوہدری،علمدار حسین عدمؔ،ع۔ع۔عارفؔ،شیخ خالد کرّار،محمد عمر فرحتؔ، راجیش گوہر،بال کرشن ساگرؔ،وجے سوسنؔ،راج کمار ابرول،ڈاکٹر میر جعفری

شادؔ، حکیم منظور، عابد مناوری، محمد یٰسین بیگ ،محمود الحسن محمودؔ، مسعود الحسن مسعودؔ،
رہبرؔ جدید، پرتپال سنگھ بیتابؔ، کے ڈی مینی، ڈاکٹر صابر مرزا، خورشید بسملؔ،
شہباز راجوروی ،فداؔ راجوروی، فداؔ کشتواڑی، مرغوب بانہالی، منشور بانہالی،
خورشید کرمانی، ودیارتن عاصیؔ کے نام قابل ذکر ہیں۔ان شُعرا میں
حکیم منظور صفِ اول کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔''ناتمام''''برف رتوں
کی آگ''''خوشبو'''' لہولمس'' ''چنار''''شعری آسمان'' اُن کے شعری
مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

مندرجہ بالا شعرا جن کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے،
کے علاوہ اس صوبے سے تعلق رکھنے والے شُعرا میں اختر دانش
بھدرواہی، تنویر بھدرواہی ۔جگن ناتھ آزادؔ، کامگار کشتواڑی، محمد اشرف
بٹ بھلیسی ،نور محمد نور، امام الدین ہُد ہُد ،عبدالغنی بے بسؔ، شبیر فہمی، ملک
عبدالطیف، اقبال نازشؔ ،شبیر راتھر، قیوم نائیک، رشید قمر، نذیر برقؔ،
راحت حسین راحتؔ، غلام فاطمہ، خورشید میر، فاروق انور، خواجہ غلام رسول
قمر، نصرت چوہدری، فضل حسین مشتاق، حاجی شمس دین، سائیں فقر دین،
ڈاکٹر دانش ملک، غلام حسین ملک دردؔ بھلیسی غلام قادر حزیں وغیرہ کے نام
قابل ذکر ہیں۔اس طرح ان شعرا کے کلام کا مطالعہ کر کے میں نے

جموں صوبے میں اُردو شاعری کے ارتقا کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ جو میرے
مقالے کا ایک اہم باب ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر	سنِ اشاعت
۱	آزاد جان محمد	جموں و کشمیر کے اُردو مصنفین	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	۲۰۰۴ء
۲	انور سدید (ڈاکٹر)	اُردو ادب کی تحریکیں	انجمن ترقی اُردو پاکستان	۱۹۸۳ء
۳	احمد حسن	تدریس اُردو	اکسل فائن آرٹ، حیدر آباد	۱۹۷۳ء
۴	ادیب معود حسین	ہماری شاعری معیاو مسائل	کتاب گھر، لکھنو	۱۹۷۱ء
۵	اندرابی محمد امین	شیرازہ (جموں و کشمیر میں اُردو ادب کے پچاس سال)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	۲۰۰۴ء
۶	بانڈے خواجہ محمد دین	پُونچھ تاریخ کے آئینہ میں	خواجہ محمد دین بانڈے میموریل سوسائٹی، پُونچھ	۲۰۰۶ء
۷	بٹ محمد حمید اللہ (ڈاکٹر)	ماہنامہ اُردو دنیا	قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی	۲۰۰۳ء
۸	بٹ محمد حمید اللہ (ڈاکٹر)	اُردو انسائکلوپیڈیا (حصہ اول)	قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی	۲۰۰۳ء
۹	بٹ غلام رسول	حبہ خاتون	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۲۰۰۲ء
۱۰	برج پریمی (ڈاکٹر)	جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشو و نما	رچنا پبلی کیشنز، جانی پور، جموں	۲۰۰۰ء
۱۱	بیتاب پرتپال سنگھ	موجِ ریگ	کرلیسٹ ہاؤس، پبلی کیشنز، جموں	۲۰۰۳ء
۱۲	بیتاب حسام الدین	دشتِ جنوں	دامنِ شب پبلی کیشنز، سرنکوٹ، پُونچھ	۲۰۰۷ء
۱۳	پانڈے وینا پانی	ٹیچنگ آف اُردو	موہبیت پبلی کیشنز، نئی دہلی	۲۰۰۴ء
۱۴	پنڈت محمد امین	آئینہ کشمیر	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۲۰۰۲ء
۱۵	ٹاک محمد اشرف	(ماہنامہ) شیرازہ (اردو) عبدالاحد آزاد نمبر	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	۲۰۰۲ء
۱۶	ٹاک محمد اشرف	(ماہنامہ) شیرازہ (اردو) جموں، کشمیر اور لداخ قدیم تذکروں اور سفر ناموں کی روشنی میں II جلد: ۴۳؛ شمارہ: ۶۔۱۱	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	------
۱۷	ٹاک محمد اشرف	(ماہنامہ) شیرازہ (اردو) جلد: ۴۵؛ شمارہ: ۲۔۳	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	------
۱۸	جمیل جالبی	تاریخ ادب اُردو	ایجوکیشنل پبلی شنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۷۷ء
۱۹	جوہر قدوسی (ڈاکٹر)	گلدستہ اُردو	تکبیر پبلی کیشنز مدینہ چوک، گاؤکدل، سری نگر	۲۰۰۹ء
۲۰	حامدی کاشمیری	ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ادب	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۱۹۹۱ء
۲۱	خلیل صدیقی	زبان کیا ہے؟	عاکف بک ڈپو، دہلی	۱۹۹۸ء
۲۲	خورشید کرمانی	دُکھ کے موسم	----------------	۱۹۹۴ء

۲۳	ڈار بشیر احمد	ہم اور ہمارا ملک	جے اینڈ کے اسٹیٹ بورڈ آف اسکول ایجوکیشن	۲۰۰۲ء
۲۴	سجاد پونچھی	فصلیں بولتی ہیں	درخشاں پبلی کیشنز، سری نگر	۲۰۰۸ء
۲۵	سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو (حصہ اول)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجیز	۱۹۸۱ء
۲۶	سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو (حصہ دوم)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجیز	۱۹۸۲ء
۲۷	سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو (حصہ سوم)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجیز	۱۹۸۴ء
۲۸	سکینہ رام بابو	اُردو ادب کی تاریخ	مطبع منشی تیج کمار، لکھنئو	۱۹۶۹ء
۲۹	سیّد عبداللہ (ڈاکٹر)	اُردو ادب کی ایک صدی	چمن بک ڈپو، دہلی	۱۹۸۴ء
۳۰	شاد امیر جعفری	آہنی آواز	کرشن چندر میموریل، بزمِ ادب، سرنکوٹ	۲۰۰۷ء
۳۱	شبنم محمد ایوب	ادبیاتِ پونچھ (حصہ اول)	کرشن چندر میموریل، بزمِ ادب سرنکوٹ	۲۰۰۶ء
۳۲	شرما ایس آر (ڈاکٹر)	Teaching of Dev. of Urdu	انمول پبلی کیشنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی	۱۹۹۳ء
۳۳	صابر مرزا (ڈاکٹر)	تناظر (سہ ماہی) شمارہ: پہلا	انجمن ترقی زبان و ادب، راجوری	۲۰۰۷ء
۳۴	صابر مرزا (ڈاکٹر)	صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اُردو کے اثرات	اِقرا پبلی کیشنز، سری نگر	۲۰۰۵ء
۳۵	صدیقی خورشید حمرہ (ڈاکٹر)	اُردو زبان کا آغاز (مختلف نظریے اور حقائق)	-------------------------	۱۹۹۳ء
۳۶	صدیقی خورشید حمرہ (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۹؛ شمارہ: ۱۸)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۶ء
۳۷	صدیقی خورشید حمرہ (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۱۰؛ شمارہ: ۲۰)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۷ء
۳۸	صدیقی خورشید حمرہ (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۱۱؛ شمارہ: ۲۱)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۸ء
۳۹	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۱؛ شمارہ: ۱)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۱۹۹۸ء
۴۰	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۵؛ شمارہ: ۱۰)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۳ء
۴۱	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۶؛ شمارہ: ۱۱)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۳ء
۴۲	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد: ۶؛ شمارہ: ۱۲)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۴ء

۴۳	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (رساجاودانی نمبر)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۴ء
۴۴	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد : ۷ ؛ شمارہ : ۱۴)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۴ء
۴۵	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد : ۸ ؛ شمارہ : ۱۵)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۵ء
۴۶	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد : ۹ ؛ شمارہ : ۱۶)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۵ء
۴۷	ظہور الدین (ڈاکٹر)	تسلسل (شش ماہی) (جلد : ۹ ؛ شمارہ : ۱۷)	شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں	۲۰۰۶ء
۴۸	ظہور الدین (ڈاکٹر)	Dev. of Urdu Language & Literature in Jammu Region	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۱۹۸۵ء
۴۹	ظہور الحسن	نگارستانِ کشمیر	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۲۰۰۲ء
۵۰	عارف ع۔ع	دور اُفق کے پار	صوفی پرنٹنگ پریس، پونچھ	۲۰۰۷ء
۵۱	فرمان فتح پوری	اُردو رُباعی	مکتبہ عالیہ، لاہور	۱۹۸۲ء
۵۲	فرید پربتی (داکٹر)	انتقاد واصلاح	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، دہلی	۲۰۰۵ء
۵۳	فرید پربتی (داکٹر)	خبر تحیر (رُباعیوں کا مجموعہ)	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، دہلی	۲۰۰۷ء
۵۴	فریدی فرید احمد (ڈاکٹر)	ہمارا ادب (ڈوڈہ نمبر)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز	۲۰۰۷ء
۵۵	فوقؔ محمد دین	تاریخ اقوامِ کشمیر (حصہ اول)	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۲۰۰۴ء
۵۶	فوقؔ محمد دین	تاریخ اقوامِ کشمیر (حصہ دوم)	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۲۰۰۴ء
۵۷	فوقؔ محمد دین	شبابِ کشمیر	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۱۹۹۳ء
۵۸	فوقؔ محمد دین	مکمل تاریخ کشمیر	چنار پبلیشنگ ہاوس، سرینگر	۱۹۱۰ء
۵۹	قادری حامد حسن	داستان تاریخ اُردو	لکشمی نارائن اگروال تاجر کُتب آگرہ	۱۹۳۸ء
۶۰	قریشی ایم این	نوین اُردو گائیڈ	ہرنام داس اینڈ بردرس، جموں	۱۹۸۵ء
۶۱	قیوم صادق	اُردو زبان کا مذہبی ورثا	علوی بُک ڈپو، ممبئی	۱۹۶۸ء
۶۲	گپتا دیواندر	اُردو کے تصنیفی و تالیفی ادارے	گلشن پبلیشرز، سری نگر، کشمیر	۱۹۸۷ء
۶۳	گیان چند (ڈاکٹر)	تحقیق کا فن	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، دہلی	۲۰۰۵ء
۶۴	مجید حسین	Geography of Jammu & Kashmir	راجیش پبلی کیشنز، نئی دہلی	۲۰۰۵ء

۶۵	محبوبہ وانی (ڈاکٹر)	تشکیل و ترسیل	انظر پبلی کیشنز، برین نشاط، کشمیر	۲۰۰۱ء
۶۶	محمود حسن محمود	متاعِ خیال	منشی پیراں دِتہ سلہریہ اینڈ سنز، بازار پونچھ	۲۰۰۶ء
۶۷	محی الدین (ڈاکٹر)	دکنی ادب کی تاریخ	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۰۱ء
۶۸	ملک نذیر احمد	بازیافت (شمارہ: ۳۸۔۳۹)	شعبہ اُردو، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر	۲۰۰۶ء
۶۹	ملک نذیر احمد	بازیافت (جشنِ زرّیں نمبر)	شعبہ اُردو، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر	۲۰۰۸ء
۷۰	مُغل محمد اعظم (ڈاکٹر)	مُغل اُردو گائیڈ	----------------------------	۲۰۰۸ء
۷۱	وجے دیو سنگھ	جموں و کشمیر میں اُردو زبان و ادب کی ترقی	ڈائرکٹوریٹ آف ڈِسٹینس ایجوکیشن، جموں یونیورستی، جموں	۲۰۰۲ء

رسائل

۱ آگہی

۲ آئینہ

۳ تناظر

۴ حرف بہ حرف

۵ شاعِر

۶ شُہل ناگ

۷ بزمِ سہارا

اخبارات

۱ اُڑان

۲ تسکین

۳ دامنِ شب

۴ راشٹریہ سہارا

۵ سندیش

۶ کشمیر عُظمیٰ

۷ ہند سماچار